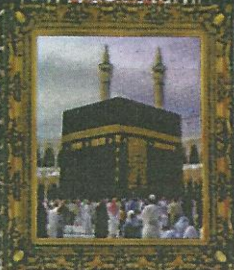
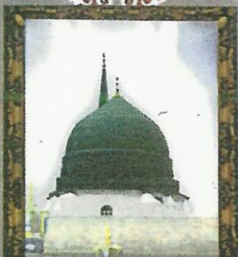
﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾

آپ فرما دیجئے کہ یقیناً میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کیلئے ہے جو سارے جہاں کا مالک ہے۔

(الانعام: ۱۶۲-۱۶۳)



اسلامی عقائد



تالیف:

خلیق احمد مفتی

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِي وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾

آپ فرما دیجئے کہ یقیناً میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کیلئے ہے جو سارے جہاں کا مالک ہے۔

(الأنعام:۱۶۲-۱۶۳)

اسلامی عقائد

تألیف:

خلیق احمد مفتی

نام کتاب : اسلامی عقائد

طبع : دوم

تألیف : خلیق احمد مفتی

ناشر :

﴿ رابطہ ﴾

پوسٹ بکس نمبر:1625 عجمان، متحدہ عرب امارات ۔

khaleeqmufti@hotmail.com

☆☆☆

فہرستِ مضامین

عنوان :	صفحہ :

عنوان :	صفحہ :
☆ تقدیر کی اقسام:	۲۶۲
تقدیر عام	۲۶۲
تقدیر مفصل	۲۶۳
عمری	۲۶۳
حولی	۲۶۳
یومی	۲۶۴
''تقدیر'' اور ''توحید''	۲۶۴
''تقدیر'' اور ''انسان کی جدوجہد''	۲۶۶
''تقدیر'' اور ''انسان کے اعمال''	۲۷۲
تقدیر کے بارے میں ایک شبہہ اور اس کا جواب	۲۷۲
☆ اللہ کی مشیت وارادہ :	۲۸۰
ارادہ کونیہ	۲۸۰
ارادہ شرعیہ	۲۸۱
''ارادہ کونیہ'' اور ''ارادہ شرعیہ'' میں فرق	۲۸۱
''مسئلہء تقدیر'' کی نزاکت	۲۸۴
☆ ''تقدیر پر ایمان'' کے فوائد وثمرات:	۲۸۷
عملِ صالح کو اپنانے اور برائیوں سے بچنے کا جذبہ	۲۸۷
ذہنی سکون واطمینان	۲۹۲

فرمانِ الٰہی :

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِي وَ مَحْيَاىَ وَ مَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيكَ لَهٗ وَبِذَلِكَ اُمِرتُ وَأَنَا أَوّلُ الْمُسلِمِينَ﴾

(الأنعام:١٦٢-١٦٣)

ترجمہ:

''آپ فرما دیجئے کہ یقیناً میری نماز اور میری ساری عبادت
اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کیلئے ہے جو سارے جہاں
کا مالک ہے،اس کا کوئی شریک نہیں،اور مجھ کو اسی [بات] کا حکم ہوا ہے
اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں''۔

☆......☆......☆

ارشادِ نبوی :

تَرَكتُ فِيكُم أمرَينِ لَن تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكتُم بِهِمَا : كِتَابَ اللّهِ وَ سُنَّةَ رَسُولِهِ [صَلىَ الله عليهِ وسلم]

مُوَطّأ الامام مَالك [١٥٩٤] ج:٢ ص: ٨٩٩ ۔

كتاب القدر ۔ باب النهي عن القول بالقدر ۔

مِشكَاة المَصَابِيح [١٨٦] كتاب الاعتصام بالكتاب والسُّنّة۔

ترجمہ:

میں تمہارے درمیان دو چیزیں ایسی چھوڑے جا رہا ہوں کہ جب تک تم انہیں تھامے رکھو گے ہرگز گمراہ نہ ہو سکو گے: "اللہ کی کتاب اور اس کے رسول [صلی اللہ علیہ وسلم] کی سنت"۔

☆☆☆

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز:

الحمد للّٰہ ربّ العالمین ، والصّلاۃ والسّلام علیٰ أشرف الأنبیاء والمرسلین ، نبیّنا محمّد وعلیٰ آلہ وأصحابہ أجمعین ، أمابعد :

قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے: ﴿أَفَحَسِبتُم أَنَّمَا خَلَقنَاكُم عَبَثاً وَّأَنَّكُم اِلَينَا لَاتُرجَعُونَ﴾ (۱) ترجمہ: (کیا تم یہ گمان کئے ہوئے ہو کہ ہم نے تمہیں یونہی بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے ہی نہ جاؤ گے؟)

یعنی: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کو بے مقصد پیدا نہیں کیا' جیسا کہ گذشتہ آیت سے واضح ہے، بلکہ یقیناً اس کا ایک مقصدِ تخلیق ہے، اور وہ ہے: ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت وبندگی''۔

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَ مَا خَلَقتُ الجِنَّ وَ الاِنسَ اِلّا لِيَعبُدُونِ﴾ (۲) ترجمہ: (میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں)

اور پھر مزید یہ کہ انسان کا مقصدِ تخلیق صرف یہی نہیں کہ وہ اللہ کی عبادت کیا کرے، بلکہ اس ضمن میں اصل بات جسے سمجھنا' قبول کرنا' اور پھر اپنی تمام زندگی کو اس کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنا انتہائی ضروری ولازمی ہے' وہ یہ کہ: ''ہر قسم کی عبادت کو صرف اور صرف اللہ کیلئے خالص کر دینا' اور ہر قسم کے شرک سے دامن بچائے رکھنا''۔

(۱) المؤمنون [۱۱۵] (۲) الذاریات [۵۶]

لہٰذا یہی انسان کا مقصدِ تخلیق ہے، یہی وہ عقیدہ ہے جس کی طرف ہر ہر نبی اور رسول نے اپنے اپنے دور میں اپنی قوم کو دعوت دی، یہی وہ عقیدہ ہے جس پر انسان کی ہر عبادت کی صحت ودرستی اور عنداللہ قبولیت کا دارومدار ہے، اور یہی وہ عقیدہ ہے جس پر آخرت میں انسان کی دائمی وابدی نجات اور صلاح وفلاح کا دارومدار ہے، چنانچہ دنیاوآخرت میں صلاح وفلاح اور کامیابی ونجات کیلئے ''عقیدہ'' کی درستی انتہائی ضروری ولازمی ہے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مؤمن کیلئے اس کا عقیدہ ہی ایسی قیمتی ترین متاع ہے کہ جس کے سامنے دنیا کی ہر چیز بے وقعت اور بے معنیٰ ہے۔

یہاں یہ تذکرہ مناسب ہوگا کہ قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایمان کو دنیا بھر کیلئے معیار اور نمونہ قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿فَاِن آمَنُوا بِمِثلِ مَا آمنتُم بِہٖ فَقَداھتَدَوا﴾ (۱)

ترجمہ: (اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں)

یعنی اصل اور حقیقی ایمان تو وہی ہے جو صحابہ کرام کے دلوں میں تھا' اب جو کوئی اسی طرح ایمان قبول کرے' گویا وہی حقیقی معنوں میں صاحبِ ایمان ہوگا، اب یہ کہ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایمان کیسا تھا اور اس بارے میں ان کی کیا کیفیت تھی؟ اس کیلئے محض اس ایک مثال میں تدبر اور غور وفکر ہی بہت کافی ہے کہ: حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ جب ہجرت کے موقع پر مکہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہونے لگے تو اس موقع پر کفارِ مکہ نے انہیں روکا اور مال ودولت حوالے کردینے کا مطالبہ کیا، جس پر حضرت صہیب رومیؓ نے اپنا تمام مال واسباب ان کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''میں اپنے دل میں ایمان

(۱) البقرۃ [۱۳۷]

کی جو دولت اپنے ہمراہ لئے جا رہا ہوں' تم وہ کس طرح مجھ سے چھین سکو گے؟''۔(۱)

یعنی: حضرات صحابۂ کرام کا اندازِ فکر یہ تھا کہ مال و دولت' روپیہ پیسہ' گھر بار' وغیرہ جو کچھ بھی لٹتا ہے' لٹ جائے' بس ایمان کی دولت محفوظ رہ جائے، یعنی ان کی نظر میں سب سے اہم اور قیمتی ترین دولت: ''ایمان کی دولت'' تھی، جس کے سامنے کسی اور چیز کی قطعاً کوئی اہمیت یا حیثیت نہیں تھی۔

چنانچہ کس قدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے دل کی دنیا کو درست عقیدہ وایمان سے آباد کیا' اپنے افکار وخیالات کو توحید کے نور سے منور' اور اپنے اخلاق وکردار کو اسلامی تعلیمات سے آراستہ ومزین کیا' اور پھر اسی درست عقیدہ وایمان اور پاکیزہ افکار وخیالات کی بدولت ان کی سیرت وکردار کے تمام گوشے جگمگا اٹھے......!

لہٰذا ہر مسلمان کیلئے اپنے عقیدہ وایمان کی حفاظت اور اسے ہر قسم کی خرابی وگمراہی' نیز فاسد وباطل افکار وخیالات سے بچانا انتہائی ضروری ہے، تاکہ اسے دنیا وآخرت میں حقیقی اور دائمی وابدی کامیابی وکامرانی نصیب ہو سکے۔

بس اسی جذبہ کے تحت اپنی ٹوٹی پھوٹی سی تحریر کے ساتھ میں اپنے دل کی یہ آواز اور ضمیر کی یہ پکار اس کتاب کی شکل میں اپنے دینی بھائیوں کی خدمت میں اس عاجزانہ التماس کے ساتھ پیش کر رہا ہوں کہ مجھے اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعاء ہے کہ اس ناکارہ کی سعی کو شرفِ قبولیت عطاء فرمائیں اور اسے

---

(۱) مزید تفصیل کیلئے اس آیت کی تفسیر ملاحظہ ہو: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّشرِي نَفسَهُ ابتِغَاءَ مَرضَاتِ اللّٰهِ﴾ [البقرة:۲۰۷] ترجمہ: (بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں)

میرے لئے، میرے والدین، اہل وعیال، ذوی الأرحام، تمام اساتذۂ کرام، نیز ہر اس شخص کیلئے جس نے اس کتاب کی طباعت واشاعت میں کسی بھی شکل میں تعاون کیا ہو ذخیرۂ آخرت بنائیں۔

وآخردعوانا أن الحمدللّٰہ ربّ العالمین ،

وصلّیٰ اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیرخلقہ محمّد وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین .

خلیق احمد مفتی

۳/ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ، مطابق ۲۲/ اپریل ۲۰۰۴ء بروز جمعرات۔

پوسٹ بکس نمبر:1625 عجمان، متحدہ عرب امارات ۔

khaleeqmufti@hotmail.com

face book: Khaleeq Ahmed Mufti

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

''عقیدہ'' کا معنیٰ ومفہوم :

''عقیدہ'' عقد یا عقدہ سے مأخوذ ہے، جس کے لفظی معنیٰ ہیں کسی چیز کو گرہ لگانا یا خوب مضبوطی کے ساتھ باندھنا۔

دین کی اصطلاح میں ''عقیدہ'' سے مراد انسان کے وہ پختہ اور اٹل نظریات ہیں جو اس کے دل کی گہرائیوں میں انتہائی مضبوطی اور پختگی کے ساتھ رچے بسے ہوئے ہوں اور وہ انہیں اپنے دین وایمان کا حصہ تصور کرتا ہو، لہٰذا اسے کسی صورت ان نظریات سے دستبرداری منظور نہو۔ یعنی جس طرح کسی مضبوط ومستحکم گرہ کو کھولنا انتہائی مشکل یا ناممکن ہوتا ہے اسی طرح انسان کیلئے اپنے ان مضبوط ومستحکم خیالات ونظریات کو چھوڑ دینا یا ان سے دستبردار ہو جانا انتہائی مشکل یا ناممکن ہو، چنانچہ اسے اپنے مال ودولت اور زمین وجائیداد وغیرہ ودیگر تمام مادی منافع وحقوق سے دستبرداری ومحرومی تو گوارا ہو، مگر ان خیالات ونظریات سے دستبرداری اسے ہرگز اور کسی صورت منظور اور قابلِ قبول نہو۔

اسلامی عقائد :

چنانچہ مسلمان کیلئے چند باتوں کی تصدیق اور ان پر مکمل اور پختہ یقین وایمان رکھنا ضروری ولازمی ہے، یہ چھ بنیادی باتیں ہیں، جنہیں ''''اصولِ ایمان'' یا ''ارکانِ ایمان'' کہا جاتا ہے، جن کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔اللہ پر ایمان

۲۔ملائکہ [فرشتوں] پر ایمان

۳۔آسمانی کتابوں پر ایمان

۴۔قیامت کے دن پر ایمان

۵۔رسولوں پر ایمان

۶۔تقدیر پر ایمان۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿وَلٰـکِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِوَالْمَلاَئِكَةِ وَالْكِتَابِ والنَّبِيّٖنَ﴾ (۱) ترجمہ:(درحقیقت اچھا شخص وہ ہے جواللہ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، [اللہ کی] کتاب پر، اورنبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو)

نیز ارشاد ہے:﴿وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلَائِكَتِه وَكُتُبِه وَ رُسُلِه وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً بَعِيْداً﴾ (۲) ترجمہ:(اور جو شخص اللہ سے اوراس کے فرشتوں اوراس کی کتابوں اوراس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا)

گذشتہ دونوں آیتوں میں چھ ارکانِ ایمان میں سے پانچ کا تذکرہ ہے، جبکہ چھٹے رکن (تقدیر پر ایمان) کا تذکرہ اس آیت میں ہے:﴿اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ (۳) ترجمہ:(بیشک ہم نے ہر چیز کو ایک مقرر اندازے پر پیدا کیا ہے)(۴)

(۱)البقرہ [۱۷۷] (۲)النساء[۱۳۶] (۳)القمر[۴۹]

(۴)تقدیر پر ایمان کے بارے میں مزید آیات کا تذکرہ ''تقدیر پر ایمان'' کے بیان میں صفحہ:۲۵۹ پر ملاحظہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(اَلْاِیْمَانُ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَمَلَائِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَ الْیَوْمِ الْآخِرِ وَ تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَیْرِہٖ وَ شَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی) (۱)

ترجمہ:(ایمان یہ ہے کہ تم ایمان قبول کرو اللہ پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر' قیامت کے دن پر اور اس بات پر کہ اچھی اور بُری تقدیر اللہ ہی کی طرف سے ہے)

یعنی ایمان سے مراد یہ ہے کہ مذکورہ باتوں کو درست اور برحق تسلیم کیا جائے اور ان کی مکمل اور غیر متزلزل تصدیق کی جائے۔

(۱) بخاری[۵۰] عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔ نیز: مسلم[۸] عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

☆☆☆

پہلا رکن:

''اللہ'' پر ایمان

۞۞۞

رکن (۱)

اللہ پر ایمان :

دینِ اسلام کے چھ بنیادی اصول وعقائد یا ''ارکانِ ایمان'' میں سے سب سے پہلا رکن: ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر ایمان'' ہے۔جس کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

☆اللہ پر ایمان کا مفہوم:

اللہ پر ایمان کا کیا مفہوم ہے اوراس سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ''اللہ پر ایمان'' کے ضمن میں مندرجہ ذیل چار امور کی مکمل تصدیق اوران پر یقین وایمان ضروری ولازمی ہے:

(۱)اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وجود پر یقین وایمان:

یعنی اس بات پر مکمل یقین اور پختہ ایمان رکھنا کہ زمین وآسمان اوراس عظیم الشان کائنات کا کوئی پیدا کرنے والا اوراس کے نظام کو چلانے اورسنبھالنے والا ہے، کیونکہ:

☆(الف):

ہر سلیم الطبع انسان کی فطرت اسی بات کی گواہی دیتی ہے کہ اس کائنات کا یقیناً کوئی موجد اورخالق و مالک ہے،جس طرح کسی عمارت پرنظر پڑتے ہی اس کے معمار کا خیال ذہن میں آتا ہے، گھڑی دیکھیں تو ذہن میں گھڑی ساز کا تصور آتا ہے،غرضیکہ کوئی بھی بنی ہوئی چیز دیکھ کر ذہن اس کے بنانے والے کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، کیونکہ انسانی ذہن اس

بات کو قبول ہی نہیں کرسکتا کہ کوئی مکان معمار کے بغیر ہی خود بخود تعمیر ہوسکتا ہے، اگر چھوٹی سی گھڑی یا چھوٹا سا قلم کسی بنانے والے کے بغیر خود بخود وجود میں نہیں آ سکتا تو پھر یہ اتنی بڑی دنیا اور یہ تمام کائنات جس میں سورج اور چاند ستارے ہیں، اور یہ زمین و آسمان' یہ اونچے اونچے پہاڑ اور یہ گہرے سمندر اور دریا' یہ درخت' یہ پھل اور پھول' اور یہ لہلہاتی کھیتیاں...... یہ چھوٹی بڑی اور رنگ برنگی مخلوقات...... یہ تمام چیزیں کسی بنانے والے کے بغیر ہی خود بخود کس طرح وجود میں آ سکتی ہیں؟ اور پھر دن اور رات اور صبح و شام کا یہ سفر، سورج چاند اور ستاروں کی مسلسل گردش اور تمام کائنات کا ایک مربوط و منظّم انداز میں مسلسل سفر اور کارخانۂ قدرت کا یہ نظم وضبط یقیناً یہ سب کچھ وجودِ باری تعالیٰ کا ٹھوس اور مستحکم ثبوت اور اس کی حکمت و کاریگری کی واضح نشانی ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ پکار پکار کر اس بات کا اعلان کررہا ہے کہ یقیناً اس اتنی بڑی کائنات کا کوئی خالق و مالک ہے جس کی صنّاعی اور قدرت و کاریگری کے ثبوت اور نمونے اس کائنات میں چہار سو بکھرے ہوئے ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ﴾ (۱) ترجمہ: (کیا اللہ کے بارے میں کوئی شک ہے کہ جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿صُنْعَ اللّٰہِ الذي اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ﴾ (۲) ترجمہ: (کاریگری اللہ ہی کی ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنا رکھا ہے)

نیز ارشاد ہے: ﴿اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنَاہُ بِقَدَرٍ﴾ (۳) ترجمہ: (بیشک ہم نے ہر چیز کو ایک مقرر اندازے پر پیدا کیا ہے)

(۱) ابراہیم [۱۰] (۲) النمل [۸۸] (۳) القمر [۴۹]

کسی نے کیا خوب کہا ہے :

فیا عجباً کیف یُعصیٰ الالہُ أم کیف یَجحدُہ الجاحدُ

و فی کلّ شئ لہٗ آیۃٌ تدلّ علیٰ أنّہٗ واحدُ

ترجمہ: کس قدر حیرت وتعجب کی یہ بات ہے کہ اس معبود کی نافرمانی کس طرح کی جاتی ہے ...... یا کوئی کس طرح اس کے وجود کا انکار کرسکتا ہے؟ حالانکہ اس کائنات کی ہر چیز میں اس کے وجود کی نشانی موجود ہے، جو اس معبود کی وحدانیت کی واضح دلیل ہے۔

وجودِ باری تعالیٰ کی اس دلیل کو ''دلیلِ فطرت'' بھی کہا جاتا ہے، یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وجود کا اقرار واظہار انسان کی فطرت میں شامل ہے، اسی بات کی طرف قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ ہے :﴿فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾ (۱)

ترجمہ: (اللہ کی بنائی ہوئی اس فطرت کا اتباع کرو جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی اس فطرت کو بدلا نہیں جاسکتا)

☆(ب):

زمین وآسمان اور یہ تمام کائنات ''حادث'' ہے، یعنی پہلے اس کا وجود نہیں تھا اور بعد میں یہ وجود میں آئی، یعنی اس تمام کائنات کی ایک ابتداء ہے، اور ہر وہ چیز جس کی ابتداء ہو وہ مخلوق ہے، اور ہر مخلوق اپنے خالق کی محتاج ہے، اس لئے کہ کوئی مخلوق کسی خالق کے بغیر خود بخود وجود میں نہیں آسکتی، اور نہ ہی کوئی مخلوق خود اپنی خالق ہوسکتی ہے، اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس کائنات کا ضرور کوئی خالق ہے۔ وجودِ باری تعالیٰ کی اس دلیل کو ''دلیل عقلی''

(۱) الروم [۳۰]

بھی کہا جاتا ہے،قرآن کریم کی اس آیت میں اسی مفہوم کی طرف اشارہ ہے: ﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ﴾ (۱) ترجمہ: (کیا یہ لوگ بغیر کسی کے پیدا کئے پیدا ہو گئے ہیں، یا یہ کہ یہ خود ہی اپنے خالق ہیں؟)

(۲) توحیدِ رُبوبیت پر ایمان:

گذشتہ سطور میں اس بات کی وضاحت کی جاچکی ہے کہ اس کائنات کا یقیناً کوئی خالق و مالک ہے۔اس بات کو قبول کر لینے کے بعد اب آگے مزید اس بات پر بھی پختہ یقین و ایمان ضروری ہے کہ وہ خالق و مالک صرف اور صرف اللہ ہی ہے، وہی اس نظامِ قدرت کا چلانے اور سنبھالنے والا ہے، یہ تمام زمین و آسمان صرف اسی کے قبضۂ تصرف میں ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا محتاج اور اس کے تابعِ فرمان ہے،کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا، کوئی اس کے فیصلے کو بدل نہیں سکتا، وہی اکیلا ہر چیز کا خالق و مالک ہے،اسی کے قبضہ میں ہر ایک کی زندگی اور موت ہے،وہی سب کو روزی دینے والا ہے،وہی سب کا رب ہے،اس کے سوا اور کوئی رب نہیں۔اسی چیز کا نام توحیدِ رُبوبیت ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ﴾ (۲) ترجمہ: (یاد رکھو اللہ ہی کیلئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا، بہت ہی مبارک ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ (۳) ترجمہ: (اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے،)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ

(۱) الطّور [۳۵] (۲) الاعراف [۵۴] (۳) الزمر [۶۲]

وَيَقْدِرُ اِنَّه بِكُلِّ شَئٍ عَلِيمٌ﴾ (۱) ترجمہ: (آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ہیں، جس کی چاہے روزی کشادہ کردے اور تنگ کردے، یقیناً وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے)

(۳) توحیدِ اسماء وصفات:

یعنی اللہ تعالیٰ کے جو اسماء [نام] وصفات قرآن وحدیث سے ثابت ہیں ان سب کو کسی تحریف وتعطیل اور تشبیہ وتمثیل کے بغیر درست سمجھنا اور ان پر صدقِ دل سے یقین وایمان رکھنا، نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ان تمام صفات سے پاک اور منزّہ سمجھنا جن کی قرآن وحدیث میں اللہ تعالیٰ کیلئے نفی کی گئی ہے، یعنی اس بات پر پختہ یقین وایمان رکھنا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمام اعلیٰ صفات سے متصف اور ہر عیب یا نقص سے منزہ اور پاک ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَئٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (۲) ترجمہ: (اس جیسی کوئی چیز نہیں، اور وہ سننے اور دیکھنے والا ہے)

اس آیت میں نفی بھی ہے اور اثبات بھی، یعنی آیت کے پہلے حصہ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَئٌ﴾ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اپنی ذات کے بارے میں ایک نقص یعنی کسی مخلوق کے ساتھ مشابہت یا مماثلت کی نفی کی گئی ہے، جبکہ آیت کے دوسرے حصہ ﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کیلئے صفتِ سمع [سننا] اور بصر [دیکھنا] کو ثابت کیا گیا ہے۔ اس میں ''توحید'' کا پہلو اس معنیٰ میں ہے کہ یہی صفات اگرچہ مخلوقات میں بھی پائی جاتی ہیں، لیکن اللہ ان صفات میں یکتا اس حیثیت سے ہے کہ اس کا دیکھنا اور سننا دوسروں کے دیکھنے اور سننے سے بہت مختلف ہے، علیٰ ہذا القیاس اللہ کی تمام صفات کی کیفیت دوسروں میں پائی جانے والی انہی صفات کی کیفیت سے یکسر مختلف ہے۔

(۱) الشوریٰ [۱۲] (۲) الشوریٰ [۱۱]

(۴) توحیدِ اُلوہیت: (یا: توحیدِ عبادت)

جب یہ بات طے ہوگئی کہ یہ کائنات خود بخود وجود میں نہیں آئی، بلکہ کوئی اس کا پیدا کرنے والا اوراس کے نظام کو چلانے اور سنبھالنے والا ہے، اور یہ کہ وہ پیدا کرنے والا صرف اور صرف ایک اللہ ہی ہے، جو کہ ہر خوبی سے متصف اور ہر عیب اور نقص سے پاک ہے، تو اب اس سے آگے بڑھ کر مزید اس بات کو بھی صدقِ دل سے قبول کرنا اور دل کی گہرائیوں سے اس پر پختہ یقین و ایمان رکھنا ضروری و لازمی ہے کہ جس طرح وہ اکیلا ہی خالق و مالک اور تمام کائنات کا رب ہے اسی طرح صرف اور صرف وہی اکیلا ہی'' **اِلٰه** '' یعنی معبود بھی ہے، ہر قسم کی عبادت کا مستحق صرف وہی ہے، تمام زمین و آسمان میں اس کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں، کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا اس تمام کائنات میں جو کوئی یا جو کچھ بھی ہے وہ مخلوق ہے، اور ہر مخلوق اپنے خالق کی محتاج ہے، اور محتاج ہرگز معبود نہیں ہوسکتا، یعنی جو خود کسی کا محتاج ہو وہ ہرگز اس قابل نہیں ہوسکتا کہ اس کی عبادت و بندگی اختیار کی جائے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّمَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾ (۱) ترجمہ: (یہ سب اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے اور اس کے سوا جسے بھی یہ پکارتے ہیں وہ باطل ہے، اور بیشک اللہ ہی بلندی والا کبریائی والا ہے)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿وَ مَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ﴾ (۲) ترجمہ: (انہیں اس کے سوا اور کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کیلئے دین کو خالص رکھتے ہوئے)۔

(۱) الحج [۶۲] (۲) البینۃ [۵]

''عبادت'' کے بارے میں ضروری وضاحت :

گذشتہ سطور میں اس بات کا تذکرہ کیا جاچکا ہے کہ صرف اللہ ہی معبودِ برحق ہے، یعنی ہر قسم کی عبادت کے لائق صرف اسی کی ذات ہے۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ عبادت محض نماز یا روزے کا نام نہیں ہے، بلکہ عبادت کا مفہوم بہت وسیع ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لاشَرِيْكَ له وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوّلُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (۱) ترجمہ: (آپ فرمادیجئے کہ یقیناً میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کیلئے ہے جو سارے جہاں کا مالک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں)

☆ چنانچہ مندرجہ ذیل تمام امور بھی عبادت ہی میں شامل ہیں:

(۱) استعانت:

یعنی کسی سے مدد طلب کرنا۔ شریعت کی اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ بندوں کی ایسی تمام حاجات جو صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں (مثلاً: کسی کو جہنم سے نجات اور جنت میں داخلہ عطاء فرمانا، اولاد عطاء کرنا، روزی دینا، بیماری سے تندرستی وشفاء عطاء کرنا، بارش برسانا......وغیرہ) ایسی تمام حاجات صرف اللہ سے طلب کی جائیں' اور ایسے تمام امور میں صرف اسے ہی اپنے لئے سہارا' حاجت روا' اور مشکل کشا سمجھا جائے (اسی کے مفہوم میں ''استغاثہ'' بھی شامل ہے) اور یہ استعانت (نیز استغاثہ) عبادت ہی

(۱) الانعام [۱۶۲۔۱۶۳]

کی اقسام میں سے ہے، اور ہر قسم کی عبادت کا مستحق صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ﴾ (۱) ترجمہ: (ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اِذاسَأَلۡتَ فَاسۡأَلِ اللّٰہَ وَ اِذا اسۡتَعَنۡتَ فَاسۡتَعِنۡ بِاللّٰہِ) (۲) ترجمہ: (جب تم کچھ مانگو تو صرف اللہ ہی سے مانگو، اور جب مدد طلب کرو تو صرف اللہ ہی سے طلب کرو) (۳)

(۲) توکل:

یعنی کسی پر اعتماد اور بھروسہ کرنا، قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَ تَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلاً﴾ (۴) ترجمہ: (آپ اللہ ہی پر توکل کیجئے، وہ کارسازی کیلئے کافی ہے)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿وَ عَلَی اللّٰہِ فَتَوَکَّلُوۡا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُؤۡمِنِیۡنَ﴾ (۵) ترجمہ: (اور اگر تم مؤمن ہو تو صرف اللہ ہی پر بھروسہ رکھو)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ﴾ (۶) ترجمہ: (اور مؤمنوں کو صرف اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے)

(۱) الفاتحہ[۵] (۲) ترمذی[۲۵۱۶] احمد[۲۶۶۹]

(۳) ''استعانت'' ہی کے مفہوم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ کسی کے بارے میں یہ عقیدہ وایمان ہو کہ وہ ہماری نظروں سے اوجھل اور غائب ہونے کے باوجود ہمارے حال سے واقف اور باخبر ہے، ہماری دعاء وفریاد سنتا ہے، اور وہ اس قدر طاقت وقدرت اور اختیار کا مالک ہے کہ نظروں سے دور ہونے کے باوجود ہماری مدد بھی کر سکتا ہے، اور اسی یقین اور عقیدے کی بناء پر اس کو پکارنا، اس سے مدد مانگنا، اسے اپنے لئے حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا۔

(۴) الاحزاب[۳] نیز: الاحزاب[۴۸] (۵) المائدہ[۲۳] (۶) ابراہیم[۱۱]

نیز ارشاد ہے:﴿وَ عَلَی اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ (۱) ترجمہ:(توکل کرنے والوں کو یہی لائق ہے کہ وہ صرف اللہ ہی پر توکل کریں)

(۳)خوف وخشیت:

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ﴾ (۲) ترجمہ:(تم ان [کافروں] سے نہ ڈرو اور میرا خوف رکھو، اگر تم مؤمن ہو)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ﴾ (۳) ترجمہ:(اللہ ہی زیادہ مستحق ہے اس بات کا کہ تم اس کا ڈر رکھو، اگر تم مؤمن ہو)

(۴)دعاء:

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ﴾ (۴) ترجمہ: (تم اللہ کو پکارتے رہو اس کیلئے دین کو خالص کر کے اگر چہ کافر برا مانیں)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ اَحَداً﴾ (۵) ترجمہ:(اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کیلئے خاص ہیں، پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذاً مِّنَ الظَّالِمِيْنَ﴾ (۶) ترجمہ:(اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کو نہ پکارنا جو تجھ کو کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ کوئی ضرر پہنچا سکے، پھر اگر ایسا کیا تو تم اس حالت میں ظالموں

(۱)ابراہیم [۱۲]　(۲)آل عمران [۱۷۵]　(۳)توبہ [۱۳]

(۴)غافر/مؤمن [۱۴]　(۵)الجن [۱۸]　(۶)یونس [۱۰۶]

میں سے ہو جاؤ گے)

(۵)استعاذہ (یعنی کسی مشکل یا مصیبت سے بچنے کیلئے پناہ طلب کرنا) :

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الفَلَقِ﴾(۱) ترجمہ:(آپ کہہ دیجئے کہ میں پناہ طلب کرتا ہوں صبح کے رب کی)

نیز ارشاد ہے: ﴿قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾(۲)(آپ کہہ دیجئے کہ میں پناہ طلب کرتا ہوں لوگوں کے رب کی)

(۶)قربانی:

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾(۳) ترجمہ:(پس تو اپنے رب ہی کیلئے نماز پڑھ اور [اسی کیلئے] قربانی کر)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيرِ اللّٰهِ)(۴) ترجمہ:(اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جس نے اللہ کے سوا کسی دوسرے کیلئے جانور ذبح کیا) (یعنی غیر اللہ کے نام پر قربانی کی)

☆......مقصد یہ کہ یہ تمام امور(یعنی استعانت، استغاثہ، استعاذہ، توکل، رجاء، خوف، خشیت، دعاء، تضرّع، انابت، نذر، قربانی وغیرہ)عبادت میں شامل اور عبادت ہی کی اقسام ہیں، اور ہر قسم کی عبادت کا مستحق صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے، لہٰذا اخلاص یعنی ہر عبادت کو صرف اللہ کیلئے خالص کر دینا ضروری ہے۔

☆......لہٰذا اگر کوئی شخص گذشتہ امور میں سے کوئی کام کسی غیر اللہ کیلئے انجام دیتا ہے تو یقیناً

(۱)الفلق[۱] (۲)الناس[۱] (۳)الکوثر[۲]

(۴)مسلم[۱۹۷۸] باب تحریم الذبح لغیر اللہ ولعن فاعلہ۔

وہ اللہ کو چھوڑ کر اس غیر اللہ کی عبادت وبندگی میں مشغول ہے اور اللہ کے ساتھ کفر اور شرک کا ارتکاب کر رہا ہے جو کہ ظلمِ عظیم اور نا قابلِ معافی گناہ ہے۔

توحیدِ اُلوہیّت کی اہمیت :

''توحیدِ الوہیت'' پر صدقِ دل سے یقین وایمان رکھنا اور اس کے تقاضوں کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنا ہی درحقیقت دینِ اسلام کی اصل روح اور اس کی بنیاد ہے۔

اس بارے میں مزید وضاحت درجِ ذیل ہے:

☆ ......توحیدِ الوہیت ہی اصل توحید ہے، اس میں توحید کی باقی تمام اقسام شامل ہیں، یعنی اگر کوئی توحیدِ الوہیت پر ایمان رکھتا ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے تو 'توحید کی باقی اقسام پر ایمان خود بخود مُحقّق اور ثابت ہوجائیگا، کیونکہ توحیدِ الوہیت پر ایمان توحید کی تمام اقسام کو متضمّن اور شامل ہے۔

☆ ......توحیدِ الوہیت پر ایمان ہی دراصل بنی نوعِ انسان کا مقصدِ تخلیق ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (۱) ترجمہ: (میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں)

☆ ......توحیدِ الوہیت پر ایمان بندے کی ہر عبادت کی صحت ودرستی نیز عنداللہ قبولیت کیلئے اولین اور بنیادی شرط ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَ مَنْ يَكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُه وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ (۲) ترجمہ: (منکرینِ ایمان کے اعمال ضائع اور اکارت ہیں اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہیں)

(۱) الذاریات [۵٦] (۲) المائدہ [۵]

☆ ...... توحید الوہیت کے اقرار اور اس پر مکمل یقین و ایمان پر ہی بندے کیلئے آخرت میں فلاح و نجات کا دارومدار ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ﴾ (۱) ترجمہ: (اللہ تعالیٰ اس بات کو قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے، ہاں اس [شرک] کے سوا جس کے گناہ چاہے معاف فرما دے گا)

اسی طرح ارشاد ہے: (اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَ مَأْوَاہُ النَّارُ﴾ (۲) ترجمہ: (یقیناً جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانہ [جہنم کی] آگ ہی ہے)

☆ ......توحیدِ الوہیت کی طرف دعوت ہی تمام انبیاء و رسل علیہم الصلاۃ والسلام کا مقصدِ بعثت تھا، چنانچہ ہر نبی اور ہر رسول نے اپنے اپنے وقت میں دنیا کو اسی عقیدے کی طرف دعوت دی اور یہی سبق سکھایا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور ہر قسم کے شرک سے دامن بچایا جائے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ (۳) ترجمہ: (آپ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو)

☆ ...... کفارِ مکہ کے بارے میں قرآن کریم میں بکثرت اس بات کا تذکرہ ہے کہ وہ توحید ربوبیت کے قائل تھے، یعنی وہ اس بات پر مکمل یقین و ایمان رکھتے تھے کہ صرف اللہ

(۱) النساء [۴۸] نیز: النساء [۱۱۶]　(۲) المائدہ [۷۲]　(۳) الانبیاء [۲۵]

تعالیٰ ہی تمام زمین وآسمان کا خالق ومالک اور سب کا رب ہے، روزی دینے والا وہی ہے، زندگی اور موت صرف اسی کے قبضے میں ہے، مگر اس کے باوجود وہ کافر ہی تھے، بلکہ بدترین کافر تھے، قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ (۱) ترجمہ: (اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ زمین وآسمان کا خالق اور سورج اور چاند کو کام میں لگانے والا کون ہے؟ تو ان کا جواب یہی ہوگا کہ ''اللہ''، پھر کدھر اُلٹے جا رہے ہیں؟)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اَمْ مَن يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ (۲) ترجمہ: (آپ کہئے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے کہ: ''اللہ''۔ تو ان سے کہئے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے؟)

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ کفار ومشرکینِ مکہ اللہ تعالیٰ کو خالق ومالک تسلیم کرتے تھے، اسی کو اپنا اور تمام دنیا کا رب اور مدبّر الامور [نظامِ کائنات کو چلانے اور سنبھالنے والا] مانتے تھے، تو پھر غور طلب بات یہ ہے کہ اس کے باوجود ان میں اور مسلمانوں میں اختلاف کس بات پر تھا؟ کیوں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اور آپ کے جاں نثار صحابہؓ

(۱) العنکبوت [۶۱] (۲) یونس [۳۱]

کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سخت ترین اذیتیں دیں، پتھر برسائے، لہولہان کیا، ہجرت پر مجبور کیا اور گھر سے بے گھر کر دیا، اور پھر بھی چین سے نہ جینے دیا بلکہ ہمیشہ ہی جنگ وجدال، خونریزی اور فتنہ وفساد پر ہی آمادہ رہے، جس کے نتیجے میں متعدد جنگوں کی نوبت آئی، حالانکہ وہ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اپنا بلکہ تمام دنیا کا رب اور خالق ومالک، رازق اور مدبرالامور تسلیم کرتے تھے، اللہ کے گھر کا طواف کرتے تھے اور اس کی بے حد عزت اور انتہائی احترام کیا کرتے تھے، اللہ کے گھر کی خدمت' نیز اس گھر کا حج اور طواف کرنے والوں کی خدمت اور انہیں پانی پلانے کو اپنے لئے بہت بڑا شرف اور اعزاز تصور کرتے تھے، تو پھر آخر ان میں اور مسلمانوں میں فرق اور اختلاف کس وجہ سے ہوا، اور کیا چیز وجہِ نزاع بنی......؟

☆......یقیناً ہر مسلمان کیلئے اس بارے میں غور وفکر کرنا اور اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا انتہائی ضروری ہے، تاکہ وہ اپنے دین اور عقیدے کے معاملہ میں صاحبِ بصیرت ہو، کیونکہ ہر مسلمان کیلئے اس کا دین اور عقیدہ ہی اس کی قیمتی ترین متاع اور اہم ترین پونجی ہے۔

☆......لہٰذا اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کفارِ مکہ کے مابین اختلاف کی اصل وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم سے دنیا کو ''لاالٰہ اِلّا اللّٰہ'' کی طرف دعوت دی اور ''اِیَّاکَ نَعبُدُ وَ اِیَّاکَ نَستَعِین'' کا سبق سکھایا، یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کا پیغام دیا، جس پر کفارِ مکہ آپ ﷺ کے بدترین دشمن بن گئے، کیونکہ وہ صرف اللہ کو اپنا ''رب'' تو مانتے تھے، لیکن صرف اسی کو اپنا ''الٰہ'' یعنی معبود تسلیم کرنے کیلئے وہ ہرگز تیار نہیں تھے، رسول اللہ ﷺ کو زندگی بھر ''صادق وامین'' کے

لقب سے پکارنے والے اب آپ ﷺ کو کبھی جھوٹا، کبھی جادوگر، کبھی شاعر اور کبھی دیوانہ کہنے لگے، اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے ایک اللہ کی عبادت کا حکم سن کر حیرت وتعجب کے عالم میں یوں پکار اٹھے: ﴿أَجَعَلَ الآلِهَةَ اِلٰهاً وَّاحِداً اِنَّ هٰذَا لَشَئٌ عُجَابٌ﴾ (۱) ترجمہ: (کیا اس نے تمام معبودوں کی بجائے ایک ہی معبود بنالیا؟ واقعی یہ تو بہت ہی عجیب بات ہے)

نیز یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: (اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشهَدُوا أن " لَاالٰهَ اِلَّااللّٰه " (۲) ترجمہ: (مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے خلاف جنگ لڑتا ہی رہوں تاوقتیکہ وہ '' لاالٰہ الااللّٰہ '' کی گواہی دے دیں) یعنی اس کا اقرار کرلیں۔

اسی طرح ارشاد ہے: (یَا اَیُّهَا النّاسُ قُولُوا " لَاالٰهَ اِلَّااللّٰه " تُفْلِحُوا) (۳) ترجمہ: (اے لوگو! کہہ دو کہ: " لَاالٰهَ اِلَّااللّٰه " تم کامیاب ہوجاؤگے) (۴)

اسی طرح ارشاد ہے: (مَن کَانَ آخِرَ کَلَامِه "لَاالٰهَ اِلَّااللّٰه " دَخَلَ الجَنَّة) (۵) ترجمہ: (جس شخص کی زبان پر [مرتے وقت] آخری کلمہ " لَاالٰهَ اِلَّااللّٰه " ہوگا وہ جنت میں داخل ہوجائے گا)

نیز ارشاد ہے: (لَقِّنُوا مَوتَاکُم : لَاالٰهَ اِلَّااللّٰه) (٦) ترجمہ: (تم اپنے مرنے والوں کو

(۱) ص [۵] (۲) بخاری [۲۵] باب: فان تابوا واَقاموا الصّلاۃ......،

(۳) مسند احمد [١٦٠٦٦] [۱٦٦۵۴] دار قطنی [١٨٦] ابن حبان [٦۵٦٢]

(۴) یعنی صدقِ دل سے اس کلمہ: ''لاالٰہ الااللہ'' [اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں] کی گواہی دینے والا انشاءاللہ کامیاب وکامران ہوجائے گا۔ (۵) ابوداؤد [۳۱۱٦] باب فی التلقین

(٦) مسلم [۹۱٦] باب تلقین الموتیٰ: "لاالٰه الااللّٰه"۔ نسائی [١٨٢٦] باب تلقین المیّت۔

[یعنی جس کسی کا انتقال ہو رہا ہو اُسے بوقتِ انتقال] " لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰه " کی تلقین کرو)

☆......مقصد یہ کہ ان مذکورہ احادیث میں ''رب'' کی بجائے ''الٰہ'' کا لفظ وارد ہوا ہے۔

لہٰذا ان احادیث کی روشنی میں یہ بات بخوبی واضح اور ثابت ہوگئی کہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے اور دنیا و آخرت میں نجات و فلاح کیلئے صرف توحیدِ رُبوبیت پر ایمان کافی نہیں، بلکہ توحیدِ اُلوہیت پر بھی مکمل یقین و ایمان اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل ضروری اور لازمی ہے، سورۃ الناس کی ابتدائی تین آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جن تین صفات (ربِّ النّاس، مَلِكِ النّاس، اِلٰهِ النّاس) کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے۔

اللہ پر ایمان کے فوائد وثمرات:

انسان جب صدقِ دل اور خلوصِ نیت کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر ایمان قبول کرتے ہوئے صرف اسی کو اپنا رب، اپنا خالق ومالک اور اپنا معبود ومقصود تسلیم کرتا ہے تو اس کی زندگی میں، اس کے افکار وخیالات میں، اس کی نشست وبرخواست میں، اس کی خرید وفرخت میں، اس کی رفتار وگفتار میں، غرضیکہ اس کے ہر عمل اور ہر نقل وحرکت میں اس ایمان کی جھلک اور اس کے آثار وثمرات کا نظر آنا ضروری ہے، جس طرح پھول یا عطر اگر اصلی ہو تو اس میں سے خوشبو کا آنا ضروری ہے، کیونکہ خوشبو کو قید تو نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح ایمان اگر حقیقی اور سچا ہو تو اس کی خوشبو کو بھی قید نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا مؤمن کی زندگی میں اس ایمان کی جھلک کا نظر آنا ضروری ولازمی ہے، ایمان کے ان آثار وثمرات کا مختصر تذکرہ درجِ ذیل ہے:

(۱) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی محبت واطاعت:

انسان کی یہ فطرت ہے کہ اگر کوئی اس کے ساتھ احسان اور نیکی کا سلوک کرتا ہے تو اس کے دل میں اس کے لئے محبت وعظمت اور احترام کے جذبات پیدا ہونے لگتے ہیں، وہ اسے اپنا محسن تصور کرتا ہے، اور ہمیشہ اس کی یہ کوشش وخواہش ہوتی ہے کہ اس کا محسن اس سے خوش اور راضی رہے، اور کبھی اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہونے پائے جو اس کے محسن کے مزاج اور اس کی مرضی کے خلاف ہو، جس سے اسے صدمہ اور رنج پہنچنے کا احتمال ہو، یا جس میں اس کی ناراضگی کا اندیشہ ہو۔

انسان پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بیشمار احسانات وانعامات ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد

ہے:﴿وَلَقَد كَرَّمنَا بَنِي آدَمَ وَ حَمَلْنَاهُمْ فِي البَرِّ وَ البَحْرِ وَ رَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَ فَضَّلْنَاهُم عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلاً﴾ (۱) ترجمہ:(یقیناً ہم نے اولادِ آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطاء فرمائی)

یعنی اللہ نے انسان کو باقی تمام مخلوقات کے مقابلے میں خاص عزت اور شرف سے نوازا، نیز اسے خشکی میں اور سمندر یا دریا وغیرہ میں سفر کے وسائل مہیا فرمائے، اور بہترین رزق بھی عطاء فرمایا۔

اسی طرح ارشاد ہے:﴿اَلَمْ تَرَوا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوَاتِ وَ مَا فِي الاَرضِ وَ اَسبَغَ عَلَيكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً﴾ (۲) ترجمہ:(کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی ہر چیز کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور تمہیں اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں بھرپور دے رکھی ہیں)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿اَللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰواتِ وَالاَرضَ وَاَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخرَجَ بِه مِنَ الثَمَراتِ رِزقاً لَكُمْ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الفُلْكَ لِتَجرِيَ فِي البَحرِ بِاَمرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الاَنهَارَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَمسَ وَالقَمَرَ دَائِبَينِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيلَ وَالنَّهَارَ وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَاسَأَلْتُمُوهُ وَاِنْ تَعُدُّوا نِعمَةَ اللّٰهِ لَاتُحصُوهَا اِنَّ الاِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّار﴾ (۳) ترجمہ:(اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور آسمانوں سے بارش برسا کر اس کے ذریعے تمہاری روزی کے لئے پھل نکالے [اگائے] ہیں، اور کشتیوں کو تمہارے بس میں کر دیا ہے کہ دریاؤں میں

(۱) بنی اسرائیل/اسراء [۷۰] (۲) لقمان [۲۰] (۳) ابراہیم [۳۲۔۳۳۔۳۴]

اس کے حکم سے چلیں پھریں، اسی نے ندیاں اور نہریں تمہارے اختیار میں کر دی ہیں، اسی نے تمہارے لئے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا ہے کہ برابر ہی چلے جا رہے ہیں، اور رات اور دن کو بھی تمہارے کام میں لگا رکھا ہے، اسی نے تمہیں تمہاری منہ مانگی تمام چیزوں میں سے دے رکھا ہے، اور اگر تم اللہ کی دی ہوئی نعمتیں گننا چاہو تو انہیں تم گن بھی نہیں سکتے، یقیناً انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے)

مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ان آیات میں غور و فکر اور تدبر کرتا ہے اور سوچتا ہے کہ اسے اللہ نے ہی پیدا کیا، اللہ ہی کے فضل و کرم سے اسے زندگی نصیب ہے، اسی کے فضل و کرم سے وہ اس دنیا میں چلتا پھرتا ہے، اسی کا دیا ہوا رزق کھاتا ہے، سانس لینے کیلئے اسی اللہ نے ہوا کی نعمت عطاء فرمائی، اسی نے ہاتھ پاؤں، آنکھیں اور کان وغیرہ عطاء فرمائے، دیکھنے، سننے، بولنے اور سوچنے سمجھنے کی قوت وصلاحیت عطاء فرمائی، اسی نے صحت وتندرستی سے نوازا، غرضیکہ بندۂ مؤمن جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس فضل و کرم اور اس کے ان بیشمار احسانات کے بارے میں غور و فکر کرتا ہے......تو اس کا دل اپنے خالق و مالک اور منعم و محسن کی محبت اور اس کیلئے تشکر اور احسان مندی کے جذبات سے لبریز ہو جاتا ہے اور وہ اپنے دل میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کیلئے انتہائی محبت وعقیدت محسوس کرتا ہے۔

☆ محبت کا تقاضا: اطاعت وفرمانبرداری:

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ محبت ''اطاعت وفرمانبرداری'' کا تقاضا کرتی ہے، یعنی یہ بات انسانی فطرت میں شامل ہے کہ انسان جس کسی سے محبت کرتا ہے تو ضرور اس کی اطاعت وفرمانبرداری بھی کرتا ہے اور اس کی نافرمانی سے بچتا ہے، اور اگر کوئی کسی سے محبت کا دعویٰ کرتا ہو اور پھر اس کی نافرمانی میں بھی مبتلا ہو تو یقیناً اس کا مطلب صرف اور صرف

یہی ہوگا کہ اس کا یہ محبت کا دعویٰ غلط اور جھوٹا ہے، کیونکہ ''محبت'' اور ''اطاعت'' تو باہم لازم وملزوم ہیں۔

اسی طرح جوکوئی اللہ کی محبت کا دعویدار ہو، اگر اس کے اس دعویٰ میں صداقت ہوگی تو اس کا ثبوت بھی نظر آجائے گا، یعنی وہ اللہ کا مطیع وفرمانبردار ہوگا، اور حتیٰ الامکان اللہ کی نافرمانی سے بچنے کی سعی وکوشش کرتا رہے گا، اور اگر گناہ سے بچنے کی کوشش اور اہتمام کے باوجود فطری انسانی کمزوری کے باعث اس سے کبھی کوئی گناہ سرزد ہوبھی جائے تو یقیناً اس کی کیفیت یہ ہوگی کہ اس گناہ پرخوش ہونے اور دوبارہ موقع کی تلاش وجستجو میں رہنے کی بجائے وہ بہت جلد اپنے اس گناہ پر شرمندگی وندامت محسوس کریگا، اورگڑگڑا کر اللہ سے توبہ واستغفار کریگا، قرآن کریم میں اہلِ ایمان کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿وَ الَّذِينَ اِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَو ظَلَمُوا اَنفُسَهُم ذَكَرُوا اللّهَ فَاستَغفَرُوا لِذُنُوبِهِم وَ مَن يَّغفِرُ الذُّنُوبَ اِلَّااللّهُ وَلَم يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُم يَعلَمُونَ اُولٰٓئِكَ جَزَاؤُهُم مَغفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِم وَ جَنَّاتٌ تَجرِي مِن تَحتِهَا الأَنهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَ نِعمَ اَجرُالعَامِلِينَ﴾ (۱) ترجمہ: (جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہوجائے یا اپنے آپ پر کوئی ظلم [گناہ] کر بیٹھیں' تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کیلئے استغفار کرتے ہیں، فی الواقع اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟ اور وہ لوگ باوجود علم کے کسی برے کام پر اَڑ نہیں جاتے، انہی کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، ان نیک کاموں کے کرنے والوں کا ثواب کیا ہی اچھا ہے)

(۱) آل عمران [۱۳۵۔۱۳۶]

جبکہ اس کے برعکس اگر دعویٰ تو اللہ کی محبت کا ہو' مگر ساتھ ساتھ نافرمانی بھی جاری ہو، تو یقیناً یہی کہا جائے گا کہ اس کا یہ دعویٰ ناقابلِ قبول' غلط اور جھوٹا ہے، اور اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

تعصي الالٰه وأنت تُظهر حُبّهٗ هذا لعُمري في القياس بديعُ

لوكان حُبّك صادقاً لأطعتهٗ انّ المُحبّ لمن يحبّ مُطيعُ

ترجمہ: (تم اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو اور پھر اس کی نافرمانی بھی کرتے ہو....؟ میری زندگی کی قسم! یہ بات تو عقل میں آنے والی نہیں، اگر اللہ کے ساتھ تمہاری محبت سچی ہوتی تو ضرور تم اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری بھی کرتے [نہ کہ نافرمانی......] کیونکہ محبت کرنے والا تو ہمیشہ اپنے محبوب کا مطیع وفرمانبردار ہی ہوا کرتا ہے)۔

(۲) تقویٰ وپرہیز گاری:

مؤمن اس بات پر پختہ یقین اور کامل ایمان رکھتا ہے کہ اللہ اس کے ہر عمل اور ہر حرکت سے باخبر ہے، وہ خلوت میں ہو یا جلوت میں، ہمیشہ ہر جگہ اور ہر حال میں اللہ اسے دیکھ رہا ہے اور اس کی ہر بات کو خوب سُن رہا ہے، اور یہ کہ قیامت کے روز اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے اور اپنے ہر قول وفعل کا حساب وکتاب دینا ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَ هُوَ مَعَكُم اَيْنَمَا كُنتُم وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ (۱) ترجمہ: (اور تم جہاں کہیں بھی ہو وہ [اللہ] تمہارے ساتھ ہے اور جو تم کر رہے ہو' اللہ [اسے] دیکھ رہا ہے)

نیز ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيهِ شَيءٌ فِي الاَرضِ وَ لَا فِي السَّمَاءِ﴾ (۲)

(۱) حدید: [۴] (۲) آل عمران [۵]

ترجمہ: (یقیناً اللہ تعالیٰ پر زمین وآسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیکُم رَقِیباً﴾ (۱) ترجمہ: (بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿وَاِن تَجھَر بِالقَولِ فَاِنَّہ یَعلَمُ السِرَّ وَ اَخفَیٰ﴾ (۲) ترجمہ: (اگر تم بلند آواز میں کوئی بات کہو [یا آہستہ] وہ [اللہ تعالیٰ] تو ہر پوشیدہ، بلکہ پوشیدہ ترین چیز کو بھی بخوبی جانتا ہے)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿یَعلَمُ خَائِنَۃَ الأعیُنِ وَمَا تُخفِي الصُّدُورُ﴾ (۳) ترجمہ: (وہ [اللہ تعالیٰ] آنکھوں کی خیانت کو اور سینوں میں پوشیدہ باتوں کو [خوب] جانتا ہے)

غرضیکہ بندۂ مؤمن ان آیات میں غور وفکر کرتا ہے، اور اس بات پر یقینِ کامل اور پختہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ اسے ہر حالت میں دیکھ رہا ہے، اس کی کوئی حرکت اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے، اس کا ہر عمل بلکہ اس کی زبان سے نکلنے والا ہر ہر لفظ محفوظ کیا جا رہا ہے اور ایک روز اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے اور اپنے ہر قول وفعل کا حساب دینا ہے......اس احساس وشعور کی بدولت مؤمن کے دل میں تقویٰ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، جو اسے اس کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتا ہے، جس سے اس کے دل میں فکرِ آخرت پیدا ہوتی ہے، اپنی اصلاح کی فکر دامن گیر ہوتی ہے، اور جس کی بدولت اس میں برائیوں سے بچنے اور پرہیزگاری کا راستہ اپنانے کا جذبہ وشوق پیدا ہوتا ہے اور یہی جذبہ برائی کی طرف اٹھنے والے اس کے قدموں کیلئے زنجیر بن جاتا ہے۔

(۱) النساء [۱] (۲) طٰہٰ [۷]
(۳) مؤمن/غافر [۱۹]

(۳) عزتِ نفس:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اپنے مؤمن بندوں کی عزت کو خود اپنی عزت، نیز اپنے رسول ﷺ کی عزت کے ساتھ ملا کر ایک ساتھ ایک ہی آیت میں بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَلِلّٰهِ العِزَّةُ وَلِرَسُولِهٖ وَلِلمُؤمِنِينَ﴾ (۱) ترجمہ: (عزت تو صرف اللہ کیلئے ہے اور اس کے رسول کیلئے اور ایمان والوں کیلئے)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ (۲) ترجمہ: (اللہ تو [خود] کارساز ہے ایمان والوں کا)

نیز ارشاد ہے: ﴿اَلَااِنَّ أَولِيَآءَ اللّٰهِ لَاخَوفٌ عَلَيهِم وَلَاهُم يَحزَنُونَ﴾ (۳) ترجمہ: (یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں)

چنانچہ مؤمن جب اس بارے میں غور وفکر کرتا ہے کہ خالقِ ارض وسماء نے مؤمن کی عزت کو خود اپنی عزت نیز اپنے رسول ﷺ کی عزت کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہے، نیز یہ کہ وہ اللہ خود اہلِ ایمان کا ولی و مددگار اور کارساز ہے، اور یہ کہ اہلِ ایمان کو اللہ کی تائید ومعیت نصیب ہے، اس یقین وایمان کی بدولت مؤمن خود کو باعزت محسوس کرتا ہے اور دنیاوی جاہ وحشمت یا مال واسباب سے مرعوب ہونے کی بجائے اس کی نظر میں ''اللہ کی بندگی'' ہی سب سے بڑا شرف اور سب سے قیمتی اعزاز ہے جس کے سامنے دنیا ومافیہا کی قطعاً کوئی اہمیت وحیثیت نہیں ہے۔

(۴) غیر اللہ سے استغناء:

قرآنِ کریم میں ارشادِ ربّانی ہے: ﴿وَاِنْ يَّمسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَاكَاشِفَ لَهٗ اِلّا هُوَ

(۱) المنافقون [۸] (۲) البقرہ [۲۵۷] (۳) یونس [۶۲]

وَاِن يُّرِدْكَ بِخَيرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهٖ يُصِيبُ بِهٖ مَن يَشَاءُ مِن عِبَادِهٖ وَهُوَ الغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (۱) ترجمہ: (اور اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اور کوئی اس تکلیف کو دور کرنے والا نہیں ہے، اور اگر وہ تم کو کوئی خیر پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی ہٹانے [روکنے] والا نہیں، وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نچھاور کردے اور وہ تو بڑی مغفرت بڑی رحمت والا ہے)

بندۂ مؤمن اس بات پر دل کی گہرائیوں سے یقین و ایمان رکھتا ہے کہ اس کا خالق و مالک صرف اللہ ہی ہے، اس کی زندگی اور موت، اس کا نفع و نقصان سب اسی اللہ ہی کے قبضہ میں ہے، اس کا رزق اللہ نے خود اپنے ذمہ لے رکھا ہے، اسے جو چیز اللہ دینا چاہے اسے کوئی روک نہیں سکتا، اور جس چیز سے اللہ اسے محروم رکھنا چاہے اسے وہ چیز کوئی دے نہیں سکتا، تمام دنیا مل کر اگر اسے کوئی فائدہ پہنچانا چاہے تو صرف اسی قدر ہی فائدہ پہنچا سکتی ہے کہ جس قدر خود اللہ نے اس کے نصیب میں فائدہ لکھ دیا ہے، اسی طرح تمام دنیا مل کر اگر اسے نقصان پہنچانا چاہے تو صرف اتنا ہی نقصان پہنچا سکتی ہے کہ جتنا نقصان خود اللہ نے اس کے نصیب میں لکھ دیا ہے، اس سے بڑھ کر نہ کوئی کسی کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی نقصان۔

اس یقین و ایمان کی بدولت مؤمن کی تمام تر توجہ اور کوشش صرف یہی ہوتی ہے کہ اسے اللہ کی رضامندی وخوشنودی نصیب ہوجائے اور وہ سوچتا ہے کہ بس اللہ راضی ہوجائے تو سب ٹھیک ہے، ورنہ سب بیکار ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

کوئی تجھ سے کچھ، کوئی کچھ چاہتا ہے میں تجھ سے ہوں یارب! طلبگار تیرا

(۱) یونس [۱۰۷]

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سفرِ طائف سے واپسی کے موقع پر جب تھکاوٹ سے چور، زخموں سے نڈھال اور اہلِ طائف کی بدسلوکی سے انتہائی رنجیدہ و دلبرداشتہ تھے اور آپ ﷺ کا جسم مبارک لہولہان تھا......مگر اس وقت بھی آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:

(اِنْ لَمْ یَکُن بِكَ غَضَبٌ عَلَیَّ فَلَا اُبَالِي) (۱) یعنی: اے اللہ! بس اگر تو مجھ سے ناراض نہ ہو تو پھر مجھے اور کسی بات کا کوئی غم نہیں)

کسی شاعر نے کہا ہے:

اگر اِک تو نہیں میرا، تو کوئی شئے نہیں میری ۔۔۔ جو تو میرا، تو سب میرا، فلک میرا، زمین میری

☆ لہٰذا مؤمن یہ سمجھتا ہے کہ تمام زمین و آسمان میں ایک اللہ کے سوا کوئی اس قابل نہیں کہ جس سے وہ کچھ مانگے یا جس کے سامنے اپنا دامن پھیلائے یا اپنا سر جھکائے، اور پھر اسی جذبے اور اسی یقین و ایمان کی بدولت وہ ہر غیر اللہ سے مستغنی ہو جاتا ہے، بس ایک اللہ سے دوستی اور تعلق اور اس کی عبادت و بندگی کی بدولت اسے دنیا بھر کی بندگی و غلامی کی ذلت سے نجات نصیب ہو جاتی ہے۔

وہ اِک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ۔۔۔ ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

(۵) مایوسی کا خاتمہ:

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَ نَحْنُ أَقْرَبُ اِلَیهِ مِن حَبْلِ الوَرِیدِ﴾ (۲) ترجمہ: (اور ہم اس [انسان] کی رگِ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں)

لہٰذا مؤمن اس بات پر یقین و ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تو اس سے خود اس کی اپنی جان اور شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، وہ بندے کے تمام حالات اور پریشانیوں سے خوب واقف

(۱) مجمع الزوائد۔ جلد:۶۔ صفحہ:۳۵۔ باب خروج النبی ﷺ الی الطائف۔ (۲) ق [۱۶]

اور باخبر ہے، وہ انتہائی رحیم وکریم ہے، اس کا فضل وکرم بے حدوحساب ہے، نیز یہ کہ بندے کے حالات سازگار رہوں یا خدانخواستہ کسی پریشانی کا سامنا ہو' بہرصورت مؤمن یہی سوچ رکھتا ہے کہ اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہے جسے وہی جانتا ہے، کیونکہ اس کا علم کامل ہے، ہم نہیں جانتے، کیونکہ ہمارا علم ناقص ہے، اور یہ کہ اللہ کے ہر فیصلے میں یقیناً خود بندے کیلئے ہی بہتری ہے، اسی اعتقاد کی بدولت مؤمن کبھی مایوسی وناامیدی میں مبتلا نہیں ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (عَجَباً لِاَمرِ المُؤمِنِ اِنَّ اَمرَہ کُلَّه لَه خَیرٌ وَلَیسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلّا لِلمُؤمِنِ، اِن اَصَابَتهُ سَرَّاءُ شَکَرَ فَکَانَ خَیراً لَه ، وَ اِن اَصَابَتهُ ضَرّاءُ صَبَرَ فَکَانَ خَیراً لَه) (۱) ترجمہ: (مؤمن کا معاملہ تو بہت ہی عجیب ہے، کیونکہ اس کیلئے تو ہر صورت میں خیر ہی خیر ہے، اور یہ تو صرف مؤمن ہی کی شان ہے [کسی اور کو یہ نعمت نصیب نہیں] کیونکہ اگر اسے کوئی خوشی پہنچتی ہے تو وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، یوں وہ خوشی اس کیلئے خیر بن جاتی ہے، اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر سے کام لیتا ہے، اور اس طرح وہ تکلیف بھی اس کیلئے خیر بن جاتی ہے)

(۶) سکونِ قلب:

اس دنیا میں کسی بھی انسان کیلئے یقیناً سب سے بڑی دولت اور اہم ترین نعمت ''سکونِ قلب'' ہے، چنانچہ اگر دل خوش ہو تو سب ٹھیک ہے، خواہ انسان امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا فقیر، کسی محل یا حویلی میں رہنے والا ہو یا جھونپڑی میں، بہترین اور شاندار قسم کے کھانے کھاتا ہو یا روکھی سوکھی دال روٹی، عمدہ اور نفیس لباس پہنتا ہو یا پھٹے پرانے اور پیوند لگے کپڑے......، جیسے کہ مثال مشہور ہے کہ: ''ہر چیز میں لذت ہے اگر دل میں مزہ ہو'' چنانچہ

(۱) مسلم [۲۹۹۹] باب لایُلدغ المؤمن من جحر مرتین۔ ابن حبان [۲۸۹۶] ذکر اثبات الخیر للمسلم الصابر......۔

اگر دل خوش ہو تو سب ٹھیک ہے، اور اگر دل خوش نہیں تو سب بیکار ہے۔

☆......اب سوال یہ ہے کہ یہ قیمتی ترین بلکہ انمول دولت یعنی دل کی خوشی یا سکون واطمینان کی دولت کس طرح حاصل کی جاسکتی ہے......؟

☆...... ہر انسان کو یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ دل کی خوشی دنیا کے کسی بازار میں نہیں بکتی، یہ چیز کسی دکان پر فروخت نہیں ہوتی، انسان مال ودولت کے ذریعے خوشی کا سامان تو یقیناً خرید سکتا ہے......مگر خوشی کہاں سے خریدے گا......؟ مال ودولت کے ذریعے بازار سے خوب آرام دہ اور قیمتی بستر تو یقیناً خریدا جاسکتا ہے، مگر کیا دنیا میں کوئی ایسا بازار بھی ہے جہاں نیند بھی بکتی ہو؟ نیند کہاں سے خریدی جائیگی......؟

☆...... اس اہم ترین سوال کا بس صرف ایک ہی جواب ہے، مختصر اور دوٹوک جواب، قطعی اور یقینی جواب، اور وہ یہ کہ سکونِ قلب، اطمینان اور دل کی خوشی جیسی اہم اور قیمتی ترین دولت اور انمول نعمت حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے، اور وہ ہے: ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر سچا اور حقیقی ایمان''۔

اسی حقیقت کو قرآنِ کریم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿اَلَّذِیْنَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (۱) ترجمہ: (جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں، یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (۲) ترجمہ: (وہی [اللہ] ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں سکون واطمینان ڈال دیا)

(۱) الرعد [۲۸] (۲) الفتح [۴]

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(مَا اجْتَمَعَ قَومٌ فِی بَیْتٍ مِنْ بُیُوتِ اللّٰهِ یَتلُونَ کِتَابَ اللّٰهِ وَ یَتَدَارَسُونَه بَیْنَهُمْ اِلّا نَزَلَتْ عَلَیْهِمِ السَّکِیْنَةُ وَحَفَّتْهُمُ المَلَائِکَةُ وَغَشِیَتْهُمُ الرَّحمَةُ وَ ذَکَرَهُمُ اللّٰهُ فِي مَنْ عِنْدَه) (۱) ترجمہ: (جب بھی کچھ لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوکر اللہ کی کتاب کی تلاوت میں' اور اسے سیکھنے اور سکھانے میں مشغول ہوتے ہیں تو ان پر [اللہ کی طرف سے] سکون واطمینان کی نعمت نازل ہوتی ہے اور فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ ان کا تذکرہ ان لوگوں کے سامنے فرماتا ہے جو اللہ کے پاس ہیں)

یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ آسمانوں میں فرشتوں کے سامنے بطورِ تعریف اپنے ان بندوں کا تذکرہ فرماتے ہیں جو زمین پر اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں۔

اس حدیث میں خاص طور پر (نَزَلَتْ عَلَیْهِمِ السَّکِیْنَة) (یعنی: ان پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے سکون واطمینان کی نعمت نازل ہوتی ہے) کے بارے میں غور وفکر کی اشد ضرورت ہے، کیونکہ ٹوٹے ہوئے دلوں کیلئے اسی میں سکون واطمینان' نیز بیقرار روح کیلئے اسی میں تسکین وقرار کا راز پوشیدہ ہے۔(۲)

(۱) مسلم[۲۶۹۹] باب فضل الاجتماع علیٰ تلاوۃ القرآن وعلیٰ الذکر۔ ابن حبان[۷۶۸] ذکر حفوف الملائکۃ......

(۲) ''اللہ پر ایمان کے فوائد وثمرات'' کے بارے میں مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: ''الایمان والحیاۃ''۔ از: یوسف القرضاوی۔

❁❁❁

☆☆☆

دوسرا رکن:

''ملائکہ پر ایمان''

رکن (۲)

ملائکہ (فرشتوں) پر ایمان :

ملائکہ کی تعریف:

☆لغوی معنیٰ:

ملائکہ ''ملک'' (لام کے اوپر زبر کے ساتھ) کی جمع ہے، اور یہ ملک ''اَلوکہ'' سے مأخوذ ہے، جس کے لفظی معنیٰ ''رسالہ'' یعنی پیغام کے ہیں۔ چونکہ فرشتے اللہ کا پیغام انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام تک پہنچانے کا فریضہ انجام دیتے ہیں لہٰذا انہیں ''ملائکہ'' یعنی پیغام لے جانے والے کہا گیا۔ اور اسی معنیٰ (یعنی پیغام لے جانے والے' یا: قاصد) کی مناسبت سے ''ملک'' یعنی فرشتے کیلئے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ''رسول'' کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے، کیونکہ رسول کے لفظی معنیٰ بھی یہی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿حَتّٰیٓ اِذَا جَاءَ أَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ﴾ (۱) ترجمہ: (یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آپہنچتی ہے تو اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے قبض کر لیتے ہیں اور ذرہ کوتاہی نہیں کرتے)

نیز ارشاد ہے: ﴿وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرَاهِیْمَ بِالْبُشْرٰی﴾ (۲) ترجمہ: (اور جب ہمارے بھیجے ہوئے پیغامبر ابراہیم [علیہ السلام] کے پاس خوشخبری لے کر پہنچے)

نیز ارشاد ہے: ﴿وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا﴾ (۳)

(۱) الأنعام [۶۱] (۲) ہود [۶۹] (۳) ہود [۷۷]

ترجمہ: (اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط[علیہ السلام] کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے بہت ہی غمگین ہوگئے اور دل ہی دل میں کڑھنے لگے)

نیز ارشاد ہے: ﴿اِنَّـهٗ لَـقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ﴾ (۱) ترجمہ: یقیناً یہ [قرآن] ایک بہت ہی باعزت رسول کا کہا ہوا ہے) اس آیت میں ''رسول'' سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔

☆ اصطلاحی معنیٰ:

"الملائكة مخلوقات نورانيّة ، عاقلة ، خلقهم اللّه سبحانه و تعالىٰ لتنفيذ أوامرهٖ التكوينيّة ، ولتبليغ رسالته و وحيهٖ الشرعي الىٰ أنبيائهٖ و رسلهٖ من البشر"۔ (۲)

یعنی: ''ملائکہ ایک نورانی (نور سے پیدا شدہ) مخلوق کا نام ہے، جو کہ عقل وشعور رکھتی ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس مخلوق (یعنی ملائکہ) کو تکوینی امور کی انجام دہی' نیز انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کی طرف اپنی وحی (شرعی پیغام) پہنچانے کی غرض سے پیدا فرمایا ہے''۔

''ملائکہ پر ایمان'' کی اہمیت :

ملائکہ پر ایمان ان بنیادی عقائد میں سے ہے کہ جن پر صدقِ دل سے مکمل اور پختہ یقین واعتقاد رکھنا ضروری ولازمی ہے، اور اسی وجہ سے ان عقائد کو ''ارکانِ ایمان'' کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَلٰـكِـنّ الْبِـرّ مَـن آمَـنَ بِـاللّٰـهِ وَالْيَـوْمِ الآخِـرِ وَالْـمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيّنَ﴾ (۳) ترجمہ: (درحقیقت اچھا شخص وہ ہے جو اللہ پر' قیامت کے دن پر' فرشتوں پر' [اللہ کی] کتاب پر' اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو)

(۱) التکویر[۱۹] (۲) بیان اصول الایمان۔ از: عبداللہ بن صالح القصیر۔ (۳) البقرہ[۱۷۷]

نیز ارشاد ہے: ﴿وَ مَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَ مَلَائِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَ الْیَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً بَعِیْداً﴾ (۱) ترجمہ: (اور جو شخص اللہ سے اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اَلْاِیْمَانُ اَنْ تُؤمِنَ بِاللّٰہِ وَمَلَائِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَ الْیَوْمِ الْآخِرِ وَ تُؤمِنَ بِالْقَدَرِ خَیْرِہٖ وَ شَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالیٰ) (۲) ترجمہ: (ایمان یہ ہے کہ تم ایمان قبول کرو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، قیامت کے دن پر اور اس بات پر کہ اچھی اور بُری تقدیر اللہ ہی کی طرف سے ہے)(۳)

مذکورہ نصوص سے یہ بات واضح وثابت ہوگئی کہ ملائکہ پر ایمان دین کے ان بنیادی عقائد میں سے ہے جنہیں ''ارکان ایمان'' کہا جاتا ہے، اور جن پر مکمل یقین وایمان کے بغیر انسان کی کوئی عبادت عنداللہ قابلِ قبول نہیں ہوسکتی، اور نہ ہی اسے آخرت میں نجات وفلاح نصیب ہوسکتی ہے۔

ملائکہ پر ایمان کا مفہوم:

ملائکہ پر ایمان کا مفہوم ہے: ملائکہ کے وجود پر مکمل اور پختہ یقین وایمان رکھنا، نیز یہ کہ قرآن وحدیث میں ملائکہ کے وجود، نیز ان کے ذمہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے جن مختلف اعمال اور ان کے فرائض کا تذکرہ کیا گیا ہے ان سب کی مکمل، غیر متزلزل، اور قطعی تصدیق کرنا۔

(۱) النساء [۱۳۶] (۲) بخاری [۵۰] عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔ نیز: مسلم [۸] عن عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ۔
(۳) یعنی مذکورہ باتوں کو درست اور برحق سمجھا جائے اور خلوصِ دل کے ساتھ ان کی مکمل اور قطعی تصدیق کی جائے،

☆ ملائکہ پر ''تفصیلی'' و ''اجمالی'' ایمان:

یعنی وہ ملائکہ جن کا تذکرہ قرآن کریم میں یا حدیث میں موجود ہے، خواہ ان میں سے کسی کا تذکرہ اس کے نام سے کیا گیا ہو' یا اس کے ذمہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے جو مختلف فرائض وذمہ داریاں ہیں' ان کے حوالے سے اس کا تذکرہ کیا گیا ہو، ایسے تمام ملائکہ پر اسی تفصیل کے ساتھ ایمان ضروری ہے۔

جبکہ باقی تمام ملائکہ (یعنی جن کا قرآن کریم میں یا حدیث میں کوئی تذکرہ نہیں ہے) ان سب پر صرف اجمالی یقین وایمان ضروری ہے۔

☆ وہ ملائکہ جن پر ''تفصیلی ایمان'' ضروری ہے:

یعنی وہ ملائکہ جن کا قرآن کریم میں یا مختلف احادیث میں نام لے کر یا ان کے ذمہ کسی کام کے حوالے سے تذکرہ کیا گیا ہے اور اسی لئے ان پر اسی تفصیل کے ساتھ ایمان ضروری ہے، ان کا تذکرہ درجِ ذیل ہے:

(۱) جبریل علیہ السلام:

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (۱)

ترجمہ: ([اے نبی!] آپ کہہ دیجئے کہ جو جبریل کا دشمن ہو کہ جس نے آپ کے دل پر پیغامِ باری تعالیٰ اتارا ہے' جو پیغام ان کے پاس کی کتاب کی تصدیق کرنے والا اور مؤمنوں کو ہدایت اور خوشخبری دینے والا ہے)

(یعنی جو شخص جبریل کا دشمن ہے تو اللہ بھی اس شخص کا دشمن ہے)۔

(۱) البقرۃ [۹۷]

نیز حضرت جبریل علیہ السلام کا ان کے اس نام کے ساتھ تذکرہ متعدد احادیث میں بھی موجود ہے۔ جبکہ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر ان کا تذکرہ دوسرے ناموں یا القاب کے ساتھ بھی کیا گیا ہے، مثلاً ''روح'' (۱) نیز: ''الروح الأمین'' (۲) نیز ''شدید القویٰ'' (۳) نیز ان کیلئے قرآن کریم میں ''رسول'' (قاصد یا پیغام رساں) کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ (۴)

☆ جبریل علیہ السلام کے فرائض:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے جبریل علیہ السلام کے ذمہ جو فرائض وواجبات ہیں ان میں سے اہم ترین فریضہ وہ ہے جس کا تعلق انسانوں کیلئے ''روحانی غذا'' سے ہے۔ یعنی: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے مختلف انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کی طرف ''وحی'' کی شکل میں پیغام پہنچانا۔

(۲) میکائیل علیہ السلام:

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿مَنْ كَانَ عَدُوّاً لِلّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ﴾ (۵) ترجمہ: (جو شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں، اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو، ایسے کافروں کا خود اللہ بھی دشمن ہے)

☆ میکائیل علیہ السلام کے فرائض:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے میکائیل علیہ السلام کے ذمہ جو فرائض وواجبات ہیں ان میں

(۱) تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا... [القدر:٤] (۲) وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الأَمِينُ... [الشُعراء:١٩٢-١٩٣] (۳) عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى ... [النجم:٥-٦]
(۴) إِنَّهُ لَقَولُ رَسُولٍ كَرِيمٍ... [التكوير:١٩] (۵) البقرة [٩٨]

سے اہم ترین فریضہ وہ ہے جس کا تعلق انسانوں نیز دیگر تمام مخلوقات کیلئے ''جسمانی غذا'' سے ہے۔ یعنی اللہ کے حکم سے بادلوں کو ہنکانا، ہوائیں چلانا، آسمان سے بارش برسانا، زمین سے سبزہ اگانا جس میں تمام مخلوقات کیلئے رزق اور زندگی کا سامان ہے۔

(۳) اسرافیل علیہ السلام:

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَمَنْ فِي الأَرضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ أُخْرَىٰ فَاِذَاهُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: (اور صور پھونک دیا جائے گا پس آسمانوں اور زمین والے سب بے ہوش ہوکر گر پڑیں گے مگر جسے اللہ چاہے، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا پس وہ ایک دم کھڑے ہوکر دیکھنے لگ جائیں گے)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (كَيفَ أنعَمُ وَصَاحِبُ الصُّورِ قَد الْتَقَمَه ، وَأَصغَىٰ سَمْعَه ، وَحَنَىٰ جَبْهَتَه ، يَنتَظِرُ مَتَىٰ يُؤمَرُ بِالنَّفْخِ) (۲)

ترجمہ (میں خوشی کس طرح مناؤں؟ جبکہ صور والے [اسرافیل] نے [پھونک مارنے کی غرض سے] صور اپنے منہ میں دبالیا ہے، اور اپنے کان مکمل طور پر [اللہ کے حکم کی طرف] لگادیئے ہیں، اور اپنی پیشانی جھکادی ہے، اور اب وہ بس اللہ کی طرف سے حکم کا منتظر ہے)

گذشتہ آیت اور حدیث میں اگرچہ اسرافیل علیہ السلام کا نام تو مذکور نہیں ہے، البتہ ان کے ذمہ کام' یعنی صور پھونکنے کے حوالے سے ان کا تذکرہ موجود ہے، لہٰذا اسرافیل علیہ السلام پر' نیز ان کے ذمے اس عمل (نفخ فی الصور) پر ایمان بھی ضروری ہے۔

(۱) الزمر [٦٨]

(۲) ترمذی [۲۴۳۱]۔ نیز ملاحظہ ہو: مشکاۃ المصابیح [۵۵۳۷] کتاب احوال القیامۃ وبدأ الخلق۔

☆اسرافیل علیہ السلام کے فرائض :

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اسرافیل علیہ السلام کے ذمہ وہ کام ہے جس کا تعلق انسان ودیگر تمام مخلوقات' بلکہ تمام کائنات کیلئے دنیاوی زندگی کے خاتمہ اور پھر اس کے بعد حیات بعدالممات سے ہے۔یعنی اسرافیل علیہ السلام پہلے اللہ کے حکم سے صور پھونکیں گے تو تمام انسانوں ودیگر مخلوقات کی موت واقع ہوجائے گی، نیز تمام زمین وآسمان تباہ ہوجائیں گے، اوراس کے بعد اللہ کے حکم سے جب وہ دوبارہ صور پھونکیں گے تو تمام انسان دوبارہ زندہ ہوجائیں گے اور تمام کائنات ازسرِنو وجود میں آئیگی۔

(۴) ملک الموت (موت کا فرشتہ):

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿قُلْ يَتَوَفَّاكُمْ مَلَكُ الْمَوتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ﴾ (۱) ترجمہ:(آپ کہہ دیجئے کہ تمہیں موت کا فرشتہ فوت کریگا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے، پھرتم سب اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے)

مذکورہ آیت میں ملک الموت' نیز اللہ کی طرف سے اس کے ذمہ کام یعنی انسانوں کی روح قبض کرنے کا تذکرہ ہے۔ (۲)

(۵) کراماً کاتبین:

یعنی انسان کے اچھے اور برے اعمال لکھنے والے فرشتے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے:

---

(۱) السجدة[۱۱]

(۲) یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ عوام الناس میں ملک الموت کا نام ''عزرائیل'' مشہور ہے، جبکہ قرآن وحدیث میں کہیں یہ نام مذکور نہیں ہے، ممکن ہے کہ یہ ''اسرائیلیات'' میں سے ہو۔قرآن وحدیث میں اس فرشتے کیلئے ہمیشہ ''ملک الموت'' (یعنی موت کا فرشتہ) کا لفظ ہی استعمال کیا گیا ہے۔

﴿وَاِنَّ عَلَيكُمْ لَحَافِظِينَ كِرَاماً كَاتِبِينَ يَعلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ﴾ (۱) ترجمہ: (اور یقیناً تم پر نگہبان عزت والے لکھنے والے مقرر ہیں، جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں) نیز ارشاد ہے: ﴿أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَانَسمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجوَاهُمْ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيهِمْ يَكْتُبُونَ﴾ (۲) ترجمہ: (کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے، [یقیناً ہم تو برابر سن رہے ہیں] بلکہ ہمارے بھیجے ہوئے [فرشتے] ان کے پاس ہی لکھ رہے ہیں)

(۶) انسان کی حفاظت پر مأمور فرشتے :

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن بَينِ يَدَيهِ وَمِنْ خَلفِهِ يَحفَظُونَهُ مِنْ أَمرِ اللّهِ﴾ (۳) ترجمہ: (اس [اللہ] کے پہرے دار انسان کے آگے پیچھے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں)

یعنی انسان پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فضل وکرم ہے کہ اس نے مختلف آفات وشرور سے انسان کی حفاظت ونگہبانی کیلئے فرشتے مقرر فرما رکھے ہیں، اسی لئے بسا اوقات کوئی بڑا مہلک' تباہ کن اور جان لیوا قسم کا حادثہ پیش آتا ہے جس میں زندہ سلامت بچ جانے کا بظاہر کوئی امکان نظر نہیں آتا' مگر اس کے باوجود انسان کو کوئی خراش تک نہیں آتی، البتہ جب کبھی کسی ایسی آفت کا مقرر وقت آپہنچے جو خود اللہ کی طرف سے کسی حکمت ومصلحت کے تحت (جسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے) انسان کے نصیب میں لکھدی گئی ہو' تب وہ فرشتے انسان سے دور اور کنارہ کش ہوجاتے ہیں اور وہ آفت یا حادثہ جو قضائے الٰہی کے مطابق اس کے نصیب میں لکھا جاچکا ہوتا ہے وہ وقوع پذیر ہوجاتا ہے، اور پھر اس کے نتیجہ میں جو نقصان یا

(۱) الانفطار[۱۰-۱۱-۱۲] (۲) الزخرف[۸۰] (۳) الرعد[۱۱]

تکلیف اس کے مقدر میں ہے وہ اس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(۷) منکر نکیر:

یعنی وہ فرشتے جو قبر میں انسان سے سوال وجواب پر مأمور ہیں، جیسا کہ اس حدیث میں تذکرہ ہے کہ:(اِذَا قُبِرَ الـمَيِّتُ أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَزرَقَانِ يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا الْمُنْكَر وَلِلآخَر النَّكِير ......) (۱)

یعنی (انسان کو جب قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو سیاہ اور نیلے رنگ کے فرشتے آتے ہیں جن میں سے ایک کا نام ''منکر'' اور دوسرے کا ''نکیر'' ہے......) (۲)

(۸) حملۃ العرش:

یعنی وہ فرشتے جن کے ذمہ عرشِ الٰہی کو اٹھانا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ﴾ (۳) ترجمہ:(اور تیرے رب کا عرش اس دن آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے)

(۹) مالک (داروغۂ جہنم):

قرآن کریم میں ارشاد ہے ﴿وَنَادَوا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ قَالَ اِنَّكُمْ مَّاكِثُونَ﴾ (۴) ترجمہ:(اور وہ [اہلِ جہنم] پکار پکار کر کہیں گے کہ اے مالک! تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کر دے [یعنی ہمیں موت ہی دیدے] وہ [مالک] کہے گا کہ تمہیں تو [یہاں جہنم میں] ہمیشہ ہی رہنا ہے)

(۱) ترمذی [۱۰۷۱] باب ماجاء فی عذاب القبر۔

(۲) یہ دراصل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی طویل اور مفصل حدیث کا ایک حصہ ہے۔

(۳) الحاقۃ [۱۷] (۴) الزخرف [۷۷]

(۱۰) ہاروت وماروت:

قرآن کریم میں مذکور ملائکہ میں سے ہاروت اور ماروت بھی ہیں، جیسا کہ سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے:﴿وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ﴾ (۱)
ترجمہ: (اور بابل میں ہاروت وماروت دو فرشتوں پر جو چیز نازل کی گئی تھی)

(۱۱) الزبانیہ:

اس سے مراد عذاب کے فرشتے ہیں۔ سورۃ العلق میں ارشادِ ربانی ہے:﴿سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ﴾ (۲) ترجمہ: (ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلا لیں گے)
یہاں ’’الزبانیہ‘‘ یعنی دوزخ کے پیادوں سے مراد وہ ملائکہ ہیں جو جہنم میں اہلِ جہنم کو عذاب اور سزا دینے کیلئے مقرر ہیں۔
رسول اللہ ﷺ ایک بار جب کعبہ کے قریب نماز میں مشغول تھے، اس دوران وہاں ابوجہل بھی آ پہنچا اور اس نے آپ ؐ کی شان میں گستاخی کی اور آپ ؐ کو نماز سے روکنے کی کوشش بھی کی، جس پر مذکورہ آیت:﴿سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ﴾ نازل ہوئی۔ (۳) (۴)

(۱) البقرۃ[۱۰۲] (۲) العلق[۱۸]

(۳) مسلم[۲۷۹۷] ترمذی[۳۳۴۸] نیز[۳۳۴۹] احمد[۳۰۴۵] نیز[۸۸۱۷]

(۴) یہاں یہ وضاحت مناسب ہوگی کہ متعدد کتب میں ملائکہ کے بیان میں ’’رضوان: داروغۂ جنت‘‘ کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔
جہاں تک اس بات کی صحت کا تعلق ہے تو حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں تو یقیناً ایسا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے۔ صحاح ستہ میں بھی تلاشِ بسیار کے باوجود مجھے ایسا کوئی تذکرہ نہیں مل سکا۔
البتہ الترغیب والترہیب (کتاب الصوم۔ الترغیب فی صیام رمضان......) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے جس کی ابتداء اس طرح ہے: (إنَّ الجَنّة لتُنجّد و تزيّن من الحول الىٰ الحول

باقی از حاشیہ صفحہ گذشتہ:

لدخول شهر رمضان......) اس حدیث میں آگے چل کر ارشاد ہے:(ویقول اللّٰہ عزوجلّ: یارضوان! افتح أبواب الجِنان ، ویامالك! أغلق أبواب الجحیم ......) حدیث کے آخر میں ابن حبان نیز بیہقی کا حوالہ دیا گیا ہے، اور یہ عبارت بھی درج ہے: ولیس في اسنادہٖ من اُجمع علیٰ ضعفہٖ لیکن بعض اہلِ علم نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

نیز علامہ قرطبی نے الجامع لأحکام القرآن (ج:١٣ص:٦) میں سورۃ الفرقان کی آیت نمبر[١٠] ﴿تَبَارَكَ الَّذِي اِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيراً مِّن ذٰلِكَ جَنَّاتٍ تَجرِي مِن تَحتِهَا الأنهَارُ وَيَجعَل لَكَ قُصُوراً﴾ کی تفسیر میں داروغۂ جنت کی حیثیت سے ''رضوان'' کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن اس موقع پر انہوں نے کسی مستند حوالہ کی بجائے محض " يُروَىٰ أنَّ هذه الآيَة أنزَلَهَا رِضوَان خَازِن الجِنَان... " کہنے پر اکتفاء کیا ہے، جو کہ صیغۂ تمریض ہے۔

اسی طرح ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (باب ذکر خلق الملائکۃ وصفاتہم ، ج:١ص:٤٠) میں داروغۂ جنت کی حیثیت سے ''رضوان'' کا تذکرہ کیا ہے، لیکن انہوں نے بھی اس بارے میں کوئی مستند حوالہ ذکر نہیں کیا۔

واللہ اعلم۔

☆☆☆

ملائکہ کا تعلق: اللہ کے ساتھ :

☆......اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ ملائکہ کے تعلق کی نوعیت کیا ہے؟

☆...... یہاں اس سوال کے جواب میں یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینا اور اسے ذہن نشیں کر لینا انتہائی ضروری ہے کہ ملائکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ اس کی الوہیت (خدائی) میں ہرگز ہرگز شریک نہیں ہیں، نہ ہی ملائکہ کی اللہ کے ساتھ کسی قسم کی قرابت داری ہے، نہ ہی ملائکہ اللہ کی مرضی اور اجازت کے بغیر کسی کو کوئی نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں، اور نہ ہی انہیں اللہ کی مشیت ومرضی کے بغیر اس کائنات میں کسی قسم کے تصرف کی اجازت' قدرت' یا اختیار حاصل ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ ملائکہ کا تمام تر تعلق صرف اور صرف ''عبدیت'' (یا عبودیت) یعنی ''اللہ کی بندگی'' کی بنیاد پر ہے۔ چنانچہ ملائکہ کسی تھکاوٹ' توقف یا تردد کے بغیر شب وروز مسلسل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت' اس کی تسبیح وتحمید' نیز اس کے احکام کی تعمیل وتنفیذ میں مشغول رہتے ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: (اور جو اس [اللہ] کے پاس ہیں [یعنی فرشتے] وہ اس کی عبادت سے سرکشی کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں، وہ رات دن [اللہ کی] تسبیح بیان کرتے ہیں اور ذرا سی بھی سستی نہیں کرتے)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ

(۱) الانبیاء [۱۹]

یَعْمَلُوْنَ﴾ (١) ترجمہ: (بلکہ وہ [ملائکہ] سب اس [اللہ] کے معزز بندے ہیں، کسی بات میں اللہ پر پیش دستی نہیں کرتے بلکہ وہ اس کے فرمان پر کاربند ہیں)

نیز ارشادِ ربانی ہے: ﴿فَاِنِ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهُ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُوْنَ﴾ (٢) ترجمہ: (پھر بھی اگر یہ [کفار و مشرکین] کبر و غرور کریں تو وہ [فرشتے] جو آپ کے رب کے نزدیک ہیں وہ تو رات دن اس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں اور [کسی وقت بھی] اکتاتے نہیں)

نیز ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُونَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُونَ﴾ (٣) ترجمہ: (یقیناً جو تیرے رب کے نزدیک ہیں [یعنی فرشتے] وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں)

☆ ضروری تنبیہ:

اس موقع پر یہ تنبیہ یقیناً مناسب ہوگی کہ بہت سے لوگ ملائکہ سے استعانت و استغاثہ کرتے ہیں، یعنی اپنی مختلف قسم کی مشکلات کے حل کیلئے یا کسی بیماری سے شفاء کیلئے ان فرشتوں سے مدد مانگتے ہیں، مثلاً بہت سے تعویذ اور ٹوٹکے وغیرہ کرنے والے لوگ اپنے تعویذوں یا طلسمات اور عملیات میں جو الٹی سیدھی اور آڑی ترچھی قسم کی لکیریں کھینچتے ہیں اور ان کے درمیان عجیب و غریب قسم کی عبارات و کلمات نیز بسا اوقات فرشتوں کے نام بھی تحریر کرتے ہیں اور اکثر و بیشتر اپنا مقصود حاصل کرنے کیلئے ان فرشتوں سے مدد بھی طلب کی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ یہ سب کچھ بدترین شرک ہے۔ کیونکہ تمام زمین و آسمان میں حاجت روا، مشکل کشا، ہر نفع و نقصان کا مالک صرف اور

(١) الانبیاء [٢٦-٢٧] (٢) حٰم السجدۃ [٣٨] (٣) الاعراف [٢٠٦]

صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے۔ نیز یہ کہ '' استعانت'' یعنی کسی کو نفع ونقصان کا مالک تصور کرتے ہوئے اس سے مدد مانگنا تو عبادت ہی کی ایک قسم ہے، اور تمام زمین وآسمان میں ہر قسم کی عبادت کا مستحق صرف اور صرف ایک اللہ ہی ہے۔لٰہذا جس کسی نے اللہ کے سوا فرشتوں سے یا اور کسی سے بھی مدد مانگی اور اسے اپنے لئے حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا، اس نے گویا اللہ کو چھوڑ کر اس دوسرے کی عبادت کی، اسی چیز کا نام شرک ہے، اور شرک یقیناً بدترین گناہ اور ناقابلِ معافی جرم ہے۔

ملائکہ کا تعلق: کائنات کے ساتھ:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے یہ کائنات پیدا فرمائی، اور پھر اس عظیم اور وسیع وعریض کائنات کے نظام کو چلانے کی براہِ راست ذمہ داری فرشتوں کو سونپی، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿فَالمُدَبِّرَاتِ أمراً﴾ (١) ترجمہ: (پھر کام کی تدبیر کرنے والوں کی قَسم) نیز ارشاد ہے: ﴿فَالمُقَسِّمَاتِ أمراً﴾ (٢) ترجمہ: (پھر کام کو تقسیم کرنے والیاں) ان دونوں آیات میں کام کی تدبیر اور تقسیم کرنے والوں سے مراد فرشتے ہیں، یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے مختلف فرشتوں کے ذمہ مختلف کام ہیں، کوئی ہواؤں اور بادلوں کو ہنکاتا ہے، کوئی بارش برسانے والا فرشتہ ہے تو کوئی خشک سالی اور قحط کا، کوئی رحمت کا اور کوئی عذاب کا، کوئی کسی میں نئی روح پھونکتا ہے تو کوئی کسی کی روح قبض کرنے پر مأمور ہے۔غرضیکہ اس کارخانۂ قدرت میں ہر فرشتہ کسی نہ کسی شکل میں اللہ کے احکام کی تعمیل و تنفیذ میں مشغول ہے۔

یہاں یہ بات ذہنوں میں رہے کہ جس طرح تمام کائنات کا خالق و مالک صرف اللہ ہے،

(١) النازعات [٥] (٢) الذاریات [٤]

بعینہٖ اسی طرح اس کائنات کا مدبر حقیقی یعنی اس کے نظام کو سنبھالنے اور چلانے والا بھی وہی اللہ ہی ہے۔ البتہ اس کام کیلئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے براہِ راست ذمہ داری فرشتوں کو سونپ رکھی ہے۔ یعنی اصل مدبر تو اللہ ہی ہے، نیز یہ کہ کائنات کے اس تمام نظام میں اصل حکم اور مرضی تو اللہ ہی کی چل رہی ہے، اصل تدبیر کرنے والا بھی وہی ہے، البتہ یہ کہ اللہ کے حکم، اس کی اجازت ومشیت اور اس کی رضامندی سے فرشتے تدبیر الٰہی کو براہِ راست نافذ اور جاری وساری کرنے کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ اس کائنات کے ساتھ فرشتوں کے تعلق کی یہی نوعیت ہے۔

ملائکہ کا تعلق: انسان کے ساتھ:

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان کے ساتھ ملائکہ کا بہت ہی قریبی اور انتہائی گہرا اور مضبوط تعلق ہے، جس کی ابتداء انسان کی پیدائش سے بھی قبل کے مراحل سے ہو جاتی ہے، ملائکہ ہی اللہ کے حکم سے اس میں روح پھونکتے ہیں، اور قضائے الٰہی کے مطابق اس کی زندگی، موت، رزق وغیرہ کی تعیین وتحدید کرتے ہیں، اور پھر یہ تعلق انسان کی پیدائش کے بعد زندگی بھر قائم رہتا ہے، اور پھر انسان کو اس فانی وعارضی زندگی کے اختتام پر بھی فرشتوں سے ہی سابقہ پڑتا ہے، کیونکہ قضائے الٰہی سے اس کی روح قبض کرنے کا فریضہ بھی فرشتے ہی انجام دیتے ہیں، اور پھر قبر میں، حشر میں، جنت میں یا دوزخ میں ہر جگہ انسان اور فرشتے کا ساتھ اور تعلق برقرار رہتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

(۱) روح پھونکنا:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَربَعِينَ

يَوماً، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثلَ ذلِكَ ، ثُمَّ يَكُونُ مُضغَةً مِثلَ ذلِكَ ، ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ مَلَكاً وَيُؤمَرُ بِأربَعِ كَلِمَاتٍ، وَيُقَالُ لَهُ أُكتُبْ عَمَلَهُ وَرِزقَهُ وَأجلَهُ وَشَقِيٌّ أو سَعِيد، ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ) (۱) ترجمہ: (تم میں سے ہر کوئی شکمِ مادر میں چالیس روز تک نطفہ کی شکل میں رہتا ہے، اس کے بعد اتنی ہی مدت [چالیس روز] وہ ''علقہ'' یعنی جمے ہوئے خون کی شکل میں، اور پھر اتنی ہی مدت ''مضغہ'' یعنی گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں رہتا ہے، اس کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے وہاں ایک فرشتے کو بھیجا جاتا ہے اور اس موقع پر اسے اس انسان کے بارے میں چار باتیں تحریر کرنے کا حکم دیا جاتا ہے: (۱) اس کا عمل کیسا ہوگا (۲) اس کا رزق کتنا ہوگا (۳) اس کی موت کب واقع ہوگی (۴) آخر کار وہ نیک بختوں میں ہوگا یا بد بختوں میں۔ اس کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ فرشتے اور انسان کے تعلق کی ابتداء انسان کی پیدائش سے بھی پہلے ہو جاتی ہے، اور پھر یہ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم سے فرشتہ ہی انسان میں روح پھونکتا ہے۔

(۲) آفات وشرور سے انسان کی حفاظت:

انسان کی پیدائش کے بعد قدم قدم پر فرشتوں کا اس کے ساتھ تعلق قائم رہتا ہے۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے فرشتے مختلف آفات وشرور اور حوادث ومصائب انسان کی حفاظت کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

چنانچہ قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے: ﴿لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ

(۱) بخاری [۶۲۲۶] کتاب القدر۔ مسلم [۲۶۴۳] کتاب القدر۔ ترمذی [۲۱۳۷] باب ماجاء ان الاعمال بالخواتیم

يَحفَظُونَهُ مِنْ أمرِاللّٰهِ﴾ (۱) ترجمہ: (اس [اللہ] کے پہرے دار انسان کے آگے پیچھے مقرر ہیں، جو اللہ کے حکم سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں)

یعنی انسان پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فضل وکرم ہے کہ اس نے مختلف آفات وشرور سے انسان کی حفاظت ونگہبانی کیلئے فرشتے مقرر فرما رکھے ہیں، اسی لئے بسا اوقات کوئی بڑا مہلک' تباہ کن' اور جان لیوا قسم کا حادثہ پیش آتا ہے جس میں زندہ سلامت بچ جانے کا بظاہر کوئی امکان نظر نہیں آتا مگر اس کے باوجود انسان کو کوئی خراش تک نہیں آتی، البتہ جب کبھی کسی ایسی آفت کا مقرر وقت آپہنچے جو خود اللہ کی طرف سے کسی حکمت ومصلحت کے تحت (جسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے) انسان کے نصیب میں لکھدی گئی ہو' تب وہ فرشتے انسان سے دور اور کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور وہ آفت یا حادثہ جو قضائے الٰہی کے مطابق اس کے نصیب میں لکھا جاچکا ہوتا ہے وہ وقوع پذیر ہو جاتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں جو نقصان یا تکلیف اس کے مقدر میں ہے وہ اس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(۳) کتابتِ اعمال:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم سے ہر انسان کے اعمال کی نگرانی اور اس کے اچھے برے اعمال لکھنے کیلئے دو فرشتے مقرر ہیں جنہیں ''کراماً کاتبین'' کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَاِنَّ عَلَيكُمْ لَحَافِظِينَ كِرَاماً كَاتِبِينَ يَعلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ﴾ (۲) ترجمہ: (اور یقیناً تم پر نگہبان عزت والے' لکھنے والے مقرر ہیں، جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں)

نیز ارشاد ہے: ﴿أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّالَانَسمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجوَاهُمْ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا

(۱) الرعد [۱۱] (۲) الانفطار [۱۰-۱۱-۱۲]

لَـدَیهِمْ یَكْتُبُوْنَ﴾ (۱) ترجمہ: (کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے، [یقیناً ہم تو برابر سن رہے ہیں] بلکہ ہمارے بھیجے ہوئے [فرشتے] ان کے پاس ہی لکھ رہے ہیں)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿مَـایَـلْـفِـظُ مِـنْ قَولٍ اِلَّالَدَیهِ رَقِیبٌ عَتِیدٌ﴾ (۲) ترجمہ: (انسان اپنے منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر یہ کہ اس کے پاس ایک نگہبان تیار رہتا ہے)

(۴) انسانوں کے ساتھ مساجد میں حاضری:

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اَلْـمَلَائِكَةُ یَتَعَاقَبُونَ ، مَلَائِكَةٌ بِاللَّیلِ ، وَ مَلَائِكَةٌ بِـالنَّهَارِ ،وَیَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الفَجْرِ وَ فِي صَلَاةِ العَصْرِ ، ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیهِ الَّـذِیـنَ بَـاتُـوا فِیـكُم، فَیَسْأَلُهُم وَهُوَ أَعْلَم: كَیفَ تَرَكْتُم عِبَادِي؟ فَقَالُوا: تَـرَكْنَاهُم یُصَلُّونَ وَأَتَینَاهُم یُصَلُّونَ، اِذَا قَالَ أَحَدُكُم: ''آمِین'' وَالمَلَائِكَةُ فِـي السَّمَاءِ ، فَاِذَا وَافَقَت اِحدَاهُمَا الأُخرىٰ غُفِرَلَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنبِهٖ)(۳) ترجمہ: (ملائکہ [اپنے فرائض کی انجام دہی کے سلسلہ میں] باریاں بدل بدل کر آتے ہیں، ان میں سے کچھ رات کے وقت فرائض انجام دیتے ہیں اور کچھ دن کے وقت، اور وہ فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں (۴) پھر وہ ملائکہ جو رات کے وقت تمہارے ساتھ

(۱) الزخرف [۸۰] (۲) ق [۱۸]

(۳) بخاری [۵۳۰] کتاب مواقیت الصلاۃ، باب اثم من فاتتہ العصر۔

(۴) یعنی جس طرح دنیا میں عام معمول یہی ہے کہ فرائض کی انجام دہی کے سلسلہ میں ڈیوٹی یا شفٹ کی تبدیلی کے وقت گذشتہ شفٹ اور نئی شفٹ دونوں میں فرائض انجام دینے والے افراد یکجا اور اکٹھے ہوتے ہیں، اسی طرح ملائکہ کی ایک جماعت رات کے وقت، جبکہ دوسری دن کے وقت اپنے فرائض کی انجام دہی پر ماٴمور ہے، اور ان

ہوتے ہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف روانہ ہوجاتے ہیں، تب اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان سے [اپنے بندوں کے بارے میں] دریافت فرماتے ہیں [حالانکہ اللہ کوتو اپنے بندوں کے بارے میں خوب علم ہے]: ''تم میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو؟'' ملائکہ عرض کرتے ہیں کہ: ''ہم نے انہیں نماز کی حالت میں چھوڑا، اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تھے تب بھی ہم نے انہیں نماز ہی کی حالت میں پایا تھا'' [اس کے بعد آپ ﷺ نے مزید فرمایا] جب تم میں سے کوئی شخص [نماز کے دوران] ''آمین'' کہتا ہے، اور ملائکہ بھی آسمان میں آمین کہتے ہیں، اگر دونوں باہم مل جائیں تو ایسے شخص کے گذشتہ تمام گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں)

☆اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اِنَّ أحَدَكُم فِي صَلَاةٍ مَا دَامَتِ الصَّلَاةُ تَحبِسُهُ، وَالمَلَائِكَةُ تَقُولُ: اَللّٰهُمَّ اغفِرلَهُ وَارحَمهُ) (۱) ترجمہ: (تم میں سے کوئی شخص جب نماز کے انتظار میں [مسجد میں] موجود ہوتا ہے' گویا وہ اس وقت

باقی از حاشیہ صفحہ گذشتہ:

کی شفٹ کی تبدیلی فجر اور عصر کی نماز کے موقع پر ہوتی ہے، جب ان کی نئی جماعت اپنی ذمہ داری سنبھالنے کی غرض سے آتی ہے، تو اس وقت اہلِ ایمان مساجد میں نماز میں مشغول ہوتے ہیں، اور پھر یہ جماعت جب اپنے فرائض کی انجام دہی کے بعد واپس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف روانہ ہوتی ہے تب بھی نماز کا وقت ہوتا ہے اور اہلِ ایمان اس وقت بھی نماز میں مشغول ہوتے ہیں، لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے یہ ملائکہ یہی بیان دیتے ہیں کہ: ''ہم نے انہیں نماز کی حالت میں چھوڑا، اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تھے تب بھی ہم نے انہیں نماز ہی کی حالت میں پایا تھا''۔ اس سے نماز کی اہمیت، خصوصاً فجر اور عصر کی نماز باجماعت کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ اس وقت مساجد میں جو اہلِ ایمان موجود ہوتے ہیں ان کے اس عمل یعنی نماز باجماعت کی ادائیگی کی غرض سے مساجد میں حاضری کی گواہی ملائکہ ہر روز اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے دیتے ہیں۔

(۱) بخاری [۳۰۵۷] باب ذکر الملائکۃ۔

[اجروثواب کے لحاظ سے] مسلسل نماز ہی میں مشغول ہوتا ہے،اوراس وقت اس کیلئے ملائکہ [مسلسل اس دعاء میں] مشغول ہوتے ہیں کہ:''اے اللہ! تو اسے بخش دے اوراس پررحم فرما'')

☆اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(اَلمَلَائِکَۃُ یُصَلُّونَ عَلَیٰ أحَدِکُم مَادَامَ فِي مَجلِسِہٖ الَّذِي صَلَّیٰ فِیهِ ، یَقُولُونَ: اَللّٰھُمَّ ارحَمہُ ،اَللّٰھُمَّ اغفِرلَہٗ ، اَللّٰھُمَّ تُب عَلَیه، مَالَم یُؤذِفِیه ، مَالَم یُحدِثُ فِیه) (۱) ترجمہ:(تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے کے بعد جب تک اسی جگہ موجود رہتا ہے اس وقت تک اس کیلئے ملائکہ مسلسل دعاء میں مشغول رہتے ہیں کہ:''اے اللہ! تو اس پررحم فرما،اس کی مغفرت فرما،اس کی توبہ قبول فرما''تاوقتیکہ وہ شخص بے وضوء نہ ہوجائے)

☆اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:(اِذَاکَانَ یَومُ الجُمعةِ کَانَ عَلَی کُلِّ بَابٍ مِن أبوَابِ المَسجِدِ مَلَائِکَة، یَکتُبُونَ الأوَّلَ فَالأوَّلَ، فَاِذَا جَلَسَ الاِمَامُ طَوَوُا الصُّحُف ، وَجَاؤا یَستَمِعونَ الذِّکرَ) (۲) ترجمہ:(جمعہ کے روز مسجد کے ہر دروازے پر چند فرشتے مقرر ہوتے ہیں،جو مسجد میں حاضر ہونے والے افراد کے نام بالترتیب درج کرتے جاتے ہیں، پھر جب امام [خطبہ کی اذان کے وقت منبر پر] بیٹھ جاتا ہے تو وہ اپنے صحائف [جن میں وہ نمازیوں کے نام درج کررہے ہوتے ہیں] بند کردیتے ہیں،اورنصیحت [یعنی خطبہ] سننے کیلئے مسجد کے اندر چلے آتے ہیں)

(۱) بخاری[۲۰۱۳] مسلم[۲۷۲] باب فضل صلاۃ الجماعۃ وانتظار الصلاۃ۔ مَالَم یُؤذِفِیه ،مَالَم یُحدِثُ فِیه کے معنیٰ ومفہوم کے بارے میں مزید وضاحت وتفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین، باب فی الاخلاص واحضار النیۃ۔ (۲) بخاری[۳۰۳۹] باب ذکر الملائکۃ۔

☆اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(مَا اجْتَمَعَ قَومٌ فِی بَیْتٍ مِنْ بُیُوتِ اللّٰہِ یَتلُونَ کِتَابَ اللّٰہِ وَ یَتَدَارَسُونَہ بَیْنَھُمْ اِلّا نَزَلَتْ عَلَیْھِم السَّکِیْنَۃُ وَحَفَّتْھُمُ المَلَائِکَۃُ وَغَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ وَ ذَکَرَھُمُ اللّٰہُ فِیمَنْ عِنْدَہ) (۱) ترجمہ: (جب بھی کچھ لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوکر اللہ کی کتاب کی تلاوت میں مشغول ہوتے ہیں اور باہم اس کا مذاکرہ کرتے ہیں (یا اس کا درس دیتے ہیں) تو ان پر [اللہ کی طرف سے] سکون واطمینان کی نعمت نازل ہوتی ہے اور فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ ان کا تذکرہ ان لوگوں کے سامنے فرماتا ہے جو اللہ کے پاس ہیں)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کا تذکرہ فرشتوں کے سامنے فرماتے ہیں۔

☆اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(اِنَّ المَلَائِکَۃَ لَتَضَعُ أجنِحَتَھَا لِطَالِبِ العِلمِ رِضاً بِمَا یَصنَع) (۲) ترجمہ:(طالبِ علم کی راہ میں فرشتے اس کے اس عمل [یعنی علمِ دین کی طلب وتحصیل] سے خوش ہوکر اپنے پر بچھاتے ہیں)

(۵) اہلِ ایمان کیلئے دعاء واستغفار:

ملائکہ اہلِ ایمان کیلئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں دعاء واستغفار میں مشغول رہتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوقِھِنَّ وَالمَلَائِکَۃُ یُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّھِمْ وَ یَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الأرضِ أَلَااِنَّ اللّٰہَ ھُوَالغَفُورُ الرَّحِیْمُ﴾ (۳) ترجمہ:(قریب ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں اور تمام

(۱) مسلم [۲۶۹۹] باب فضل الاجتماع علیٰ تلاوۃ القرآن وعلیٰ الذکر۔ ابن حبان [۷۶۸] ذکر حفوف الملائکۃ......

(۲) ترمذی [۲۶۸۲] باب ماجاء فی فضل الفقہ علیٰ العبادۃ۔ نیز: [۳۵۳۵] باب فی فضل التوبۃ والاستغفار۔

(۳) الشوریٰ: [۵]

فرشتے اپنے رب کی پاکی [اس کی] تعریف کے ساتھ بیان کررہے ہیں، اور زمین والوں کیلئے استغفار کررہے ہیں، خوب سمجھ رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہی معاف فرمانے والا رحمت والا ہے)

☆ نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿اَلَّـذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِيْنَ آمَنُواْ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْماً فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُواْ وَاتَّبَعُواْ سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ رَبَّنَا وَأَدخِلْهُمْ جَنَّاتِ عَدنٍ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِم وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ اِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَومَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (۱)

ترجمہ: (عرش کے اٹھانے والے اور اس کے آس پاس کے [فرشتے] اپنے رب کی تسبیح حمد کے ساتھ ساتھ کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کیلئے استغفار کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ: اے ہمارے رب! تو نے ہر چیز کو اپنی بخشش اور علم سے گھیر رکھا ہے، پس تو انہیں بخش دے جو توبہ کریں اور تیری راہ کی پیروی کریں اور تو انہیں دوزخ کے عذاب سے بھی بچالے، اے ہمارے رب! تو انہیں ہمیشگی والی جنتوں میں لے جا جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے' اور ان کے باپ دادوں اور بیویوں اور اولاد میں سے ان [سب] کو بھی جو نیک عمل ہیں، یقیناً تو غالب و باحکمت ہے، انہیں برائیوں سے بھی محفوظ رکھ، حق تو یہ ہے کہ اس دن تو نے جسے برائیوں سے بچالیا اس پر تو نے رحمت کردی اور بہت بڑی کامیابی تو یہی ہے)

(۱) غافر / مؤمن [۷-۸-۹]

(٦) ملائکہ کی طرف سے اہلِ ایمان کیلئے بوقتِ انتقال جنت کی خوشخبری:

اہلِ ایمان کو اس دنیائے فانی سے رخصتی کے وقت (تسلی کی غرض سے) ملائکہ جنت کی خوشخبری سناتے ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿اَلَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ المَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيكُم اُدخُلُوا الجَنَّةَ بِمَا كُنتُم تَعلَمُونَ﴾ (۱) ترجمہ: (وہ جن کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوں کہتے ہیں کہ تمہارے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے، جاؤ جنت میں اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے)

نیز ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ استَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيهِمُ المَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحزَنُوا وَأَبشِرُوا بِالجَنَّةِ الَّتِي كُنتُم تُوعَدُونَ نَحنُ أَولِيَاؤُكُم فِي الحَيَاةِ الدُّنيَا وَفِي الآخِرَةِ وَلَكُم فِيهَا مَاتَشتَهِي أَنفُسُكُم وَلَكُم فِيهَا مَاتَدَّعُونَ نُزُلًا مِّن غَفُورٍ رَّحِيمٍ﴾ (۲) ترجمہ: (جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اسی پر قائم رہے، ان کے پاس فرشتے یہ کہتے ہوئے آتے ہیں کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو، [بلکہ] اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، تمہاری دنیاوی زندگی میں بھی ہم تمہارے مددگار تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے، جس چیز کو تمہارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب تمہارے لئے [جنت میں] موجود ہے، غفور ورحیم [معبود] کی طرف سے یہ سب کچھ بطور مہمانی کے ہے)

(۷) ملائکہ کا جنت میں اہلِ ایمان کے ساتھ تعلق:

ملائکہ کا انسان کے ساتھ تعلق اس دنیاوی زندگی تک محدود نہیں بلکہ یہ تعلق آخرت میں بھی

(۱) النحل [۳۲] (۲) حٰم السجدۃ [۳۰-۳۲]

برقرار رہیگا، چنانچہ ملائکہ جنت میں اہلِ ایمان سے ملاقات کیلئے ان کے گھروں میں آیا کریں گے اوران کے ساتھ میل جول اور دعاء وسلام کا سلسلہ بھی ہوگا۔

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّارَزَقْنَاهُمْ سِرّاً وَّ عَلَانِيَةً وَّ يَدْرَءُونَ بِالحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أولَٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَىٰ الدَّارِ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَآئِهِمْ وَأَزوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُم فَنِعْمَ عُقْبَىٰ الدَّارِ﴾ (۱) ترجمہ:(اور وہ اپنے رب کی رضامندی کیلئے صبر کرتے ہیں،اورنمازوں کو برابر قائم رکھتے ہیں،اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اسے چھپے کھلے خرچ کرتے ہیں،اور برائی کو بھی بھلائی سے ٹالتے ہیں،ان ہی کیلئے عاقبت کا گھر ہے، ہمیشہ رہنے کے باغات جہاں یہ خود جائیں گے اوران کے باپ دادوں اور بیویوں اوراولاد میں سے بھی جو نیکوکار رہوں گے،ان کے پاس فرشتے ہر ہر دروازے سے آئیں گے،کہیں گے کہ تم پرسلامتی ہو صبر کے بدلے،کیا ہی اچھا[بدلہ]ہے اس دارِ آخرت کا) (۲)

❁❁❁

(۱)الرعد[۲۲۔۲۳۔۲۴]

(۲)''ملائکہ کے انسان کے ساتھ تعلق'' کے بارے میں مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو:اغاثۃ اللھفان من مصائد الشیطان،از:ابن القیم،جلد:۲،صفحہ:۱۲۵۔۱۲۶۔

ملائکہ کے چند اوصاف وخصوصیات :

ملائکہ کے چند اوصاف اور خصوصیات ہیں جن کی بناء پر وہ انسانوں اور جنوں سے مختلف وممتاز ہیں، اس بارے میں تفصیل درجِ ذیل ہے:

☆...... ملائکہ نورانی مخلوق ہیں، یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں نور سے پیدا فرمایا ہے، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے: (وَخُلِقَتِ المَلَائِكَةُ مِنْ نُور) (۱) یعنی ملائکہ نور سے پیدا کئے گئے ہیں۔ (جبکہ انسان کو مٹی سے اور جنوں کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے)

☆...... ملائکہ کا حقیقی مسکن آسمانوں میں ہے، زمین پر وہ محض اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے مختلف احکام کی تعمیل اور تکوینی امور سے متعلق اپنے فرائض کی انجام دہی کیلئے آتے ہیں۔

☆...... ملائکہ تمام مادی ضروریات سے بالاتر ہیں، لہٰذا وہ نہ کچھ کھاتے پیتے ہیں، نہ سوتے ہیں، نہ وہ شادی کرتے ہیں اور نہ ہی ان کی اولاد ہوتی ہے۔

☆...... ملائکہ تمام حیوانی ضروریات وشہوات سے پاک وصاف ہیں۔

☆...... ملائکہ تذکیر وتأنیث (یعنی جنس کی تحدید) سے بالاتر ہیں۔ کفارِ مکہ ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ان کے اس لغو وباطل عقیدہ کی تردید ومخالفت کی گئی ہے۔ (۲)

---

(۱) مسلم [۲۹۹۶]

(۲) ان آیات کی تفسیر ملاحظہ ہو: ﴿أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الأُنثَى ......﴾ (النجم: ۲۱)
﴿اِنَّ الَّذِينَ لَايُؤمِنُونَ بِالآخِرَةِ لَيُسَمُّونَ المَلَائِكَةَ تَسمِيَةَ الأُنثىٰ......﴾ (النجم: ۲۷)
﴿أم لَهُ البَنَاتُ وَلَكُمُ البَنُونَ﴾ (الطور: ۳۹) ﴿وَيَجعَلُونَ لِلّٰهِ البَنَاتِ سُبحَانَهُ وَ لَهُم

☆......ملائکہ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے حسبِ خواہش وضرورت مختلف قسم کی شکلیں اپنانے کی قدرت عطاء کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ملائکہ انسانی شکل میں معزز مہمانوں کے روپ میں آئے (۱) حضرت مریم کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں آئے (۲) حضرت لوط علیہ السلام کے پاس ملائکہ خوش شکل نوجوانوں کے روپ میں میں آئے (۳) رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام اکثر حضرت دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آیا کرتے تھے (۴) ''حدیثِ جبریل'' کے نام سے مشہور و معروف حدیث میں حضرت جبریل علیہ السلام کے بارے میں یہ تذکرہ

باقی از حاشیہ صفحہ گذشتہ:

مَایَشتَهونَ......﴾ (النَّحل:٥٧) ﴿فَاستَفتِهِمْ أَلِرَبِّكَ البَنَاتُ وَلَهُمُ البَنُونَ......﴾ (الصّافّات:١٤٩)﴿وَجَعَلُوا المَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُم عِبَادُ الرَّحمٰنِ اِنَاثاً......﴾ (الزخرف:١٩)

☆......☆......☆

(۱)﴿هَل أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيفِ اِبرَاهِيمَ المُكرَمِينَ......﴾ (الذّاريات:٢٤)

(۲)﴿......فَأَرسَلنَا اِلَيهَا رُوحَنَافَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَراً سَوِيّاً......﴾ (مريم:١٧)

(۳) درجِ ذیل آیات کی تفسیر ملاحظہ ہو:

﴿وَلَمَّاجَاءت رُسُلُنَا لُوطاً سِيٓئَ بِهِم وَضَاقَ بِهِم ذَرعاً وَقَال هٰذَايَومٌ عَصِيب......﴾ (هود:٧٧)

﴿وَلَمَّاأَن جَاءت رُسُلُنَا لُوطاً سِيئَ بِهِم وَضَاقَ بِهِم ذَرعاً وَقَالُوا لَاتَخَف وَلَاتَحزَن......﴾ (العنكبوت:٣٣)

﴿وَجَاءَ أَهلُ المَدِينَةِ يَستَبشِرُونَ......﴾ (الحجر:٦٧)

(۴)(عُرِض عَلَيَّ الأنبِيَاءُ.....) الى قولهِ ﷺ (رأيتُ جِبرِيلَ، فَاِذا أقرَبُ مَن رَأيتُ بِهِ شبهاً دِحيَة)[مسلم:١٦٧] كتاب الايمان، باب الاسراء برسول اللّه ﷺ ۔

ہے کہ وہ ایسے انسان کی شکل میں وارد ہوئے جس کا لباس انتہائی سفید اور صاف ستھرا تھا، بال خوب سیاہ تھے......(۱)

☆......ملائکہ ہمیشہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری اور احکامِ الٰہی کی تعمیل میں مشغول رہتے ہیں اور کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاأَمَرَهُم وَيَفْعَلُوْنَ مَايُؤمَرُونَ﴾ (۲) ترجمہ: (انہیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے، بلکہ جو حکم دیا جائے بجالاتے ہیں)

☆......ملائکہ کسی تھکاوٹ یا سستی وغفلت کے بغیر مسلسل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت اور تسبیح میں مشغول رہتے ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ عِنْدَهُ لَايَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَايَسْتَحْسِرُونَ يُسَبِّحُونَ اللَّيلَ وَالنَّهَارَ لَايَفْتُرُونَ﴾ (۳) ترجمہ: (اور جو [فرشتے] اس [اللہ] کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے نہ سرکشی کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں، وہ دن رات تسبیح بیان کرتے ہیں اور ذرا بھی سستی نہیں کرتے)

نیز ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ عِندَرَبِّكَ لَايَستَكبِرُونَ عَن عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسجُدُونَ﴾ (۴) ترجمہ: (یقیناً جو تیرے رب کے نزدیک ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿فَإِنِ اسْتَكْبَرُواْ فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيلِ وَالنَّهَارِ وَهُم لَايَسأَمُونَ﴾ (۵) ترجمہ: (پھر بھی اگر یہ کبر وغرور کریں تو [فرشتے] جو

(۱)(...اذ طلع علينا رجل شديدبياض الثّياب، شديد سواد الشّعر، لايُرىٰ عليه أثر السّفر، و لا يعرفه منّا أحد...) [بخاري:٥٠] [مسلم:٨]۔

(۲)التحریم[۶] (۳)الأنبياء[۱۹-۲۰] (۴)الاعراف[۲۰۶] (۵) حم السجدة[۳۸]

آپ کے رب کے نزدیک ہیں وہ تو رات دن اس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں اور کسی وقت بھی نہیں اکتاتے)

نیز ارشاد ہے:﴿وَتَرَىٰ الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَولِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِم﴾ (۱) ترجمہ: (اور تو فرشتوں کو اللہ کے عرش کے اردگرد حلقہ باندھے ہوئے اپنے رب کی حمد و تسبیح کرتے ہوئے دیکھے گا)

☆......ملائکہ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انتہائی طاقتور مخلوق بنایا ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہے:﴿عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ (۲) ترجمہ: (اسے پوری طاقت والے [فرشتے] نے سکھایا ہے)

نیز ارشاد ہے:﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوٓا أَنفُسَكُم وَأَهلِيكُم نَاراً وَّقُودُهَا النَّاسُ وَالحِجَارَةُ عَلَيهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ......﴾ (۳)

ترجمہ: (اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر، جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں......)

نیز رسول اللہ ﷺ نے ایک بار جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں (۴)

☆......ملائکہ انتہائی حیادار مخلوق ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے واضح ہے جس میں آپؐ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ: (أَلَا أَستَحِي مَن رَجُلٍ تَستَحِي مِنهُ المَلَائِكَة) (۵) ترجمہ: (میں اس شخص سے کیوں نہ شرماؤں جس

(۱) الزمر [۷۵]

(۲) النجم [۵] (۳) التحریم [٦]

(۴) بخاری [۴۸۵٦] نیز: مسلم [۱۷۴] عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

(۵) مسلم [۲۴۰۱] کتاب فضائل الصحابة، باب: من فضائل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔

سے فرشتے بھی شرماتے ہیں)

☆……ملائکہ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انتہائی حسین وجمیل مخلوق بنایا ہے، جیسا کہ سورۃ یوسف میں مذکور اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ جس میں حضرت یوسف علیہ السلام پر نظر پڑتے ہی عورتوں کا انتہائی بدحواسی و بے خودی کے عالم میں اپنے ہاتھ کاٹ لینے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو کسی فرشتے سے تشبیہ دینے کا تذکرہ ہے (۱) اور پھر قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اس بات کی تردید کی بجائے اسے بطور ''تثبیت وتقریر'' بیان کیا گیا ہے، یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال سے متأثر ومبہوت ہوکر عورتوں کا انہیں فرشتے سے تشبیہ دینا گویا بالکل درست تھا، اور اس سلسلہ میں وہ مکمل حق بجانب تھیں (یعنی فرشتے واقعی انتہائی حسین وجمیل ہی ہوا کرتے ہیں)۔

(۱) اس آیت کی تفسیر ملاحظہ ہو: ﴿فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ……إِنْ هٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ﴾ (یوسف: ۳۱)

ملائکہ پر ایمان کے فوائد و ثمرات:

☆...... ملائکہ پر یقین و ایمان درحقیقت نبوت و رسالت کی ''سند'' کی مضبوطی و استحکام پر یقین و ایمان میں اضافہ و تقویت کا باعث ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی جانب سے حضرات انبیاء و رسل علیہم الصلاۃ والسلام کی طرف تبلیغِ وحی کا فریضہ یہ ملائکہ ہی انجام دیتے ہیں، جبکہ یہ ملائکہ انتہائی امانت و دیانت سے متصف اور ہر قسم کی خیانت' ملاوٹ' یا کمی بیشی کے ارتکاب سے مکمل پاک و صاف اور مبرا و منزہ ہیں، بلکہ خود اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم میں حضرت جبریل علیہ السلام کو ''امین'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔(۱)

☆......اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کس طرح اپنی قدرتِ کاملہ سے ملائکہ جیسی عظیم الشان مخلوق کو پیدا فرمایا اور پھر انہیں مختلف قسم کی ذمہ داریاں سونپ دیں، اس بارے میں غور و فکر' یا بالفاظِ دیگر ''ملائکہ پر یقین و ایمان'' درحقیقت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عظمت' قدرت' اور حکمت پر یقین و ایمان میں اضافہ و تقویت کا باعث ہے۔

☆...... ملائکہ پر یقین و ایمان کی وجہ سے اہلِ ایمان کو سکون و اطمینان اور تسلی کا احساس ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مختلف قسم کی آفات و شرور سے اہلِ ایمان کی حفاظت کیلئے مختلف فرشتے مقرر فرما رکھے ہیں، اور پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے اس لطف و احسان کی وجہ سے اہلِ ایمان کے دل اپنے خالق و مالک کیلئے جذبۂ تشکر و امتنان سے لبریز ہو جاتے ہیں۔

☆......ملائکہ پر یقین و ایمان کی وجہ سے اہلِ ایمان کے ذہنوں میں ہمیشہ یہ احساس

(۱) ان آیات کی تفسیر ملاحظہ ہو: ﴿إِنَّهُ لَقَولُ رَسُولٍ كَرِيمٍ...... مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ﴾ (التکویر:۱۹۔۲۱)

جاگزیں رہتا ہے کہ ان کے اقوال وافعال کومحفوظ کرنے کی غرض سے ان کے ساتھ ہمیشہ ملائکہ موجود ہیں، لہٰذا کسی برائی کا ارتکاب کرتے ہوئے انہیں شرم محسوس ہوتی ہے۔ نیز ملائکہ کے قرب کے احساس کی وجہ سے انہیں اس بات کی فکر رہتی ہے کہ وہ اس انتہائی مکرم ومحترم اور معزز ترین مخلوق کے ساتھ ادب واحترام کا رویہ اپنائیں، اور ہر ایسی بات یا ایسے عمل سے اجتناب کریں جو ان فرشتوں کیلئے ایذاء وتکلیف کا باعث ہو۔

☆...... ملائکہ پر یقین وایمان نیز ان کی طرف سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہمیشہ عبادت واطاعت اور تسبیح وتحمید کی وجہ سے اہلِ ایمان کے دلوں میں بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت واطاعت کا اہتمام نیز معصیت سے بچنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

☆......ملائکہ چونکہ اہلِ ایمان کیلئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں دعاء واستغفار میں مشغول رہتے ہیں اس لئے اہلِ ایمان کی ہمیشہ یہ خواہش وکوشش رہتی ہے کہ وہ اعمالِ صالحہ اورصفاتِ حمیدہ کو اپنائیں، نیز معاصی ومنکرات سے مکمل اجتناب اور کنارہ کشی اختیار کریں تاکہ اس طرح وہ خود کو اس قابل بناسکیں کہ ان کے حق میں ملائکہ کی دعاء قبول ہوسکے اور انہیں دونوں جہانوں میں اس کے ثمرات وبرکات نصیب ہوسکیں۔

☆......مساجد نیز علمی حلقات ومجالسِ ذکر میں ملائکہ کی حاضری وموجودگی کے بارے میں یقین وایمان کی وجہ سے اہلِ ایمان مساجد نیز علمی حلقات اور مجالسِ ذکر میں حاضری کی خوب پابندی اور اہتمام کرتے ہیں، تاکہ اس طرح انہیں ملائکہ جیسی مقرب ومعزز ترین مخلوق کی صحبت وہمنشینی کا شرف حاصل ہوسکے۔

❁❁❁

تیسرا رکن:

''کتابوں پر ایمان''

رکن (۳)

کتابوں پرایمان :

☆ کتابوں سے مراد:

یہاں دین کی اصطلاح میں کتابوں سے مراد ''آسمانی کتابیں'' یا ''کُتبِ الٰہیہ'' ہیں، یعنی وہ کتابیں جواللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلام پر مشتمل ہیں، خواہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے وہ کلام فرشتے کے ذریعہ وحی کی شکل میں کسی رسول کی طرف نازل کیا گیا اور بعد میں اس کلام کوکتابی وتحریری شکل میں محفوظ کرلیا گیاہو، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشادہے: ﴿......أويُرسِلَ رَسُولاً فَيُوحِيَ بِاِذنَہٖ مَايَشَاء﴾ (۱) ترجمہ: (......یا کسی فرشتہ کوبھیجے اوروہ اللہ کے حکم سے جووہ چاہے وحی کرے)

یاوہ کلام خوداللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کی طرف سے تحریری وکتابی شکل میں نازل ہواہو، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف تورات تحریری شکل میں نازل کی گئی، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشادہے: ﴿وَكَتَبنَا لَهُ فِي الألواحِ مَن كُلِّ شيءٍ مَّوعِظَةً وَّتَفصِيلاً لِّكُلِّ شَيءٍ﴾ (۲) ترجمہ: (اورہم نے چند تختیوں پر ہرقسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل ان کولکھ کردی) (یعنی موسیٰ علیہ السلام کو)

لہٰذا یہاں دین کی اصطلاح میں ''کتابوں'' سے مراد وہ کتابیں ہیں جواللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے مختلف انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کی طرف مختلف اوقات میں انسانوں کی ہدایت، صلاح وفلاح اورسعادتِ دارین کی غرض سے نازل کی گئیں۔

(۱) شوریٰ [۵۱] (۲) الأعراف [۱۴۵]

''کتابوں پر ایمان'' کی اہمیت:

کتابوں پر ایمان ان بنیادی عقائد میں سے ہے کہ جن پر صدقِ دل سے مکمل اور پختہ یقین واعتقاد ضروری ولازمی ہے،اوراسی وجہ سے ان عقائد کو''ارکانِ ایمان'' کہا جاتا ہے،یعنی کتابوں پر ایمان کی اہمیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ یہ چیز ارکانِ ایمان میں سے ہے۔چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿وَلٰـكِـنَّ الْبِـرَّ مَـنْ آمَـنَ بِـاللّٰـهِ وَالْيَوْمِ الآخِـرِوَالْـمَلَائِـكَةِ وَالْـكِتَابِ والنَّبِيّنَ﴾ (۱) ترجمہ:(درحقیقت اچھا شخص وہ ہے جواللہ پر،قیامت کے دن پر،فرشتوں پر،[اللہ کی] کتاب پر،اورنبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو) نیز ارشاد ہے:﴿وَ مَـنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ فَـقَــدْ ضَـلَّ ضَلَالًا بَـعِيْـداً﴾ (۲) ترجمہ:(اور جو شخص اللہ سے اوراس کے فرشتوں اوراس کی کتابوں اوراس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(اَلْاِيْـمَـانُ اَنْ تُـؤمِـنَ بِـاللّٰـهِ وَمَلَائِكَتِـهٖ وَ كُتُبِـهٖ وَ رُسُـلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ وَ تُؤمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالَىٰ) (۳) ترجمہ:(ایمان یہ ہے کہ تم ایمان قبول کرو اللہ پر،اس کے فرشتوں پر،اس کی کتابوں پر،اس کے رسولوں پر،قیامت کے دن پراوراس بات پر کہ اچھی اور بُری تقدیر اللہ ہی کی طرف سے ہے)(۴)

(۱)البقرہ[۱۷۷] (۲)النساء[۱۳۶]

(۳)بخاری[۵۰]عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔مسلم[۸]عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

(۴)یعنی مذکورہ باتوں کو درست اور برحق سمجھا جائے اور خلوصِ دل کے ساتھ ان کی مکمل اور قطعی تصدیق کی جائے،

مذکورہ نصوص سے یہ بات واضح وثابت ہوگئی کہ ''کتابوں پر ایمان'' دین کے ان بنیادی عقائد میں سے ہے جنہیں ''ارکان ایمان'' کہا جاتا ہے، اور جن پر مکمل یقین وایمان کے بغیر انسان کی کوئی عبادت عنداللہ قابلِ قبول نہیں ہوسکتی، اور نہ ہی اسے آخرت میں نجات وفلاح نصیب ہوسکتی ہے۔

آسمانی کتابیں:

(۱) تورات: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف نازل کی گئی، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿إِنَّا أنزَلنَا التَّوراَةَ فِيهَا هُدىً وَّنُور﴾ (۱) ترجمہ: (ہم نے ہی تورات نازل فرمائی ہے جس میں ہدایت اور نور ہے)

نیز ارشاد ہے: ﴿قُل مَن أنزَلَ الكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ نُوراً وَّهُدىً لِّلنَّاسِ﴾ (۲) ترجمہ: (آپ یہ کہئے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ لائے تھے، جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ نور ہے اور لوگوں کیلئے وہ ہدایت ہے)

(۲) زبور: حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف نازل کی گئی، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَآتَينَا دَاوُدَ زبُوراً﴾ (۳) ترجمہ: (اور ہم نے داؤد [علیہ السلام] کو زبور عطاء فرمائی)

(۳) انجیل: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف نازل کی گئی، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَقَفَّينَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَىٰ بنِ مَريَمَ مُصَدِّقاً لِّمَابَينَ يَدَيهِ مِنَ التَّورَاةِ وَآتَينَاهُ الاِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَّنُورٌ وَّمُصَدِّقاً لِّمَا بَينَ يَدَيهِ مِنَ

(۱) المائدۃ [۴۴] (۲) الأنعام [۹۱] (۳) النساء [۱۶۳]

التَّوراةِ وَهُدىً وَّ موعِظَةً لِّلمُتَّقِينَ﴾ (۱) ترجمہ: (اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرنے والے تھے، اور ہم نے انہیں انجیل عطاء فرمائی جس میں نور اور ہدایت تھی، اور وہ اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرتی تھی اور وہ سراسر ہدایت ونصیحت تھی پارسا لوگوں کیلئے)

(۴) قرآن کریم: جوکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے خاتم الأنبیاء والمرسلین حضرت محمد ﷺ کی طرف نازل کی گئی۔

☆......مذکورہ کتابوں کے علاوہ مختلف انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کی طرف مختلف صحیفے بھی نازل کئے گئے، مثلاً: حضرت ابراہیم علیہ السلام نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف نازل شدہ صحیفے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّ هذَا لَفِي الصُّحُفِ الأُولَىٰ صُحُفِ اِبرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ﴾ (۲) ترجمہ: (یقیناً یہ باتیں پہلی کتابوں میں بھی ہیں [یعنی] ابراہیم اور موسیٰ کی کتابوں میں)

کتابوں پر ایمان کا مفہوم:

☆......اس بات پر پختہ یقین وایمان رکھنا کہ تمام آسمانی کتابیں واقعی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف نازل شدہ ہیں اور اللہ ہی کا کلام ہیں (۳)

☆......تمام آسمانی کتابوں پر ایمان اور ان سب کی تصدیق ضروری ہے، ان میں سے کسی ایک کا انکار ان سب کے انکار کے مترادف ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

(۱) المائدۃ [۴۶] (۲) الأعلیٰ [۱۸-۱۹]

(۳) یعنی یہ تمام کتابیں درحقیقت کلام اللہ ہی پر مشتمل تھیں البتہ یہ اور بات ہے کہ قرآن کریم کے سوا باقی تمام آسمانی کتابیں مرورِ زمانہ کے ساتھ تحریف وتبدیل اور قطع وبرید کا شکار ہوگئیں۔

﴿وَالَّذِينَ يُؤمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ اِلَيكَ وَمَا اُنزِلَ مِن قَبلِكَ﴾ (۱) ترجمہ: (اور جولوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جوآپ کی طرف اتارا گیااور جوآپ سے پہلے اتارا گیا)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿قُولُوا آمَنَّابِاللّٰهِ وَمَا اُنزِلَ اِلَينَا وَمَا اُنزِلَ اِلَىٰ اِبرَاهِيمَ وَاِسمٰعِيلَ وَاِسحَاقَ وَيَعقُوبَ وَالأسبَاطِ وَمَا اُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا اُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِم لَانُفَرِّقُ بَينَ اَحَدٍ مِّنهُم وَنَحنُ لَهٗ مُسلِمُونَ﴾ (۲) ترجمہ: (تم سب کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو چیز ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب' [علیہم السلام] اور ان کی اولاد پر اتاری گئی ، اور جو کچھ اللہ کی جانب سے موسیٰ اور عیسیٰ [علیہما السلام] اور دوسرے انبیاء [علیہم السلام] دیئے گئے ، ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے ، اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں)

☆......اس بات پر یقین وایمان رکھنا کہ چونکہ ان تمام کتابوں کا مصدر ومنبع ایک ہی تھا' لہٰذا یہ سب باہم ایک دوسرے کی تصدیق پر مشتمل تھیں اور ان کے مضامین میں باہم کسی قسم کا کوئی تضاد یا اختلاف نہیں تھا۔

☆......اس بات پر یقین رکھنا کہ تمام آسمانی کتابیں ’’اصولِ ایمان‘‘ یعنی دین کے بنیادی اصول وعقائد کی طرف دعوت پر مشتمل تھیں ، یا بالفاظِ دیگر ان تمام کتابوں میں دین کی تمام بنیادی باتیں مشترک تھیں ، مثلاً: توحید' نبوت ورسالت' آخرت' حیات بعد الممات' حساب وکتاب' جزاوسزا' جنت ودوزخ پر یقین وایمان۔

البتہ فروعی باتیں اور شریعت کے دیگر تفصیلی احکام وقوانین ہر دور کے وقتی تقاضوں اور

(۱) البقرۃ[۴] (۲) البقرۃ[۱۳۶]

اور مصلحتوں کے مطابق جدا جدا تھے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿لِكُلٍّ جَعَلنَا مِنكُم شِرعَةً وَّ مِنهَاجاً﴾ (۱) ترجمہ:(تم میں سے ہر ایک کیلئے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کردی ہے)

☆......تمام آسمانی کتابیں محاسنِ اخلاق کی طرف دعوت اور تمام رذائل سے اجتناب کی تاکید و تلقین پر مشتمل تھیں۔

☆......اس بات پر یقین و ایمان رکھنا کہ ہر امت کیلئے اس کی طرف نازل شدہ کتابِ الٰہی کی حقانیت وصداقت پر مکمل یقین و ایمان نیز اس کتاب میں موجود احکام وتعلیماتِ الٰہیہ کی مکمل تعمیل ضروری و لازمی تھی، جیسا کہ قرآن کریم میں تورات کے تذکرہ کے بعد ارشاد ہے ﴿وَمَن لَّم يَحكُم بِمَا أنزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الكَافِرُونَ﴾ (۲) ترجمہ:(اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ [پورے اور پختہ] کافر ہیں)

نیز انجیل کے تذکرہ کے بعد ارشاد ہے:﴿وَمَن لَّم يَحكُم بِمَا أنزلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُم الفَاسِقُونَ﴾ (۳) ترجمہ:(اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ [بدکار] فاسق ہیں)

نیز قرآن کریم کے تذکرہ کے بعد ارشاد ہے:﴿فَاحكُم بَينَهُم بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ﴾ (۴) ترجمہ:(پس آپ ان کے آپس کے معاملات میں اسی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے مطابق حکم [فیصلہ] کیجئے)

☆......اس بات پر یقین و ایمان رکھنا کہ قرآن کریم تمام سابقہ کتب کیلئے ناسخ ہے، اس

(۱) المائدة[۴۸] (۲) المائدة[۴۴] (۳) المائدة[۴۷] (۴) المائدة[۴۸]

کے نزول کے بعداب ہر انسان کیلئے صرف اسی کی تعلیمات واحکام کی تعمیل اور پیروی ضروری ولازمی ہے۔

ارشادِربانی ہے:﴿فَاحكُم بَينَهُم بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ﴾(۱) ترجمہ:(پس آپ ان کے آپس کے معاملات میں اسی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے مطابق حکم[فیصلہ] کیجئے)

☆......اس بات پر یقین وایمان رکھنا کہ قرآن کریم آخری آسمانی کتاب ہے، اس کے بعد قیامت تک اب کوئی اور کتاب نازل نہیں ہوگی، اسی لئے گذشتہ تمام کتابوں میں موجود تمام تعلیماتِ الٰہیہ کا خلاصہ اور نچوڑ نیز گذشتہ تمام آسمانی کتابوں کی تمام خوبیاں اس قرآن میں موجود اور یکجا ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿اَليَومَ أكمَلتُ لَكُم دِينَكُم وَ أتمَمتُ عَلَيكُم نِعمَتِي وَرَضِيتُ لَكُم الِاسلَامَ دِيناً﴾ (۲) ترجمہ:(آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کردیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کردیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہوگیا)

(۱)المائدۃ[۴۸] (۲)المائدۃ[۶]

قرآنِ کریم کے امتیازی اوصاف:

(۱) آخری آسمانی کتاب:

قرآن کریم آخری آسمانی کتاب ہے، اس کے بعد قیامت تک اب کوئی اور کتاب نازل نہیں ہوگی۔

(۲) تمام سابقہ کتب کیلئے ناسخ:

قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ (۱)
ترجمہ (آپ ان [لوگوں] کے درمیان فیصلہ کیجئے اس [قرآن] کے مطابق جو اللہ کا نازل کردہ ہے)

اس آیت سے یہ بات بخوبی واضح ہے کہ قرآن کریم تمام سابقہ آسمانی کتابوں کیلئے ناسخ ہے، کیونکہ قرآن کریم کے نزول کے بعد اب ہر انسان کیلئے صرف اس (قرآن کریم) میں موجود تعلیمات وہدایات اور شرعی احکام ہی کی تعمیل اور پابندی ضروری ولازمی ہے۔

(۳) محفوظ کتاب:

قرآن کریم کسی مخصوص قوم کی طرف نازل شدہ کتاب نہیں ہے، لہٰذا اس کا پیغام اور اس کی تعلیمات زمان ومکان یا رنگ ونسل کی حدود وقیود سے بالاتر ہیں، اس میں تمام بنی نوعِ انسان کیلئے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رشد وہدایت کا سامان مہیا کیا گیا ہے، اسی لئے تمام آسمانی کتابوں میں سے یہ واحد کتاب ہے جس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے لیا ہے۔ چنانچہ ارشاد

(۱) المائدہ [۴۸]، اس آیت کے فوراً بعد آیت نمبر: ۴۹ میں بھی یہی مضمون ہے۔

ہے: ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوۡنَ﴾ (۱) ترجمہ:(یقیناً ہم نے ہی یہ نصیحت [قرآن] نازل کی ہے اور بیشک ہم ہی اس کے محافظ ہیں) لہٰذا چودہ سو سال سے زائد عرصہ گذر جانے کے باوجود قرآن کریم کا ایک ایک حرف آج بھی بعینہٖ اسی حالت میں موجود و محفوظ ہے کہ جس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم سے جبریل امین نے رسول اللہ ﷺ کو سکھایا اور پڑھایا تھا، اور پھر جس طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو سکھایا اور پڑھایا، اور اللہ کے حکم سے یہ قرآن آئندہ بھی اسی طرح اپنی اصلی شکل میں موجود و محفوظ رہیگا، جبکہ اس کے برعکس باقی تمام آسمانی کتابیں زمانے کے ہاتھوں تحریف و تغییر اور قطع و برید کا شکار ہو گئیں۔

<u>(۴) جامع کتاب:</u>

گذشتہ تمام آسمانی کتابوں میں سے کوئی کتاب محض دعاؤں اور مناجات کا مجموعہ تھی، کوئی کتاب محض فقہی مسائل اور حلال وحرام کے احکام پر مشتمل تھی، کسی میں محض وعظ ونصیحت کی باتیں تھیں، جبکہ قرآن کریم جامع کتاب ہے، لہٰذا اس میں تمام بنی نوعِ انسان کیلئے ہر معاملہ میں ہمیشہ کیلئے رہنمائی کا سامان موجود ہے، خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، اخلاقیات سے ہو یا سیاسیات سے، چنانچہ قرآن کریم میں توحید' رسالت' آخرت' جزا وسزا و دیگر بنیادی عقائد کا بیان بھی ہے۔ نماز' زکوٰۃ' روزہ' حج' و دیگر عبادات کا تذکرہ بھی ہے۔ والدین' رشتے داروں' اور پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید بھی ہے۔ یتامیٰ، مساکین وفقراء کے حقوق کی یاددہانی بھی ہے۔ خرید وفروخت کے احکام بھی ہیں۔ نکاح وطلاق کے مسائل بھی ہیں۔ گذشتہ اقوام کے واقعات نیز ان کا برا

(۱) الحجر: [۹]

انجام ذکر کر کے نصیحت حاصل کرنے کی تاکید بھی ہے۔زمین وآسمان میں چہار سو پھیلی ہوئی اللہ کی قدرت کی رنگارنگ نشانیوں میں غوروفکر کی دعوت نیز ان مناظرِ قدرت سے سبق حاصل کرنے کی تلقین بھی ہے۔انسان کو جابجا خود اپنی حقیقت' اپنی ابتداء اور اپنی انتہاء کے بارے میں یاددہانی کراتے ہوئے اسے خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کی دعوت بھی دی گئی ہے۔ بار بار قیامت کی ہولناکیوں کی منظرکشی کی گئی ہے اور اس کے بعد اسے یاد دلا گیا ہے کہ ایک دن ایسا بھی آئیگا جب وہ اپنے ماں باپ' اپنی اولاد' اپنے بھائی بہن' اپنے عزیز واحباب' سب ہی سے غافل اور لاتعلق ہو جائیگا، اسے کسی کا ہوش نہ رہیگا، اور تب وہ انتہائی بدحواسی اور حیرت و پریشانی کے عالم میں بے اختیار پکار اٹھیگا کہ: ﴿أيـنَ المَفَرّ﴾ (۱) ''کہاں ہے آج راہِ فرار......؟'' اور پھر اچھے اعمال والوں کیلئے ہمیشہ کی کامیابی اور دل پسند زندگی ہوگی، خواہ وہ اس دنیا میں امیر ہوں یا فقیر' کالے ہوں یا گورے' عمدہ اور نفیس لباس پہنتے ہوں یا پھٹے پرانے اور پیوند لگے کپڑے......، جبکہ برے اعمال والوں کیلئے حسرت و بربادی ہوگی۔

(۴) مُعجِز کتاب:

تمام آسمانی کتابوں میں سے قرآن کریم واحد کتاب ہے جس میں صفتِ ''اعجاز'' پائی جاتی ہے، یعنی اس کتاب میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے تمام جن وانس کو یہ چیلنج کیا گیا ہے کہ وہ اس قرآن جیسا کلام لاکر دکھائیں، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿قُـلْ لَـئِـنِ اجْـتَـمَـعَتِ الاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلىٰ أنْ يَّأتُوا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْكَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْراً﴾ (۲) ترجمہ: ([اے نبیؐ] آپ کہہ دیجئے کہ اگر

(۱) ﴿يَقُولُ الاِنسَانُ يَومَئِذٍ أينَ المَفَرّ﴾ القیامہ [۱۰]

(۲) بنی اسرائیل / اسراء [۸۸]

تمام انسان اور کُل جنات مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کے مثل لانا ناممکن ہے خواہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں)

اس آیت سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ یہ قرآن کریم اللہ کی طرف سے تمام انسانوں اور جنوں کیلئے چیلنج ہے، اور یہ چیلنج تا قیامت قائم اور برقرار ہے۔

☆...... یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اگرچہ یہ چیلنج اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے تمام جن وانس کیلئے عام ہے، لیکن خاص طور پر یہ چیلنج ان لوگوں کیلئے ہے جو نزولِ قرآن کے وقت موجود تھے، جنہیں قرآن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے براہِ راست خطاب کیا گیا ہے، یعنی کفار ومشرکینِ مکہ۔

☆...... یہاں یہ اصول بھی ذہن میں رہے کہ جوہری کی قابلیت کو صرف جوہری ہی پرکھ سکتا ہے، اور یہی اصول چیلنج کے معاملہ میں بھی قائم رہنا چاہئے، یعنی جوہری کو جوہری ہی چیلنج کرسکتا ہے، اسی طرح مثلاً کسی مکینک کو اس جیسا مکینک ہی چیلنج کرسکتا ہے، اور اگر فرض کیجئے کہ کوئی مکینک کسی جوہری کو چیلنج کرنے لگے...... یا اسی طرح ڈاکٹر انجینئر کو، پائلٹ مستری کو، باورچی بڑھئی کو، حجام دھوبی کو، سائنس دان شاعر کو چیلنج کرنے لگے...... یا اسلامیات کا مدرس ریاضی کے مدرس کو، اور انگریزی کا مدرس فارسی کے مدرس کو چیلنج کرنے لگے تو اس چیلنج کا کیا فائدہ......؟ یہ بھی کوئی چیلنج ہوا......؟ اسے چیلنج نہیں بلکہ حماقت اور مسخرہ پن کہا جائیگا...... ہاں چیلنج تو یہ ہے کہ ڈاکٹر اپنے ہی جیسے کسی لائق وفائق ڈاکٹر کو اور انجینئر اپنے ہی جیسے کسی قابل انجینئر کو چیلنج کرے کہ جو اسی کی طرح اس فن پر مکمل عبور رکھتا ہو اور فن کی باریکیوں اور اس کے اسرار ورموز سے خوب واقف ہو۔

☆...... لہٰذا جب بھی اللہ کے حکم سے کسی بھی نبی یا رسول نے اپنی قوم کو کسی معجزہ کے ذریعے

کوئی چیلنج کیا تو اس میں بھی یہی قانون کارفرما رہا کہ ہمیشہ ہر معجزے یا چیلنج کا تعلق اسی فن سے تھا کہ جس فن میں وہ لوگ خوب اعلیٰ ترین مہارت وقابلیت کے مالک تھے، وہ فن ان کیلئے کوئی نئی یا اجنبی چیز نہیں تھی، بلکہ وہ اس فن سے خوب واقف اور شناسا تھے، اور انہیں اس میں مکمل دسترس حاصل تھی۔

☆...... چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں چونکہ جادوگری کا بہت چرچا تھا، لہٰذا انہیں ایسا معجزہ عطاء کیا گیا جس کے سامنے بڑے بڑے پہنچے ہوئے اور نامی گرامی جادوگر عاجز آ گئے اور فوراً ہی ان پر یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جو چیز ہے یہ جادو نہیں بلکہ کچھ اور ہے...... اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں طب کو بڑا عروج حاصل تھا، بڑے بڑے ماہرینِ فن اس میدان میں موجود تھے، البتہ چند امراض اس دور میں ایسے تھے کہ یہ ماہرینِ فن اطباء اپنی تمام تر صلاحیتوں اور قابلیتوں کے باوجود ان امراض کے سامنے بے بس اور ان کے علاج سے عاجز وقاصر تھے، جبکہ اللہ کے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب انہی لاعلاج امراض کا علاج کر دیا اور ان امراض میں مبتلا مریض شفایاب ہوگئے تو وہ اطباء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقانیت وصداقت کے فوراً معترف ہوگئے۔

☆...... بعینہٖ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے دور میں سرزمینِ عرب میں فصاحت وبلاغت' شعر وادب' خطابت ومناظرہ بازی کا بہت زیادہ رواج تھا، فصاحت وبلاغت اپنے انتہائی عروج پر تھی، عرب معاشرے کا ہر مرد وزن بلکہ بچہ بچہ جنون کی حد تک اس فن کا دلدادہ تھا، ہر کوئی خود کو اس میدان کا شہسوار اور اس افق کا روشن ستارہ تصور کرتا تھا، شعر وسخن کے بڑے بڑے میلے اور ادبی مقابلے منعقد ہوا کرتے تھے۔ ایسے معاشرے میں ایک اُمی شخص یعنی

رسول اللہ ﷺ نے فصاحت و بلاغت اور شعر و ادب کے میدان کے ان بڑے بڑے شہسواروں اور جیالوں کو بانگِ دہل للکارا کہ ''تم یہ جو دعویٰ کرتے ہو کہ یہ قرآن کلام الٰہی نہیں بلکہ یہ انسان کا کلام ہے......تو پھر تم خود تو دنیا بھر میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہو...... شعر و شاعری اور فصاحت و بلاغت تمہارا پسندیدہ ترین مشغلہ ہے......لاؤ اس جیسا کلام ......کیا رکاوٹ ہے......؟'' اور پھر اللہ کے حکم سے آپ ﷺ کی طرف سے یہ مطالبہ اور چیلنج بار بار دہرایا جاتا رہا، مگر وہ کفارِ مکہ اپنی تمامتر فصاحت و بلاغت کے باوجود' اسلام اور پیغمبرِ اسلام سے اپنی تمامتر مخاصمت اور نفرت و عداوت کے باوجود' اور اپنی تمامتر کوشش اور شدید ترین خواہش کے باوجود اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز و قاصر رہے، قرآن کے چیلنج کے سامنے بے بس' شرمندہ اور شکست خوردہ ہی رہے......!

یہی خلاصہ و مفہوم ہے اس بات کا کہ یہ قرآن مُعجز کتاب ہے۔ اور یہ اعجاز صرف قرآن کریم ہی کی خصوصیت ہے، کسی اور آسمانی کتاب کو یہ خصوصیت اور یہ شرف حاصل نہیں۔

آسمانی کتابوں پر ایمان کے فوائد و ثمرات:

☆......آسمانی کتابوں پر یقین و ایمان کی وجہ سے اہلِ ایمان یہ سوچتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ کس قدر احسانِ عظیم ہے کہ اس نے ان کی ہدایت کیلئے مختلف اوقات و ازمان میں متعدد کتابیں نازل فرمائیں، تاکہ انسان ان کتابوں کے ذریعے معرفت و بصیرت حاصل کرے، اور پھر اپنے رب کی عبادت اس بصیرت کے ساتھ انجام دے سکے،، اس طرح وہ کفر و شرک' معصیت و ضلالت اور جہالت کے اندھیروں میں بھٹکنے سے محفوظ رہے، اور دونوں جہانوں میں اسے صلاح و فلاح نصیب ہو سکے، اور یوں اہلِ

ایمان کے دل اپنے خالق و مالک کیلئے تشکر و امتنان کے جذبات سے لبریز ہوجاتے ہیں۔

☆......خصوصاً قرآن کریم پر یقین و ایمان کا ایک بہت ہی عظیم فائدہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت اور اس کے معانی و مطالب میں تدبر اور غور وفکر سے انسان کو دلی سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے اور اس کے شعور و وجدان پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوجاتی ہے، گویا وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنے خالق و مالک سے ہمکلام ہو۔

☆......انسان دراصل جسم اور روح دونوں چیزوں سے مرکب ہے، لہٰذا جس طرح اس کیلئے جسمانی غذا ضروری ہے بعینہٖ اسی طرح اسے روحانی غذا کی بھی اشد ضرورت ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ أَوحَينَا اِلَيكَ رُوحاً مِّن أَمرِنَا﴾ (۱)

ترجمہ: (اور [اے نبیؐ!] اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کو اتارا ہے)

اس آیت میں ''روح'' سے مراد قرآن کریم ہے، یعنی اس قرآن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے انسان کیلئے روحانی غذا کا سامان ہے، لہٰذا اہلِ ایمان اس قرآن کی تلاوت سے اپنے دلوں کو روشن اور منور کرتے ہیں۔(۲)

نیز قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَأَنزَلنَا اِلَيكَ الذِّكرَ﴾ (۳) ترجمہ: (اور [اے نبیؐ!] یہ ذکر ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے)

یعنی یہ قرآن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ذکر ہے، جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے ذکر کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿اَلَّذِينَ آمَنُوا وَتَطمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكرِ اللّٰهِ أَلَا بِذِكرِ اللّٰهِ تَطمَئِنُّ القُلُوبُ﴾ (۴) ترجمہ: (جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے

(۱) الشوریٰ [۵۲]

(۲) ﴿وَكَذٰلِكَ أَوحَينَا اِلَيكَ رُوحاً مِّن أَمرِنَا﴾ يعني : القرآن (ابن كثير، ج:٤، ص:١٣١)

(۳) النحل [۴۴] (۴) الرعد [۲۸]

اطمینان حاصل کرتے ہیں، یادرکھواللہ کے ذکر سے ہی دلوں کواطمینان نصیب ہوتا ہے)

اسی طرح قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾ (۱)

ترجمہ: (اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کیلئے شفاء ہے اور ہدایت ورحمت ہے ایمان والوں کیلئے)

☆...... لہٰذا قرآن کریم کی تلاوت انسان کیلئے دونوں جہانوں میں باعثِ خیروبرکت اور موجبِ اجروثواب ہے، نیز اس میں بیقرار روح کیلئے تسلی وقرار اور ٹوٹے ہوئے دل کیلئے سکون واطمینان کا سامان ہے۔

---

(۱) یونس [۵۷]

☆☆☆

چوتھا رکن:

''نبوت ورسالت''

پر ایمان

❋❋❋

رکن (۴)

نبوت ورسالت پرایمان :

☆''نبی'' کے لفظی معنیٰ:

''نبی'' (نیز: ''نبوت'') عربی کا لفظ ہے، جو کہ'' نَبَـأ '' سے مشتق ہے، جس کے لفظی معنیٰ ''خبر'' کے ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿عَـمَّ يَتَسَآءَلُونَ عَـنِ الـنَّبَـإِ الـعَـظِيم﴾ (۱) ترجمہ: (یہ لوگ کس چیز کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں، اس بڑی خبر کے متعلق)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿نَبِّئ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الغَفُورُ الرَّحِيمُ وَأَنَّ عَذَابِي هُو الـعَـذَابُ الأَلِيـمُ﴾ (۲) ترجمہ: (میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہوں، اور ساتھ ہی میرا عذاب بھی نہایت دردناک ہے)

نیز ارشاد ہے: ﴿فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهٖ قَالَت مَنْ أَنْبَأَكَ هذا قَالَ نَبَّأَنِيَ العَلِيمُ الـخَبِيـرُ﴾ (۳) ترجمہ: (پھر جب نبی نے اپنی اس بیوی کو یہ بات بتائی تو وہ کہنے لگی کہ اس کی خبر آپ کو کس نے دی؟ کہا: سب جاننے والے پوری خبر رکھنے والے [اللہ] نے مجھے اس کی خبر دی ہے)

☆''نبی'' کے اصطلاحی معنیٰ:

شریعت کی اصطلاح میں ''نبی'' سے مراد وہ شخصیت ہے جسے اللہ کی طرف سے مختلف شرعی

(۱) النبأ [۱-۲] (۲) الحجر [۴۹-۵۰] (۳) التحریم [۳]

احکام وتعلیمات کی خبر دی جاتی ہے تا کہ وہ یہ احکام وتعلیمات اللہ کے بندوں تک پہنچا دے۔

☆''رسول'' کے لفظی معنیٰ:

''رسول'' رسالت سے مشتق ہے، جس کے لفظی معنیٰ پیغام کے ہیں، لہٰذا ''رسول'' کے لفظی معنیٰ ہیں: پیغام پہنچانے والا، یا قاصد۔

☆''رسول'' کے اصطلاحی معنیٰ:

''رسول'' چونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے بندوں کیلئے شرعی احکام وہدایات پر مشتمل پیغام پہنچانے کا فریضہ انجام دیا کرتے ہیں لہٰذا انہیں ''رسول'' کہا جاتا ہے۔

☆''نبی'' اور ''رسول'' میں فرق:

یہاں یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ''نبی'' اور ''رسول'' میں وجوہِ اشتراک بھی ہیں اور وجوہِ مغایرت بھی، یعنی دونوں میں بعض باتیں مشترک ہیں، جبکہ بعض حیثیتوں سے دونوں میں فرق بھی ہے۔(۱)

☆وجوہِ اشتراک:

''نبی'' اور ''رسول'' میں وجوہِ اشتراک یہ ہیں:

(۱) جیسا کہ ﴿وَمَآ أَرسَلنَا مِن قَبلِكَ مِن رَّسُولٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنَّىٰ أَلقَى الشَّيطَانُ فِي أُمنِيَّتِهِ فَيَنسَخُ اللّٰهُ......﴾ (الحج: ۵۲) میں ''رسول'' اور ''نبی'' کے درمیان ''وَ'' ہے جو کہ مغایرت پر دلالت کرتی ہے، یعنی ''وَ'' کے بعد جو چیز مذکور ہے وہ ''وَ'' سے پہلے مذکور چیز سے جدا اور مختلف ہے، جیسے: ارض وسماء، شمس وقمر، لیل ونہار وغیرہ۔ لہٰذا اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ''رسول'' اور ''نبی'' میں مغایرت (فرق) ہے۔

(۱)بعثت وارسال:

یعنی''نبی''اور''رسول''دونوں ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے بندوں کی طرف مبعوث ومُرسل ہوا کرتے ہیں(۱)

(۲)وحی:

''نبی''اور''رسول''دونوں ہی کی طرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے وحی نازل کی جاتی ہے۔(۲)

☆وجوہِ مغایرت(فرق):

یعنی''نبی''اور''رسول''میں فرق درجِ ذیل ہے:

☆''نبی'':

''نبی''کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے کسی ایسی قوم کی طرف بھیجا جاتا ہے جس میں اس سے قبل کوئی''رسول''آچکا ہو،اوراس قوم نے اس رسول کی لائی ہوئی شریعت اوراحکام وتعلیمات کوقبول بھی کیا ہو،مگرمرورِزمانہ کے ساتھ وہ قوم ان تعلیمات وہدایات اورشرعی احکام سے غافل اورگمراہ ہوچکی ہو،ایسے میں اس قوم کی طرف کسی ہستی کومن جانب اللہ ''نبی''بناکر بھیجا جاتا ہے،تاکہ وہ صراطِ مستقیم سے بھٹکی ہوئی اس قوم کودوبارہ راہِ راست پر

(۱)جیسا کہ:﴿وَمَا أَرسَلنَا مِن قَبلِكَ مِن رَّسُولٍ وَّلَانَبِيٍّ اِلَّا اِذَاتَمَنَّىٰ أَلقَىٰ الشَّيطَانُ فِي أُمنِيَّتِهِ فَيَنسَخُ اللّٰهُ......﴾ (الحج:۵۲)سے ظاہروواضح ہے،کیونکہ اس آیت میں''نبی''اور''رسول''دونوں ہی کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے رسالت وبعثت(أرسَلنَا)کا تذکرہ ہے۔

(۲)جیسا کہ﴿اِنَّا أَوحَينَا اِلَيكَ كَمَا أَوحَينَا اِلَىٰ نُوحٍ وَّ النَّبِيِّينَ مِن بَعدِهِ﴾ (النّساء:۱۶۳)سے ظاہروواضح ہے۔

لانے کا فریضہ انجام دے اور سابقہ شریعت کے احکام کی تعمیل کے سلسلہ میں وہ خود ایک مثال اور اُسوہ بن کر اس قوم کے سامنے عملی نمونہ پیش کرے، یعنی ''نبی'' کوئی مستقل کتاب یا شریعت نہیں دی جاتی، بلکہ اسے گذشتہ کتاب اور سابقہ شریعت کی تجدید واحیاء اور اسی کی طرف دعوت کی غرض سے مبعوث کیا جاتا ہے۔

☆''رسول'':

جبکہ ''رسول'' کو کسی ایسی قوم کی طرف من جانب اللہ مبعوث کیا جاتا ہے کہ جس میں اس سے قبل کسی رسول کو نہ بھیجا گیا ہو، اور اسی وجہ سے ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب یا شریعت بھی موجود نہ ہو، لہٰذا ''رسول'' کوئی شریعت دے کر بھیجا جاتا ہے، تاکہ وہ یہ شریعت اپنی امت تک پہنچائے۔(۱)

☆......اس بات کی وضاحت اس مثال سے ہو جانی چاہئے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام دونوں ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے اور جلیل القدر پیغمبر تھے، مگر یہ کہ ان دونوں حضرات میں سے حضرت اسحاق علیہ السلام اپنے والد ہی کے علاقہ (بیت المقدس) میں مقیم رہے اور انہیں اپنے والد ہی کے علاقہ میں اس اور انہی کی قوم کی طرف من جانب اللہ مبعوث کیا گیا، تاکہ ان کی قوم جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی لائی ہوئی آسمانی تعلیمات وہدایات کو فراموش کر چکی تھی اب وہ اسی دین اور اسی شریعت کی تجدید واحیاء اور اس قوم کو اس کی طرف رجوع کی دعوت کا فریضہ انجام دیں۔

(۱) اس بارے میں بعض اہلِ علم کے بقول ''نبی'' وہ ہے جس کی طرف من جانب اللہ وحی تو نازل کی جاتی ہو لیکن اسے یہ وحی اپنی قوم تک پہنچانے (یعنی تبلیغ) کا حکم نہ دیا گیا ہو۔ جبکہ ''رسول'' وہ ہے جس کی طرف من جانب اللہ نزولِ وحی کے علاوہ مزید یہ کہ اسے اس کی تبلیغ کا حکم بھی دیا گیا ہو (فتاویٰ ابن عثیمین، ج:۱۔ باب الرسل)۔

جبکہ اس کے برعکس ان کے بھائی حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک نئی جگہ یعنی مکہ مکرمہ منتقل ہوگئے اور وہاں مستقل سکونت اختیار کی، اور انہیں وہاں من جانب اللہ ایک نئی اور ایسی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا کہ جن میں اس سے قبل کوئی رسول نہیں آیا تھا اور نہ ہی ان کے پاس کوئی سابقہ شریعت یا کتاب موجود تھی۔

لہٰذا مذکورہ مثال سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ان دونوں حضرات میں سے ایک یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام نبی تھے، جبکہ دوسرے یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام رسول تھے۔(۱)

☆......اسی طرح مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام رسول تھے' اور جب انہیں من جانب اللہ تورات عطاء کئے جانے کی غرض سے چالیس راتوں کیلئے کوہِ طور پر بلایا گیا' تب ان کی غیر موجودگی میں انہی کی قوم کی ہدایت و رہنمائی اور اصلاح کا فریضہ حضرت ہارون علیہ السلام کو سونپا گیا، لہٰذا ان دونوں حضرات میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام رسول تھے، جبکہ حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے۔

☆فائدہ:

☆......''نبی'' اور ''رسول'' میں فرق ومغایرت کے ضمن میں مذکور تفصیل سے یہ بات بھی ظاہر وواضح ہوگئی کہ ان دونوں میں عموم وخصوص مطلق ہے، یعنی ہر رسول تو نبی ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں۔

☆...... نیز اس تفصیل سے یہ بات بھی ظاہر وواضح ہوگئی کہ ''رسول'' کا مقام ومرتبہ ''نبی'' سے بلند وبرتر ہے، کیونکہ ''رسول'' کو نئی اور مستقل کتاب یا شریعت دی جاتی ہے، جبکہ ''نبی'' کو گذشتہ شریعت ہی کی تجدید واحیاء کی غرض سے بھیجا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱) مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: ''بیان اصول الایمان''۔از: عبداللہ بن صالح القصیر۔

''نبوت ورسالت پر ایمان'' کی ضرورت:

یہاں یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ تمام مخلوقات میں سے انسان واحد مخلوق ہے کہ جس میں ''حیوانی خصوصیات'' کے ساتھ ساتھ بہت سی ''ملکوتی صفات'' بھی پائی جاتی ہیں، کیونکہ انسان درحقیقت جسم اور روح دونوں چیزوں سے مرکب ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے عقل وشعور کی نعمت سے بھی نوازا ہے، لٰہذا اسے جس طرح باقی تمام مخلوقات کی طرح جسمانی غذا نیز جسمانی وفطری ضروریات اور تقاضوں کی تکمیل کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح اس کیلئے روحانی غذا، نیز روحانی تقاضوں کی تکمیل بھی ضروری ہے۔

اس کی مزید وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ حیوانات یا جاندار چیزوں کی جو بھی خصوصیات ہوا کرتی ہیں (مثلاً: کھانا' پینا' بھوک اور پیاس محسوس ہونا' سونا' جاگنا' سانس لینا' نشوونما' ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت وگردش کرنا' وغیرہ) بعینہٖ یہی تمام خصوصیات انسان میں بھی موجود ہیں، البتہ اس مشابہت ومماثلت کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان اور باقی مخلوقات یا حیوانات میں بہت بڑا فرق بھی ہے، مثلاً یہ کہ کھاتے پیتے تو سب ہی حیوانات ہیں، انسان بھی یقیناً کھاتا ہے اور پیتا ہے (یہاں تک تو دونوں میں مماثلت ہے) مگر یہ کہ انسان اور باقی مخلوقات کے کھانے پینے کے انداز اور طور طریقے مختلف ہیں، علیٰ ہذا القیاس باقی تمام حیوانی خصوصیات بھی اگرچہ انسان میں بھی موجود ہیں، مگر یہ کہ ان خصوصیات کی انجام دہی یا ان کے عملی اظہار کے طور طریقوں کے لحاظ سے انسان اور دیگر مخلوقات میں زمین وآسمان کا فرق ہے، کیونکہ انسان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عقل اور شعور کی نعمت سے نوازا

ہے، جوکہ ملکوتی صفات میں سے ہے۔

اسی طرح یہاں یہ مثال بھی سمجھ لینی چاہئے کہ اگرچہ تمام حیوانات کی طرح انسان بھی یقیناً کھاتا پیتا ہے کیونکہ یہ اس کی جسمانی وفطری ضرورت ہے، جبکہ انسانوں اور دیگر تمام مخلوقات کے برعکس فرشتے کچھ کھاتے پیتے نہیں ہیں، اور یہ انسان جب روزے کے دوران کھانے پینے سے پرہیز کرتا ہے تو اس وقت حیوانات کے ساتھ اس کی مشابہت ومماثلت کمزور پڑ جاتی ہے اور یوں وہ فرشتوں سے قریب تر ہو جاتا ہے، اس کی جسمانی ضرورت مغلوب ہو جاتی ہے، جبکہ روحانیت میں ترقی واضافہ ہو جاتا ہے۔

اسی طرح بہت سے انسانوں میں کبروغرور، ظلم وناانصافی، انانیت وخود پسندی، درندگی وسفاکی جیسی مذموم عادات وخصال پائی جاتی ہیں، جوکہ یقیناً حیوانی خصلتیں ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس بہت سے انسانوں میں اپنے خالق ومالک کیلئے اطاعت وانقیاد، نیز خلقِ خدا کیلئے عاجزی وانکساری، تواضع وہمدردی، خوش اخلاقی وملنساری اور رحمدلی ومہربانی کے جذبات پائے جاتے ہیں، جوکہ یقیناً ملکوتی صفات وخصال ہیں، لہٰذا انسان جب قتل وغارتگری، خونریزی وبربادی، درندگی وسفاکی اور فتنہ وفساد پر اتر آتا ہے تو اس وقت وہ ملکوتی صفات سے دور اور حیوانیت سے قریب تر ہو جاتا ہے۔ اور جب اپنے رب کی اطاعت وفرمانبرداری اور اس کے سامنے تسلیم وانقیاد کا راستہ اپناتا ہے تو اس وقت اس میں ملکوتی صفات عروج وترقی پر ہوتی ہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت واطاعت اور اس کی تسبیح وتحمید ملائکہ کی صفات وخصال میں سے ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

(أقرَبُ مَا يَكُونُ العَبدُ مِن رَبِّهِ وَ هُوَ سَاجِدٌ فَأَكثِرُوا الدُّعَاءَ)(۱) ترجمہ:

(۱) مسلم [۴۸۲] باب النہی عن قراءۃ القرآن فی الرکوع والسجود۔

(بندہ اپنے رب سے سب زیادہ قریب سجدے کی حالت میں ہوتا ہے،اس لئے تم [سجدے کی حالت میں] خوب زیادہ دعاء مانگا کرو)

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ انسان جسم وروح دونوں کا مجموعہ ہے اوراسے جسمانی غذا کے ساتھ روحانی غذا کی بھی ضرورت ہے۔اب یہ بات بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جس طرح انسان کو وقتاً فوقتاً مختلف جسمانی امراض وعوارض لاحق ہوتے رہتے ہیں بعینہٖ اسی طرح اسے روحانی امراض وعوارض بھی لاحق ہوتے ہیں،جسمانی امراض کے علاج کیلئے تو وہ کسی ڈاکٹر،حکیم یا اور کسی معالج کی طرف رجوع کرتا ہے،لیکن روحانی امراض کے علاج کیلئے وہ کس معالج کے پاس جائیگا؟ اسے ''فسادِ معدہ'' کی تکلیف ہوجائے تو وہ ہسپتال کا رخ کرتا ہے،لیکن اگر ''فسادِ عقیدہ'' کا مرض لاحق ہوجائے تو کہاں جائیگا؟ ''اعصابی کمزوری'' کے علاج کیلئے تو بازاروں میں دواؤں کی بہتات ہے،لیکن اگر کوئی ''ایمانی کمزوری'' یا ''اخلاقی کمزوری'' میں مبتلا ہوجائے تو اس مرض کی دوا کہاں دستیاب ہوگی؟ اسی طرح حسد، کبروغرور، حرص وطمع، خیانت وبددیانتی جیسے مہلک اور خطرناک ترین امراض کا علاج کس طرح ہوگا......؟ کیا ایسے تباہ کن امراض میں مبتلا شخص بس ہمیشہ لاعلاج اور بے بس ہی رہیگا؟ اور پھر آخرکار جہنم کا ایندھن بن جائیگا......؟ نہیں، ہرگز نہیں،اللہ نے اپنے بندوں کو بس جہالت کے اندھیروں میں ہی بھٹکتے رہنے کیلئے بے یارومددگار نہیں چھوڑ دیا، بلکہ باطل کے اندھیروں سے نکال کر حق وصداقت کے نور تک پہنچانے کیلئے ہی اللہ رب العزت نے وقتاً فوقتاً حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو دنیاوالوں کی طرف مبعوث فرمایا،تاکہ وہ سسکتی ہوئی انسانیت کیلئے ابرِ رحمت بن سکیں، دم توڑتی ہوئی انسانیت کیلئے مسیحا بن سکیں،اور بھٹکتی ہوئی انسانیت کیلئے مشعلِ راہ اور روشنی کا مینار بن سکیں۔

غرضیکہ روحانی امراض کا علاج جسے دین کی اصطلاح میں ''اصلاحِ باطن'' یا ''تزکیۂ نفس'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہی وہ عظیم ترین مقصد ہے جس کی خاطر حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو بھیجا گیا، جس کی طرف اس ارشادِ ربانی میں بھی اشارہ ہے: ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنهُم يَتلُواعَلَيهِم آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِم وَيُعَلِّمُهُمُ الكِتَابَ وَالحِكمَةَ وَ اِن كَانُوا مِن قَبلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِين﴾ (۱) ترجمہ: (وہی [اللہ] ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس [اللہ] کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے، یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے)

''نبوت ورسالت'' پر ایمان کی اہمیت :

''نبوت ورسالت'' پر ایمان ان بنیادی عقائد میں سے ہے کہ جن پر صدقِ دل سے مکمل اور پختہ یقین واعتقاد رکھنا ضروری ولازمی ہے، اور اسی وجہ سے ان عقائد کو ''ارکانِ ایمان'' کہا جاتا ہے، یعنی ''نبوت ورسالت'' پر ایمان کی اہمیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ یہ چیز ارکانِ ایمان میں سے ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَلٰـكِـنَّ الْبِـرَّ مَـن آمَـنَ بِـاللّٰـهِ وَالْيَـوْم الآخِـرِوَالْـمَلَائِـكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيّنَ﴾ (۲) ترجمہ: (درحقیقت اچھا شخص وہ ہے جو اللہ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، [اللہ کی] کتاب پر، اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو) نیز ارشاد ہے: ﴿وَ مَـن يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلَائِكَتِه وَكُتُبِه وَ رُسُلِه وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيْداً﴾ (۳) ترجمہ: (اور جو شخص اللہ سے اور اس کے فرشتوں اور

(۱) الجمعہ [۲] (۲) البقرہ [۱۷۷] (۳) النساء [۱۳۶]

اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اَلْاِیْمَانُ اَنْ تُؤمِنَ بِاللّٰہِ وَمَلَائِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَ الْیَوْمِ الْآخِرِ وَ تُؤمِنَ بِالْقَدَرِ خَیْرِہٖ وَ شَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالیٰ) (۱)

ترجمہ: (ایمان یہ ہے کہ تم ایمان قبول کرو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، قیامت کے دن پر اور اس بات پر کہ اچھی اور بُری تقدیر اللہ ہی کی طرف سے ہے) یعنی مذکورہ باتوں کو درست اور برحق سمجھا جائے اور خلوصِ دل کے ساتھ ان کی مکمل اور قطعی تصدیق کی جائے۔

مذکورہ نصوص سے یہ بات واضح وثابت ہوگئی کہ ''نبوت ورسالت'' پر ایمان دین کے ان بنیادی عقائد میں سے ہے جنہیں ''ارکان ایمان'' کہا جاتا ہے، اور جن پر مکمل یقین وایمان کے بغیر انسان کی کوئی عبادت عنداللہ قابلِ قبول نہیں ہوسکتی، اور نہ ہی اسے آخرت میں نجات وفلاح نصیب ہوسکتی ہے۔

''نبوت ورسالت'' پر ایمان کا مفہوم:

نبوت ورسالت پر ایمان کا مفہوم یہ ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں درجِ ذیل امور کی مکمل تصدیق کی جائے (یعنی ان امور کو درست اور برحق تسلیم کیا جائے):

(۱) تمام انبیاء پر ایمان:

یعنی تمام انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کی نبوت ورسالت پر پختہ یقین وایمان رکھنا اور کسی تفریق کے بغیر ان سب کی مکمل تصدیق کرنا، کیونکہ ان میں سے کسی ایک کی تکذیب ان

(۱) بخاری [۵۰] عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔ مسلم [۸] عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

سب کی تکذیب کے مترادف ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿كُلٌّ آمَنَ بِاللّهِ وَمَلاَئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لاَنُفَرِّقُ بَينَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ﴾ (۱) ترجمہ: (یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے [وہ یوں کہتے ہیں کہ] اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم تفریق نہیں کرتے)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكفُرُونَ بِاللّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَن يُّفَرِّقُوا بَينَ اللّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤمِنُ بِبَعضٍ وَّنَكفُرُ بِبَعضٍ وَّيُرِيدُونَ أَنْ يَّتَّخِذُوا بَينَ ذلِكَ سَبِيلاً أُولَـئِكَ هُمُ الكَافِرُونَ حَقّاً وَّأَعتَدنَالِلكَافِرِينَ عَذَاباً مُّهِيناً﴾ (۲) ترجمہ: (جولوگ اللہ کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور جولوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق رکھیں اور جولوگ کہتے ہیں کہ بعض نبیوں پر تو ہمارا ایمان ہے اور بعض پر نہیں اور چاہتے ہیں کہ اِس کے اور اُس کے بین بین کوئی راہ نکالیں ، یقین مانو کہ یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں، اور کافروں کیلئے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿كَذَّبَت قَومُ نُوحٍ المُرسَلِينَ﴾ (۳) ترجمہ: (قومِ نوح نے بھی رسولوں کو جھٹلایا)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿كَذَّبَت عَادُ المُرسَلِينَ﴾ (۴) ترجمہ: (عادیوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا)

نیز ارشاد ہے: ﴿كَذَّبَت ثَمُودُ المُرسَلِينَ﴾ (۵) ترجمہ: (ثمودیوں نے بھی رسولوں

(۱) البقرۃ [۲۸۵] (۲) النساء [۱۵۰-۱۵۱] (۳) الشعراء [۱۰۵] (۴) الشعراء [۱۲۳]
(۵) الشعراء [۱۴۱]

کوجھٹلایا)

نیزارشادہے:﴿كَذَّبَت قَومُ لُوطٍ المُرسَلِينَ﴾ (۱) ترجمہ:(قومِ لوط نے بھی رسولوں کوجھٹلایا)

نیزارشادہے:﴿كَذَّبَ أَصحَابُ الأيكَةِ المُرسَلِينَ﴾ (۲) ترجمہ:(ایکہ والوں نے بھی رسولوں کوجھٹلایا)

☆......غورطلب بات ہے کہ مذکورہ آیات میں ہرقوم کے بارے میں ارشادہے کہ اس نے ''رسولوں'' کوجھٹلایا، حالانکہ مذکورہ اقوام میں سے ہرقوم نے صرف اسی رسول یانبی کوجھٹلایا کہ جسے اس قوم کی طرف من جانب اللہ مبعوث کیاگیاتھا،مثلاً قومِ نوح نے صرف حضرت نوح علیہ السلام کوجھٹلایا،ثمودوالوں نے صرف حضرت صالح علیہ السلام کوجھٹلایا، وعلیٰ ہٰذاالقیاس......،جبکہ ان اقوام میں سے ہرایک کے بارے مذکورہ آیات میں ارشادِربانی یہ ہے کہ انہوں نے ''مرسلین'' یعنی سب ہی رسولوں کوجھٹلایا۔لہٰذااس سے یہ بات خوب واضح وثابت ہوگئی کہ کسی تفریق کے بغیرتمام انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کی تصدیق اوران سب پرمکمل یقین وایمان ضروری ولازمی ہے اوران میں سے کسی ایک کاانکاردرحقیقت سب ہی کاانکارہےاوریہ ان سب کے ساتھ بلکہ خوداللہ کے ساتھ کفرہے، کیونکہ اللہ نے ہی ان سب کومبعوث فرمایاہے۔

(۲)نبوت ورسالت من جانب اللہ ہے:

یعنی اس بات پرمکمل یقین وایمان رکھناکہ تمام انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کوخوداللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اس عظیم ترین شرف یعنی ''منصبِ نبوت ورسالت'' کیلئے منتخب

(۱)الشعراء[۱۶۰] (۲)الشعراء[۱۷۶]

کیا گیا۔

یعنی نبوت ورسالت کوئی کسبی چیز نہیں ہے کہ جس کا جی چاہے خود محنت وکوشش کرکے یہ اعلیٰ ترین شرف واعزاز اور مقام ومرتبہ حاصل کرلے، بلکہ یہ تو خالصۃً وہبی چیز ہے، یعنی خود اللہ جسے چاہتا ہے یہ عظیم الشان منصب اور اعلیٰ ترین شرف ''ہبہ'' فرماتا ہے، یا بالفاظِ دیگر اللہ خود جسے چاہتا ہے اس منصب کیلئے منتخب فرماتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿اَللّٰهُ يَصطَفِي مِنَ المَلَآئِكَةِ رُسُلاً وَّمِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ بَّصِيرٌ﴾ (۱)

ترجمہ: (اللہ ہی چھانٹ لیتا ہے فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو، بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے)

نیز ارشاد ہے: ﴿اَللّٰهُ أعلَمُ حَيثُ يَجعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ (۲) ترجمہ: (اس موقع کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کہاں وہ اپنی پیغمبری رکھے)

(۳) شرافت ونجابت:

یعنی اس بات پر مکمل یقین وایمان رکھنا کہ تمام انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام تمام بنی نوعِ انسان میں سب سے زیادہ معزز اور شریف النفس تھے، ان کا تعلق اعلیٰ ترین نسب سے تھا اور وہ سب اعلیٰ ترین صفات سے متصف اور عمدہ ترین اخلاق وعادات کے حامل تھے۔

(۴) جسمانی واخلاقی عیوب سے پاک:

یعنی اس بات پر مکمل یقین وایمان رکھنا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمام انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کو ہر اخلاقی عیب سے، نیز ہر قسم کے جسمانی نقائص وعیوب سے پاک وصاف بنایا تھا۔

---

(۱) الحج [۷۵] (۲) الأنعام [۱۲۴]

(۵) امانت ودیانت:

یعنی اس بات پر مکمل یقین وایمان رکھنا کہ تمام انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام انتہائی امین اور دیانت دار تھے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے بندوں تک جو بھی پیغام یا شرعی احکام پہنچانے کا فریضہ انہیں سونپا گیا انہوں نے کسی کمی بیشی کے بغیر انتہائی امانت ودیانت کے ساتھ اللہ کے بندوں تک اس پیغام یا ان احکام کو پہنچانے کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دیا۔

(۶) اتمامِ حجت:

یعنی اس بات پر مکمل یقین وایمان رکھنا کہ تمام انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام نے اپنی اپنی قوم تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دین کسی خیانت یا کمی کے بغیر اس طرح مکمل اور صاف صاف پہنچا دیا کہ اس دین پر عملدر آمد کے معاملہ میں کسی ابہام یا شک وشبہہ کی قطعاً کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، لہٰذا ان (انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام) کی طرف سے اپنی اپنی قوم پر حجت قائم وثابت ہوگئی اور اب اس دین پر عملدر آمد کے سلسلہ میں ان کی قوم کے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا۔

(۷) معصومیت:

یعنی اس بات پر مکمل یقین وایمان رکھنا کہ تمام انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام تمام کبیرہ وصغیرہ گناہوں سے پاک اور معصوم تھے، البتہ ایسی معمولی لغزشیں جن سے کوئی بھی انسان معصوم نہیں رہ سکتا (اور جن سے انسان کا اخلاق وکردار یا اس کی شرافت ونجابت متاثر نہیں ہوتی) بعض اوقات انبیاء ورسل سے بھی سرزد ہو جاتی تھیں، لیکن وہ ان لغزشوں پر قائم نہیں رہتے تھے، کیونکہ انہیں فوراً ہی من جانب اللہ تنبیہ کی جاتی تھی جس کی وجہ سے وہ ان معمولی

لغزشوں سے بھی فوری کنارہ کشی اختیار کرلیا کرتے تھے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے بکثرت توبہ واستغفار کیا کرتے تھے۔(۱)

(۸) اللہ کی طرف سے ''بشیر'' و ''نذیر'':

یعنی اس بات پر مکمل یقین وایمان رکھنا کہ انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے بندوں کیلئے ''بشیر'' اور ''نذیر'' بنا کر بھیجا گیا، یعنی جو کوئی ان کا اتباع کرے اور اللہ کے پیغام کو قبول کرے اس کیلئے ''بشیر'' یعنی: ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے رضامندی وخوشنودی اور جنت کی خوشخبری دینے والے'' اور جو کوئی ان کی تعلیمات سے منہ موڑے اس کیلئے ''نذیر'' یعنی: ''اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے'' بنا کر بھیجا گیا، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَمَا نُرسِلُ المُرسَلِينَ اِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ فَمَن آمَنَ وَأصلَحَ فَلَا خوفٌ عَلَيهِم وَلاهُم يَحزَنُونَ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا يَمَسُّهُمُ العَذَابُ بِمَا كَانُوا يَفسُقُونَ﴾ (۲) ترجمہ: (اور ہم پیغمبروں کو صرف اس واسطے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈرائیں، پھر جو ایمان لے آئے اور درستی کرلے سو اُن لوگوں پر کوئی اندیشہ نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے، اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلائیں ان کو عذاب پہنچے گا بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کرتے ہیں)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿رُسُلاً مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَىٰ اللّهِ حُجَّةٌ بَّعدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّهُ عَزِيزاً حَكِيماً﴾ (۳) ترجمہ: (ہم نے انہیں رسول

(۱) ''عصمتِ انبیاء'' کے بارے میں تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: ''الارشاد الیٰ صحیح الاعتقاد'' [عصمۃ الأنبیاء، صفحہ: ۱۶۴] تالیف: صالح بن فوزان۔ از مطبوعات: الرئاسۃ العامۃ لادارت البحوث العلمیۃ ولافتاء والدعوۃ والارشاد بالمملکۃ العربیۃ السعودیۃ (۱۴۱۲ھ)

(۲) الانعام [۴۸-۴۹]

(۳) النساء [۱۶۵]

بنایا ہے،خوشخبریاں سنانے والے اورآگاہ کرنے والے تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اورالزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر نہ رہ جائے،اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور بڑا باحکمت ہے)

(۹) بنیادی مقصدِ بعثت؛ دعوتِ توحید:

یعنی اس بات پر مکمل یقین وایمان رکھنا کہ تمام انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کی بعثت کا اصل اوربنیادی مقصد ایک ہی تھا،یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحدانیت اورربوبیت والوہیت کی طرف دنیا کو دعوت دینا،یعنی تمام کائنات کا خالق ومالک نیز ہرقسم کی عبادت کا مستحق تمام زمین وآسمان میں صرف اورصرف اللہ ہی ہے،جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿وَمَاأرسَلنَا مِن قَبلِكَ مِن رَّسُولٍ اِلَّانُوحِي اِلَيهِ أنَّهٗ لَااِلٰهَ اِلَّاأنَا فَاعبُدُونِ﴾ (۱) ترجمہ:(آپ سے پہلے بھی جو[بھی]رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو)

بلکہ درحقیقت انسان کا مقصدِ تخلیق ہی یہی ہے(یعنی صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت) جیسا کہ قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے:﴿وَمَاخَلَقتُ الجِنَّ وَالاِنسَ اِلَّالِيَعبُدُونِ﴾ (۲) ترجمہ:(میں نے جنات اورانسانوں کو محض اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری ہی عبادت کریں)

(۱۰) واجب الاطاعت:

یعنی اس بات پر مکمل یقین وایمان رکھنا کہ تمام انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام واجب الاطاعت تھے،یعنی ہرنبی کی امت پر اپنے نبی کی مکمل اطاعت وفرمانبرداری ضروری ولازمی تھی،جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَمَاأرسَلنَامِن رَّسُولٍ اِلَّالِيُطَاعَ

(۱)الأنبیاء[۲۵] (۲)الذاریات[۵۶]

بِـاِذنِ الـلّٰہِ﴾ (۱) ترجمہ: (ہم نے ہر ہر رسول کو صرف اسی لئے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے)

☆......لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی امت کی حیثیت سے ہم مسلمانوں کیلئے زندگی کے ہر معاملہ اور ہر شعبہ میں آپ ؐ کی مکمل پیروی اور اطاعت وفرمانبرداری ضروری ولازمی اور اہم ترین دینی فریضہ ہے، اور ہماری کوئی عبادت عنداللہ قابلِ قبول نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اور آپ ؐ کی تعلیمات کے مطابق نہ ہو، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿قُل اِن کُنتُم تُحِبُّونَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُونِي یُحبِبکُمُ اللّٰہُ وَیَغفِرلَکُم ذُنُوبَکُم وَاللّٰہُ غَفُورٌ رَّحِیم﴾ (۲) ترجمہ: (کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے)

نیز ارشاد ہے: ﴿مَن یُطِعِ الرَّسُولَ فَقَد أَطَاعَ اللّٰہَ﴾ (۳)

ترجمہ: (اس رسول [ﷺ] کی جو کوئی اطاعت کرے اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿قُل أَطِیعُوا اللّٰہَ وَ الرَّسُولَ﴾ (۴)

ترجمہ: (کہہ دیجئے! کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کرو)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿قُل أَطِیعُوا اللّٰہَ وأَطِیعُوا الرَّسُولَ﴾ (۵)

ترجمہ: (کہہ دیجئے! کہ اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور رسول کی اطاعت کرو)

نیز ارشاد ہے: ﴿وَاِن تُطِیعُوہُ تَھتَدُوا﴾ (۶) ترجمہ: (ہدایت تو تمہیں اسی وقت

(۱) النساء[۶۴] (۲) آل عمران[۳۱] (۳) النساء[۸۰] (۴) آل عمران[۳۲] (۵) النور[۵۴]
(۶) النور[۵۴]

ملیگی جب تم رسول کی اطاعت کرو)

نیزارشادہے:﴿فَلیَحذَرِ الَّذِینَ یُخَالِفُونَ عَن أمرِهٖ أن تُصِیبَهُم فِتنَةٌ أو یُصِیبَهُم عَذَابٌ ألِیمٌ﴾ (۱) ترجمہ:(جولوگ حکمِ رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ان پرکوئی زبردست آفت نہ آپڑے یاانہیں دردناک عذاب نہ پہنچے)

نیزارشادہے:﴿وَمَا آتَاکُمُ الرِّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَانَهَاکُم عَنهُ فَانتَهُوا وَاتَّقُوااللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیدُ العِقَابِ﴾ (۲) ترجمہ:(اورجوکچھ تمہیں رسول دے لے لو۔اورجس سے تمہیں روکے رک جاؤ۔اوراللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہاکرو۔یقیناًاللہ تعالیٰ سخت عذاب والاہے)

نیزرسول اللہ ﷺ کاارشادہے:(کُلُّ اُمَّتِي یَدخُلُونَ الجَنَّةَ اِلَّا مَن أبَیٰ ، قِیلَ : وَمَن یَأبَیٰ یَارَسُولَ اللّٰه؟ قَالَ : مَن أطَاعَنِي دَخَلَ الجَنَّةَ ، وَمَن عَصَانِي فَقَدأبَیٰ) (۳) ترجمہ:(میری امت کےسب ہی لوگ جنت میں داخل ہوہی جائیں گےسوائے اس شخص کے جوخودہی [جنت میں جانے سے] انکارکردے،عرض کیاگیاکہ: اے اللہ کے رسولؐ: ایساشخص کون ہوسکتاہے کہ جوخودہی[جنت میں جانے سے] انکار کردے؟ آپؐ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگیا،اورجس نے میری نافرمانی کی اس نے خودہی[جنت میں جانے سے]انکارکردیا)

گذشتہ نصوص کی روشنی میں ''اتباعِ رسول ﷺ'' کی ضرورت واہمیت خوب واضح وثابت

(۱)النور[۶۳] (۲)الحشر[۷]

(۳)بخاری[۶۸۵۱] باب الاقتداء بسنن رسول اللّٰه ﷺ وقول اللّٰه تعالیٰ: واجعلنا للمتّقین اماماً۔

ہوجاتی ہے۔

(۱۱)بشریت:

یعنی اس بات پر مکمل یقین وایمان رکھنا کہ تمام انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام اپنے تمامتر مقام ومرتبے کے باوجود ''بشر'' یعنی انسان ہی تھے، جیسا کہ قرآن کریم میں صاف اورواضح ارشادہے کہ:﴿قُل اِنَّمَا أنَابَشَرٌ مِّثلُکُم یُوحَیٰ اِلَیَّ أنَّمَا اِلٰھُکُم اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَاستَقِیمُوا اِلَیہِ وَاستَغفِرُوہُ﴾ (۱) ترجمہ:(آپ کہہ دیجئے! کہ میں توتم ہی جیسا انسان ہوں مجھ پر وحی نازل کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے سوتم اس کی طرف متوجہ ہوجاؤاوراس سے گناہوں کی معافی چاہو)

اسی طرح ارشادہے:﴿قَالَت لَھُم رُسُلُھُم اِن نَّحنُ اِلَّابَشَرٌ مِّثلُکُم وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَمُنُّ عَلَیٰ مَن یَّشَاءُ مِن عِبَادِہٖ وَمَاکَانَ لَنَا أن نَأتِیَکُم بِسُلطَانٍ اِلَّا بِاِذنِ اللّٰہِ وَعَلَیٰ اللّٰہِ فَلیَتَوَکَّلِ المُؤمِنُونَ﴾ (۲) ترجمہ:(ان کے پیغمبروں نے ان سے کہا کہ یہ تو سچ ہے کہ ہم تم جیسے ہی انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتاہے اپنا فضل فرماتاہے، اللہ کے حکم کے بغیر ہماری مجال نہیں کہ ہم کوئی معجزہ تمہیں لاکر دکھائیں اورایمان داروں کوصرف اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے)

یعنی بشریت وانسانیت کے لحاظ سے انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام ودیگرانسانوں میں کوئی فرق نہیں تھا، تمام انسانوں کی جوبھی جسمانی وفطری ضروریات ہواکرتی ہیں وہی تمام ضروریات حضرات انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کی بھی تھیں، نیز انسان ہونے کی حیثیت سے تمام انسانوں کوجومختلف عوارض لاحق ہواکرتے ہیں وہی سب عوارض انہیں بھی

(۱)فُصلت رحٰم السجدۃ[۶] (۲)ابراہیم[۱۱]

لاحق ہوا کرتے تھے، عام انسانوں کی طرح وہ بھی گھومتے پھرتے تھے،کھاتے پیتے تھے،انہیں بھی بھوک اور پیاس ستاتی تھی،انہیں بھی نیند بھی آتی تھی اورتھکاوٹ بھی محسوس ہوتی تھی،وہ بھی کبھی ہنستے تھے اورکبھی روتے تھے،کبھی خوش ہوتے تھے اورکبھی اداس اورغمگین......!

البتہ اس کے باوجود عام انسانوں میں اورحضرات انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام میں ایک بہت ہی بڑااورانتہائی اہم فرق ہے،مگروہ فرق جسمانی نہیں، بلکہ روحانی ہے، وہ یہ کہ حضرات انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کی طرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے وحی نازل کی جاتی تھی، اور یہ شرف ان کے سواکسی اورکوکسی صورت نصیب نہیں ہوسکتا،کیونکہ اس شرف اوررتبے کیلئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ خود جسے چاہتے ہیں منتخب فرمالیتے ہیں،جیسا کہ مذکورہ آیت﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ سے واضح ہے۔

☆......حضرات انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کی ''بشریت'' یعنی ان کے انسانوں میں سے ہونے میں بہت ہی بڑی اورانتہائی اہم حکمت یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے بندوں کی طرف ان مقدس ہستیوں کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ یہ حضرات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے بندوں کیلئے جوتعلیمات' ہدایات' اورجوشریعت لائے ہیں اس پر پہلے وہ خودعمل کرکے دکھائیں' اوردنیاکے سامنے عملی نمونہ پیش کریں، اوراس مقصد کیلئے یقیناً یہ بات ضروری ہے کہ وہ خودبھی انسانوں میں سے ہی ہوں اور جوبھی فطری حوائج وضروریات عام انسانوں کی ہواکرتی ہیں وہی تمام ضروریات ان کی بھی ہوں،اورجن عام مسائل اور مشکلات سے عام انسان اپنی روزمرہ کی زندگی میں دوچارہواکرتے ہیں وہی مسائل ومشکلات انہیں بھی درپیش ہوں۔

اور یہ بات تو ادنیٰ سوجھ بوجھ رکھنے والا انسان بھی بسہولت سمجھ سکتا ہے کہ جس طرح فرض کیجئے کہ کسی فرشتے کیلئے مثال اور نمونہ یقیناً صرف کوئی فرشتہ ہی ہوسکتا ہے، بعینہٖ اسی طرح انسانوں کیلئے قابلِ تقلید نمونہ اور مثال کسی انسان کو ہی قرار دیا جاسکتا ہے، کیونکہ فرشتے کی تو فطرت میں ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت وبندگی اور اطاعت وفرمانبرداری شامل ہے، اسے گناہ کی طرف رغبت ہو ہی نہیں سکتی، نہ اسے بھوک اور پیاس ستاتی ہے، نہ ہی اسے نیند یا اونگھ آتی ہے، نہ ہی اسے کبھی تھکاوٹ یا سستی محسوس ہوتی ہے، نہ وہ کبھی اداس یا پریشان ہوتا ہے، نہ ہی اسے بیوی بچوں کے مسائل' پریشانیوں' اور الجھنوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے، نہ ہی اسے فکرِ معاش ستاتی ہے، نہ وہ کبھی بیمار ہوتا ہے، نہ اسے کسی دشمن کا کوئی ڈر ہے، نہ ہی اسے موت کا کوئی اندیشہ ہے۔

اس کے برعکس یہ انسان جو پیدائشی اور فطری طور پر ہی کمزور ہے، جسے بہکانے اور راہِ حق سے برگشتہ کرنے کیلئے طاغوتی قوتوں نے جابجا خوشنما اور دلفریب قسم کے جال بچھا رکھے ہوں، جس کیلئے خوشحالی بھی امتحان ہو اور فقر وفاقہ بھی آزمائش ہو، جسے بھوک اور پیاس بھی ستاتی ہو، نیند بھی آتی ہو، تھکاوٹ بھی محسوس ہوتی ہو، کبھی وہ بیمار بھی پڑ جاتا ہو، اہل وعیال کے مسائل اور ذمہ داریاں بھی اسے پریشان کئے رکھتی ہوں، فکرِ معاش بھی دامن گیر ہو' بسا اوقات عزیز واحباب کی جدائی اور ان کی موت کا صدمہ اور دکھ بھی جھیلنا پڑتا ہو، شدتِ غم کی وجہ سے بعض اوقات آنکھوں سے آنسو بھی بہہ نکلتے ہوں، دشمنوں کا خوف بھی ہو، موت کا فطری اندیشہ بھی ہو...... مگر اس کے باوجود اس کی نظر اپنے خالق ومالک پر ہو، اور وہ صرف اسی کے بھروسے پر ہر قسم کے مشکل ترین حالات میں بھی راہِ حق سے نہ بھٹکے، آندھی ہو یا طوفان، کسی صورت بھی اس کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آنے پائے، اور

وہ ہر حالت میں صراطِ مستقیم پر مکمل ثبات واستقلال کے ساتھ گامزن اور رواں دواں رہے...... یقیناً یہ انسان ہی زندگی کے تمام شعبوں میں تمام انسانیت کیلئے روشن مثال' بہترین نمونہ' اور اسوۂ حسنہ ہوسکتا ہے، نہ کہ کوئی فرشتہ یا کوئی اور مخلوق۔

یہی مضمون تو خود قرآن کریم کی اس آیت میں بھی ہے: ﴿قُل لَّو كَانَ فِي الأَرضِ مَلَائِكَةٌ يَّمشُونَ مُطمَئِنِّينَ لَنَزَّلنَا عَلَيهِم مِنَ السَّمَاءِ مَلَكاً رَّسُولاً﴾ (۱)

ترجمہ: (آپ کہہ دیجئے! کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے اور رہتے بستے ہوتے' تو ہم بھی ان کے پاس کسی آسمانی فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے)

☆...... یہاں مزید یہ وضاحت بھی ہوجائے کہ ''بشریت'' ہی کے ضمن میں ''عبدیت'' (یا: ''عبودیت'') بھی شامل ہے، یعنی یہ یقین وایمان رکھنا کہ حضرات انبیاء ورسل علیہم السلام اپنے تمامتر مقام ومرتبہ کے باوجود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بندے ہی تھے، اور اللہ کی بندگی ان کیلئے خدانخواستہ مقام ومرتبے میں کمی یا نعوذ باللہ ان کی شان میں کسی تحقیر وتنقیص کا سبب ہرگز ہرگز نہیں ہے، بلکہ حقیقت تو یکسر اس کے برعکس ہے، کیونکہ کسی بھی انسان کیلئے ''اللہ کی بندگی'' سے بڑھ کر اور کوئی اعزاز یا شرف ممکن ہی نہیں ہے، لہٰذا حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو بھی اپنے خالق ومالک کی اس بندگی پر ناز تھا، بلکہ قرآن کریم میں جابجا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی مدح وتعریف اور عنداللہ ان کے اعلیٰ ترین مقام ومرتبہ کا اعلان واظہار ہی انہی الفاظ میں کیا گیا ہے کہ وہ ''ہمارے بندے'' تھے۔

☆......جیسا کہ خاتم الأنبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں قرآن کریم

(۱) الاسراء / بنی اسرائیل [۹۵]

میں ارشاد ہے:﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرقَانَ عَلَىٰ عَبدِهِ لِيَكُونَ لِلعَالَمِينَ نَذِيراً﴾ (۱) ترجمہ:(بہت بابرکت ہے وہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے بندے پرفرقان نازل کیا تاکہ وہ تمام لوگوں کیلئے آگاہ کرنے والا بن جائے)

اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اپنے نبیﷺ کا خاص مقام ومرتبہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ کی طرف سے آپﷺ کواس قدر عظیم مقام ومرتبہ عطاء کیا گیا کہ آپؐ پراللہ کی طرف سے قرآن نازل کیا گیا جوکہ ''فرقان'' یعنی حق وباطل کے درمیان ہمیشہ کیلئے فرق، تمیز، پہچان، اور جدائی کردینے والی کتاب ہے، جوکہ اللہ کی آخری کتاب ہے اورتمام سابقہ کتب سماویہ کیلئے ناسخ ہے، ایسے اہم موقع پراللہ کی طرف سے اپنے رسولﷺ کیلئے ''عبدہٖ'' یعنی اپنے ''بندے'' کالفظ استعمال کیا گیا ہے۔

☆......اسی طرح یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ''واقعۂ اسراء ومعراج'' جوکہ ابتداء سے انتہاء تک محیرالعقول اورانتہائی عجیب وغریب واقعات پرمشتمل ہے، اور جوکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے نبی آخرالزمان حضرت محمد رسول اللہﷺ کیلئے انتہائی اعلیٰ ترین اعزازواکرام ہے، ایسااعزازجوکہ تمام انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کی برگزیدہ اورمقدس ترین جماعت میں سے آپﷺ کے سواکسی اورکونصیب نہ ہوسکا، قرآن کریم میں اس اہم ترین واقعہ کے تذکرہ وبیان کے موقع پربھی آپﷺ کیلئے یہی ''عبدہٖ'' یعنی اپنے ''بندے'' کالفظ استعمال کیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:﴿سُبحَانَ الَّذِي أسرَىٰ بِعَبدِهِ لَيلاً مِّنَ المَسجِدِ الحَرَامِ اِلَىٰ المَسجِدِ الأقصَىٰ﴾ (۲) پاک ہے وہ اللہ تعالیٰ جواپنے بندےکورات ہی رات میں مسجدحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا)۔

(۱)الفرقان[۱] (۲)الاسراء / بنی اسرائیل[۱]

اسی طرح قرآن کریم میں دوسرے موقع پراسی واقعۂ معراج کے بیان کے ضمن میں ہی ارشادہے:﴿فَأوحَىٰ اِلَىٰ عَبدِهِ مَاأوحَىٰ﴾ (۱) ترجمہ:(پس اس نے اللہ کے بندےکووحی پہنچائی جوبھی پہنچائی)۔

☆......اسی طرح قرآن کریم میں متعددمواقع پراللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے مختلف انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کیلئے مدح وثناءاورعنداللہ ان کے خاص مقام ومرتبہ کے اظہار وبیان کے موقع پربھی ''عبد'' یعنی:[اللہ] کا''بندہ'' کالفظ استعمال کیاگیاہے،مثال کے طورپرارشادِربانی ہے:﴿وَاذكُر عَبدَنَا أيَّوبَ﴾ (۲) ترجمہ:(اورہمارے بندے ایوب[علیہ السلام] کابھی ذکرکیجئے)اورپھراسی سورت میں ہی آگے چل کردوبارہ حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں ارشادہے:﴿نِعمَ العَبدُ اِنَّهٗ أوَّابٌ﴾ (۳) ترجمہ: (وہ[ایوب] بڑاہی نیک بندہ تھااور[اللہ کی طرف] بڑی ہی رغبت رکھنے والاتھا)

☆......اسی طرح ارشادِربانی ہے:﴿وَاذكُر عِبَادَنَا اِبرَاهِيمَ وَاِسحَاقَ وَيَعقُوبَ أولِي الأيدِي وَالأبصَارِ اِنَّا أخلَصنَاهُم بِخَالِصَةٍ ذِكرَىٰ الدَّارِ وَ اِنَّهُم عِندَنَا لَمِنَ المُصطَفَينَ الأخيَارِ﴾ (۴) ترجمہ:(اورہمارے بندوں ابراہیمؑ اسحاقؑ اوریعقوب[علیہم السلام] کابھی [لوگوں سے]ذکرکیجئے جوہاتھوں اورآنکھوں والے تھے،ہم نے انہیں ایک خاص بات یعنی آخرت کی یادکے ساتھ مخصوص کردیاتھا،یہ سب ہمارےنزدیک برگزیدہ اوربہترین لوگ تھے)

☆......اسی طرح قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشادہے: ﴿اِن هُوَ اِلَّا عَبدٌ أنعَمنَاعَلَيهِ وَجَعَلنَاهُ مَثَلاً لِّبَنِي اِسرَائِيلَ﴾ (۵) ترجمہ:

(۱)النجم[۱۰] (۲)ص[۴۱] (۳)ص[۴۴] (۴)ص[۴۵۔۴۷] (۵)الزخرف[۵۹]

(عیسیٰ [علیہ السلام] بھی صرف بندہ ہی ہے کہ جس پر ہم نے احسان کیا اوراسے بنی اسرائیل کیلئے نشانِ قدرت بنایا)

☆ نبوت ورسالت پر ''تفصیلی'' و ''اجمالی'' ایمان:

اس سے مراد یہ ہے کہ حضرات انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کی مقدس وبرگزیدہ جماعت میں سے کچھ حضرات ایسے ہیں کہ قرآن کریم میں جن کا تذکرہ موجود ہےاوراس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہمیں ان کے بارے میں مطلع وآگاہ کیا گیا ہے، لہٰذا ان پر اسی تفصیل کے ساتھ یقین وایمان ضروری ہے کہ جس قدر تفصیل ان کے بارے میں ہمیں بتائی گئی ہے۔

جبکہ حضرات انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کی جماعت میں سے بہت بڑی تعداد ایسی ہستیوں کی بھی ہے کہ جن کے بارے میں ہمیں کوئی خبر نہیں ہے، نہ ہی قرآن کریم میں ان کا کوئی تذکرہ ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَرُسُلاً قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيكَ مِنْ قَبلُ وَرُسُلاً لَّمْ نَقصُصْهُمْ عَلَيكَ﴾ (۱) ترجمہ: (اورآپ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے آپ سے بیان کئے ہیں اور بہت سے رسولوں کے نہیں بھی کئے)

نیز ارشاد ہے: ﴿وَلَقَد أرسَلنَا رُسُلاً مِّن قَبلِكَ مِنهُمْ مَّن قَصَصْنَاعَلَيكَ وَ مِنهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقصُصْ عَلَيكَ﴾ (۲) ترجمہ: (یقیناً ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے [واقعات] ہم آپ کو بیان کر چکے ہیں اوران میں سے بعض کے [قصے] تو ہم نے آپ کو بیان ہی نہیں کئے)

(۱) النساء [۱۶۴] (۲) غافر/مؤمن [۷۸]

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرات انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام میں سے بہت سے حضرات ایسے بھی ہیں کہ جن کے بارے میں نہ تو قرآن کریم میں کوئی تذکرہ موجود ہے اور نہ ہی ہمیں ان کے بارے میں کچھ علم ہے، لہٰذا ان پر اجمالی ایمان ضروری ہے، یعنی ہر اس ہستی کو سچا نبی یا رسول تسلیم کیا جائے جسے واقعی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے نبوت یا رسالت عطاء کی گئی ہو اگرچہ ہمیں اس کے بارے میں کچھ بھی علم نہ ہو۔

☆......حضرات انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کی مقدس جماعت میں سے وہ حضرات جن کا تذکرہ قرآن کریم میں موجود ہے (لہٰذا ان پر تفصیلی ایمان ضروری ہے) ان کی تعداد پچیس ہے، جن میں سے اٹھارہ کا تذکرہ ایک ساتھ سورہ اَنعام کی درجِ ذیل چار آیات میں کیا گیا ہے: ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَتِلكَ حُجَّتُنَا آتَينَاهَا اِبرَاهِيمَ عَلَىٰ قَومِهِ نَرفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَشَاءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ، وَوَهَبنَالَهُ اِسحَاقَ وَيَعقُوبَ كُلّاً هَدَينَا وَنُوحاً هَدَينَا مِن قَبلُ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاودَ وَسُلَيمَانَ وَأَيُّوبَ وَ يُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ وَكَذَلِكَ نَجزِي المُحسِنِينَ، وَزَكَرِيَّا وَيَحيَىٰ وَعِيسَىٰ وَ اِليَاس كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ، وَ اِسمَاعِيلَ وَاليَسَعَ وَيُونُسَ ولُوطاً وَكُلّاً فَضَّلنَا عَلَىٰ العَالَمِينَ﴾ (۱) ترجمہ: (اور یہ ہماری حجت تھی وہ ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی، ہم جس کو چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں، بے شک آپ کا رب بڑا حکمت والا بڑا علم والا ہے۔ اور ہم نے ان کو اسحاق دیا اور یعقوب، ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی، اور پہلے زمانہ میں ہم نے نوح کو ہدایت کی اور ان کی اولاد میں سے داوٗد کو اور سلیمان کو اور ایوب کو اور

(۱) الأنعام [۸۳-۸۶]

یوسف کواور موسیٰ کواور ہارون کو،اوراسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزاء دیا کرتے ہیں۔اور نیز زکریا کواور یحییٰ کواور عیسیٰ اور الیاس کو،سب نیک لوگوں میں سے تھے،اور نیز اسماعیل کواور یسع کواور یونس کواور لوط کو،اور [ان میں سے] ہر ایک کو تمام جہاں والوں پر ہم نے فضیلت دی)

مذکورہ (اٹھارہ) انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ باقی سات کا تذکرہ قرآن کریم میں متفرق مقامات پر ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:﴿اِنَّ اللّٰهَ اصطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحاً وَّآلَ اِبرَاهِيمَ وَ آلَ عِمرَانَ عَلَىٰ العَالَمِينَ﴾ (۱) ترجمہ:(بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام جہان کے لوگوں میں سے آدم [علیہ السلام] کواور نوح [علیہ السلام] کو' ابراہیم [علیہ السلام] کے خاندان اور عمران کے خاندان کو منتخب فرمالیا) اس آیت میں حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ موجود ہے (اسی آیت میں اگرچہ دیگر انبیائے کرام کا تذکرہ بھی موجود ہے،لیکن چونکہ ان کا تذکرہ اس سے قبل سورہ اَنعام میں بھی گذر چکا ہے،لہٰذا یہاں اس آیت کے حوالہ سے مقصود صرف حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ ہے)

نیز ارشاد ہے:﴿وَاِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُم هُوداً﴾ (۲) ترجمہ:(اور قومِ عاد کی طرف ان کے بھائی ہود [علیہ السلام] کو ہم نے بھیجا)

نیز ارشاد ہے:﴿وَاِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُم صَالِحاً﴾ (۳) ترجمہ:(اور قومِ ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح [علیہ السلام] کو ہم نے بھیجا)

(۱) آل عمران [۳۳] (۲) اعراف [۶۵] نیز: ہود [۵۰]

(۳) اعراف [۷۳] نیز: ہود [۶۱]

﴿وَاِلَىٰ مَدیَنَ أَخَاهُم شُعَیباً﴾ (۱) ترجمہ:(اورہم نے مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیب[علیہ السلام] کو بھیجا)

﴿وَاِسمَاعِیلَ وَ اِدرِیسَ وَذَا الکِفلِ کُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِینَ﴾ (۲) ترجمہ:(اوراسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل[علیہم السلام] ، یہ سب صابرلوگ تھے)

(یہاں حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا بیان مقصود ہے، کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ اس سے قبل سورہ اَنعام میں گذر چکا ہے)

نیزارشاد ہے:﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ وَالَّذِینَ مَعَهٗ أَشِدَّآءُ عَلَىٰ الکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَینَهُم﴾ (۳) ترجمہ:(محمد[ﷺ] اللہ کے رسول ہیں،اورجولوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پرسخت ہیں' آپس میں رحمدل ہیں)

اس طرح قرآن کریم میں مذکورانبیائے کرام علیہم السلام کی تعداد[پچیس]مکمل ہوگئی۔

حضرات انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام میں فرقِ مراتب :

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اس کے علمِ کامل اورحکمتِ تامہ کے تقاضوں کے مطابق (جسے صرف وہی جانتا ہے)حضرات انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام میں فرقِ مراتب یا ''تفاضل''یعنی ان کے مقام ومرتبہ میں فرق اوردرجہ بندی رکھی گئی ہے،جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿تِلكَ الرُّسُلُ فَضَّلنَا بَعضَهُم عَلَىٰ بَعضٍ مِنهُم مَّن کَلَّمَ اللّٰہُ وَرَفَعَ بَعضَهُم دَرَجَاتٍ وَآتَینَا عِیسَىٰ ابنَ مَریَمَ البَیِّنَاتِ وَأَیَّدنَاهُ بِرُوحِ القُدُس﴾(۴)ترجمہ:(یہ رسول ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے بعض پرفضیلت دی ہے،

(۱)اعراف[۸۵]نیز:ہود[۸۴] (۲)الانبیاء[۸۵] (۳)الفتح[۲۹] (۴)البقرۃ[۲۵۳]

ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بات چیت کی ہے اور بعض کے درجات بلند کئے ہیں، اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو معجزات عطاء فرمائے اور روح القدس سے ان کی تائید کی)

اسی طرح ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَلَقَد فَضَّلنَا بَعضَ النَّبِیّنَ عَلَیٰ بَعضٍ وَّ آتَینا دَاوُودَ زَبُوراً﴾ (۱) ترجمہ: (ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت وبرتری دی ہے اور داؤد کو زبور ہم نے عطاء کی ہے)

☆اولوالعزم:

چنانچہ حضرات انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام میں سے چند حضرات کا درجہ عنداللہ باقی سب ہی سے بلند وبرتر ہے اور اسی لئے انہیں ''اولوالعزم'' یعنی ''عالی ہمت'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿فَاصبِر کَمَا صَبَرَ أُولُوا العَزمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ (۲) ترجمہ: (پس [اے رسول!] آپ ایسا صبر کیجئے جیسا صبر ''عالی ہمت'' رسولوں نے کیا)

چنانچہ اہلِ علم کے بقول ''اولوالعزم'' سے مراد وہ پانچ ہستیاں ہیں جن کا تذکرہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل دو آیتوں میں ہے:

۱۔﴿وَ اِذ أَخَذنَا مِنَ النَّبِیّنَ مِیثَاقَھُم وَمِنكَ وَمِن نُوحٍ وَّ اِبرَاھِیمَ وَمُوسَیٰ وَعِیسَیٰ ابنِ مَریَمَ وَأَخَذنَا مِنھُم مِیثَاقاً غَلِیظاً﴾ (۳) ترجمہ: (اور جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور [بالخصوص] آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے، اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا)

(۱) الاسراء ربنی اسرائیل [۵۵] (۲) محمد [۳۵] (۳) الأحزاب [۷]

۲۔﴿شَرَعَ لَكُم مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهٖ نُوحاً وَّ الَّذِي أوحَينَا اِلَيكَ وَ مَا وَصَّينَا بِهٖ اِبرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أنْ أقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ (۱) ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کر دیا ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جو [بذریعۂ وحی] ہم نے آپ کی طرف بھیج دیا ہے، اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا، کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا)

گذشتہ دونوں آیتوں میں جن پانچ انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کا تذکرہ ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ (جن کا تذکرہ ان دونوں آیتوں میں مخاطب کی ضمیر سے کیا گیا ہے، پہلی آیت میں: [وَمِنكَ] اور دوسری آیت میں: [وَّ الَّذِي أوحَينَا اِلَيكَ]۔

۲۔ حضرت نوح علیہ السلام

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام

۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

۵۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

لہٰذا تمام حضرات انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کی مقدس وانتہائی برگزیدہ جماعت میں سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ان مذکورہ بالا پانچ ہستیوں کو خاص امتیاز اور اعلیٰ ترین مقام ومرتبہ سے سرفراز کیا گیا ہے۔

اور پھر ان مذکورہ بالا پانچ ہستیوں (اولوالعزم) میں سے رسول اللہ ﷺ کو مزید خاص شرف ومرتبہ حاصل ہے، جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں درج ہے۔

(۱) الشوریٰ [۱۳]

رسول اللہ ﷺ کے امتیازی اوصاف :

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو ایسی خصوصیات سے سرفراز کیا گیا جن سے آپ ﷺ کی باقی تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر فضیلت و برتری واضح وثابت ہوتی ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے گذشتہ انبیائے کرام علیہم السلام کو جو محاسن وکمالات علیحدہ علیحدہ عطاء فرمائے تھے، رسول اللہ ﷺ کی شخصیت میں ان سب کو یکجا کر دیا گیا۔لہٰذا آپ ؐ کی ہستی یقیناً انتہائی اعلیٰ ترین خوبیوں اور نمایاں ترین خصوصیات کی حامل ہے،اس سلسلہ میں تفصیل درجِ ذیل ہے:

(۱) تکمیلِ دین:

نبوت کا وہ مبارک سلسلہ جس کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی تھی رسول اللہ ﷺ کی بعثت وتشریف آوری پر یہ مبارک سلسلہ اپنے عروج اور مرحلۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿اَلیَومَ أکمَلتُ لَکُم دِینَکُم وَ أتمَمتُ عَلَیکُم نِعمَتِي وَرَضِیتُ لَکُم الاِسلَامَ دِیناً﴾ (۱) ترجمہ: (آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا)

(۲) ختمِ نبوت:

رسول اللہ ﷺ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے تمام بنی نوعِ انسان کی ہدایت ورہنمائی کی

(۱) المائدہ [۶]

غرض سے آخری نبی اور رسول بنا کر بھیجا گیا، لہٰذا آپ ؐ کے بعد قیامت تک اور کوئی نبی یا رسول نہیں آئیگا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُم وَلٰكِن رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّنَ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيءٍ عَلِيماً﴾ (۱) ترجمہ: (محمد [ﷺ] تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن آپ ؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا بخوبی جاننے والا ہے)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (وَ خُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ) (۲) ترجمہ: (اور مجھ پر نبوت کا سلسلہ مکمل کر دیا گیا)

☆......لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی اور شخصیت کے بارے میں کسی بھی معنیٰ ومفہوم میں نبوت کا عقیدہ رکھنا دائرہ اسلام سے خروج اور صریح کفر ہے۔

☆......البتہ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے قیامت کے قریب آسمان سے نزول فرمائیں گے، لیکن آپ علیہ السلام کی یہ دوبارہ تشریف آوری مستقل نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی امت میں آپ ؐ کے خلیفہ اور جانشین کی حیثیت سے ہوگی، لہٰذا اُس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے مطابق حکومت فرمائیں گے، جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے: (فَيَقتُلُ الدَّجَّالَ، وَ يَكسِرُ الصَّلِيبَ، وَ يَقتُلُ الخِنزِيرَ، وَيَضَعُ الجِزيَةَ، وَلَايَقبَلُ اِلَّا الاِسلَامَ) (۳) یعنی: ''[حضرت عیسیٰ علیہ السلام] دجال کو قتل کریں گے، صلیب کو توڑ ڈالیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، [غیر مسلموں پر] جزیہ عائد کریں گے اور دینِ اسلام کے سوا [کسی سے] کوئی اور مذہب ہرگز قبول نہیں کریں گے''۔

(۱) الاحزاب [۴۰] (۲) بخاری [۳۵۳۳] (۳) بخاری [۲۲۲۲] مسلم [۲۲۸۷]

(۳) سابقہ شریعتوں کی منسوخی:

رسول اللہ ﷺ کی بعثت وتشریف آوری کے ساتھ ہی تمام سابقہ آسمانی شریعتیں منسوخ ہوگئیں، اب قیامت تک ہر طالبِ حق کیلئے دینِ اسلام کو قبول کرنا اور شریعتِ محمدیہ کا اتباع ضروری ولازمی ہے، اب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دینِ حق ' صراطِ مستقیم ' اور راہِ نجات صرف اور صرف یہی دینِ اسلام ہی ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الاِسلَامُ﴾ (۱)
ترجمہ: (بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے)

نیز ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ یَّبتَغِ غَیرَ الاِسلَامِ دِیناً فَلَنْ یُّقبَلَ مِنهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الخَاسِرِینَ﴾ (۲) ترجمہ: (اور جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے، اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ نقصان پانے والوں میں ہوگا)

(۴) عمومیت:

رسول اللہ ﷺ سے قبل تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی برگزیدہ جماعت میں سے ہر ایک کی نبوت محض اپنی قوم تک محدود تھی، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَ اِلَیٰ عَادٍ أَخَاهُم هُوداً﴾ (۳) ترجمہ: (اور قومِ عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو ہم نے بھیجا)

نیز ارشاد ہے: ﴿وَ اِلَیٰ ثَمُودَ أَخَاهُم صَالِحاً﴾ (۴) (اور قومِ ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو ہم نے بھیجا)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿وَ اِلَیٰ مَدیَنَ أَخَاهُم شُعَیباً﴾ (۵) (اور ہم نے مدین والوں

(۱) آل عمران [۱۹] (۲) آل عمران [۸۵] (۳) اعراف [۶۵] نیز: ہود [۵۰]

(۴) اعراف [۷۳] نیز: ہود [۶۱] (۵) اعراف [۸۵] نیز: ہود [۸۴]

کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا)

نیز ارشاد ہے:﴿اِنَّا أرسَلنَا نُوحاً اِلَیٰ قَومِهٖ......﴾ (۱) ترجمہ:(یقیناً ہم نے بھیجا نوح [علیہ السلام] کو ان کی قوم کی طرف)

گذشتہ آیات سے یہ بات واضح ہے کہ گذشتہ انبیائے کرام علیہم السلام میں سے ہرایک کو صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔جبکہ اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ کی نبوت وبعثت تمام بنی نوعِ انسان کیلئے تھی۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:﴿وَ مَا أرسَلنَاكَ اِلّا رَحمَةً لِّلعَالَمِينَ﴾ (۲) ترجمہ:(اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کیلئے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے)

نیز ارشاد ہے:﴿قُل يَاأيُّهَا النَّاسُ اِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ اِلَيكُم جَمِيعاً الّذي لَهٗ مُلكُ السَّمَاوَاتِ وَ الأرضِ لَااِلٰـهَ اِلَّاهُوَ يُحيِي وَيُمِيتُ﴾ (۳) ترجمہ:(آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو!میں تم سب کی طرف اس اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے،اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں،وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے)

نیز ارشاد ہے:﴿وَمَاأرسَلنَاكَ اِلّاكَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيراً وَّنَذِيراً﴾ (۴) ترجمہ:(ہم نے آپ کو تمام لوگوں کیلئے خوشخبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے)

نیز ارشاد ہے:﴿وَأوحِيَ اِلَيَّ هَذَا القُرآنُ لِأُنذِرَكُم بِهٖ وَمَن بَلَغَ﴾ (۵) ترجمہ:(اور میرے پاس یہ قرآن بطور وحی کے بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس قرآن کے ذریعہ

(۱)نوح[۱] (۲)لانبیاء[۱۰۷] (۳)الأعراف[۱۵۸] (۴)سبا[۲۸]

(۵)الأنعام[۱۹]

سے تم کو اور جس کو یہ قرآن پہنچے ان سب کو ڈراؤں)

نیز ارشاد ہے:﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الفُرقَانَ عَلَىٰ عَبدِهٖ لِيَكُونَ لِلعَالَمِينَ نَذِيراً﴾ (۱) ترجمہ: (بہت بابرکت ہے وہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا تاکہ وہ تمام لوگوں کیلئے آگاہ کرنے والا بن جائے)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (كَانَ النَّبِيُّ يُبعَثُ اِلَىٰ قَومِهٖ خَاصَّةً ، وَبُعِثتُ اِلَىٰ النَّاسِ عَامَّةً) (۲) ترجمہ: ([مجھ سے پہلے] ہر نبی کو صرف اپنی ہی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا، جبکہ مجھے تمام بنی نوعِ انسان کی طرف مبعوث کیا گیا ہے)

نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم پر گذشتہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے اپنی اپنی امت سے اس بات کا عہد لیا کہ اگر انہوں نے نبی آخر الزمان ﷺ کو پالیا تو وہ ضرور ان پر ایمان قبول کرینگے اور ہر ممکن طریقہ سے ان کی اعانت ونصرت کریں گے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿وَ اِذ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَا آتَيتُكُم مِّن كِتَابٍ وَّحِكمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُم رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُم لَتُؤمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنصُرَنَّهٗ قَالَ أأقرَرتُم وَأَخَذتُم عَلَىٰ ذٰلِكُم اِصرِي قَالُوا أَقرَرنَا قَالَ فَاشهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِنَ الشَّاهِدِينَ فَمَن تَوَلَّىٰ بَعدَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الفَاسِقُونَ﴾ (۳) ترجمہ: (اور جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب وحکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے، تو تمہارے لئے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے، [اللہ نے] فرمایا کہ تم اس [عہد] کے اقراری

(۱) الفرقان [۱]

(۲) بخاری [۳۲۸] کتاب التیمم وقول اللہ تعالیٰ: فان لم تجدوا ماء......، مسلم [۵۲۱] کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ۔

(۳) آل عمران [۸۱-۸۲]

ہواوراس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا کہ ہمیں اقرار ہے، فرمایا: تو اب گواہ رہو، اور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں، پس اس کے بعد بھی جو پلٹ جائیں وہ یقیناً پورے نافرمان ہیں)

نیز ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَ اِذقَالَ عِیسَیٰ ابنُ مَرِیَمَ یَا بَنِي اِسرَائِیلَ اِنّي رَسُولُ اللّٰهِ اِلَیکُم مُصَدِّقاً لِّمَا بَینَ یَدَيَّ مِنَ التَّورَاةِ وَمُبَشِّراً بِرَسُولٍ یَّأتِي مِنْ بَعدِهِ اسمُهٗ أحمَدُ﴾ (۱) ترجمہ: (اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا: [اے میری قوم] بنی اسرائیل! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں مجھ سے پہلے کی کتاب تورات کی میں تصدیق کرنے والا ہوں، اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تمہیں خوشخبری سنانے والا ہوں جن کا نام احمد ہے)

گذشتہ نصوص کی روشنی میں یہ بات بخوبی واضح وثابت ہوگئی کہ تمام سابقہ انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کے برعکس رسول اللہ ﷺ کی نبوت وبعثت زمان ومکان کی تحدید سے بالاتر ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کی بعثت قیامت تک ہر انسان کیلئے ہے، خواہ وہ کسی بھی زمانے میں ہو' کوئی بھی زبان بولتا ہو' اوراس کا تعلق کسی بھی رنگ ونسل' ملک' قوم' یا قبیلے سے ہو۔

(۵) سید الأنبیاء والمرسلین:

رسول اللہ ﷺ سید الأنبیاء والمرسلین ہیں، جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: (أَنَــا سَیِّـدُ النَّـاسِ) (۲) یعنی: ''میں تمام انسانوں کا سردار ہوں''۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث میں (سَیِّدُ وَلَدِ آدَمَ) (۳) کے الفاظ ہیں، یعنی: ''میں تمام بنی آدم کا سردار ہوں''۔

(۱) الصّف [۶] (۲) یہ ''حدیث الشفاعۃ'' کے نام سے معروف طویل حدیث کا حصہ ہے جو کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بخاری [۳۳۶۱] نیز: مسلم [۱۹۴] میں مروی ہے۔ (۳) مسلم [۲۲۷۸]

نیز اسراء ومعراج کے موقع پر جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو مسجد اقصیٰ میں جمع فرمایا اس موقع پر آپ ﷺ نے ان کی امامت فرمائی اور تمام انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی، جوکہ آپ ﷺ کی ان تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر فضیلت وبرتری کی واضح دلیل ہے۔

نیز اس واقعہ میں اس عظیم الشان اور اہم ترین حقیقت کی طرف اشارہ بھی مقصود ہے کہ نبی آخر الزمان اور خاتم الأنبیاء والمرسلین ﷺ کی بعثت وتشریف آوری کے بعد اب سابقہ تمام شریعتیں منسوخ ہوگئیں اور تمام گذشتہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے متبعین کیلئے صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واقتداء اور آپ ؐ کی لائی ہوئی شریعت کا اتباع ہی ضروری ولازمی ہے۔(۱)

(۶) حفاظتِ کتاب:

گذشتہ انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف نازل شدہ تمام آسمانی کتابیں زمانے کے ہاتھوں تحریف وتغییر اور قطع وبرید کا شکار ہوگئیں۔ جبکہ نبی آخر الزمان' خاتم الأنبیاء والمرسلین ﷺ کی طرف نازل شدہ آخری آسمانی کتاب یعنی قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے لیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُونَ﴾ (۲) ترجمہ: (یقیناً ہم نے ہی یہ نصیحت [قرآن] نازل کی ہے اور بیشک ہم ہی اس کے محافظ ہیں) لہٰذا چودہ سو سال سے زائد عرصہ گذر جانے کے باوجود قرآن کریم کا ایک ایک حرف آج بھی بعینہٖ اسی حالت میں موجود ومحفوظ ہے کہ جس طرح اللہ سبحانہ و

(۱) کیونکہ جب گذشتہ انبیائے کرام علیہم السلام نے آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی تو اب ان کے متبعین کیلئے تو آپ ﷺ کی اقتداء واتباع بدرجہء اولیٰ ضروری ہے۔ (۲) الحجر [۹]

تعالیٰ کے حکم سے جبریل امین نے رسول اللہ ﷺ کو سکھایا اور پڑھایا تھا، اور پھر جس طرح آپ ﷺ نے اپنے اصحابِ کرام کو سکھایا اور پڑھایا۔

اور پھر خاص طور پر قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ چودہ سو سال سے زائد عرصہ گذر جانے کے باوجود آج تک یہ قرآن صرف تحریری شکل میں ہی نہیں بلکہ لاکھوں اہلِ ایمان کے سینوں میں بھی محفوظ ہے، اور اللہ کے حکم سے یہ قرآن آئندہ بھی اسی طرح اپنی اصلی حالت میں موجود و محفوظ رہیگا۔

(۷) حفاظتِ حدیث:

گذشتہ تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کے برعکس رسول اللہ ﷺ کو یہ خاص شرف حاصل ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے آپؐ کی احادیثِ مبارکہ' آپؐ کی سنت اور تعلیمات وہدایات کی حفاظت کا بھی انتظام کیا گیا ہے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے قیامت تک تمام بنی نوعِ انسان کیلئے سرچشمۂ ہدایت ہے، جبکہ آپؐ کی سنت اس قرآن کی ہی تفسیر وتشریح ہے۔ لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے آپؐ کی سنت' آپؐ کی تعلیمات اور احادیث کے عظیم ذخیرہ کی حفاظت کیلئے بھی اسباب ووسائل کا غیبی انتظام ہوا اور ہر دور میں حضرات محدثین کرام کی ایک بڑی جماعت ایسی موجود رہی کہ جس نے سنت نبوی کی حفاظت کی خاطر اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور اسی میں شغف ومشغولیت کو اپنے لئے اوڑھنا بچھونا بنایا۔

(۸) صاحبِ اسراء ومعراج:

واقعۂ اسراء ومعراج ابتداء سے انتہاء تک یقیناً عجیب وغریب اور انتہائی محیر العقول امور پر

مشتمل ہے،اور یہ واقعہ صرف رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی پیش آیا،لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے تمام انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کی برگزیدہ ومقدس ترین جماعت میں سے اس عظیم ترین شرف اوراہم ترین مرتبے کیلئے صرف رسول اللہ ﷺ کا انتخاب کیا گیا، جوکہ یقیناً آپ ﷺ کی انتہائی اہم اورعظیم ترین خصوصیت ہے۔

(۹)صاحبِ ''شفاعتِ عظمیٰ'':

قیامت کے روز جب محشر کی ہولناکیوں کی وجہ سے تمام انسان انتہائی حیران وپریشان اور تھکاوٹ سے چور ہوں گے،اس وقت وہ یکے بعد دیگرے مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کی خدمت میں شفاعت کی غرض سے حاضر ہوں گے،تاکہ یہ انبیائے کرام علیہم السلام اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں تمام انسانوں کیلئے اس بات کی شفاعت کریں کہ اب حساب وکتاب کا سلسلہ شروع کیا جائے تاکہ اس طویل ترین اورہولناک ترین مرحلہ کی جلد تکمیل ہوسکے،اس موقع پرصورتِ حال کی شدید نزاکت کے پیشِ نظر یہ انبیائے کرام علیہم السلام (اپنے تمامتر مقام ومرتبے کے باوجود) اس شفاعت سے معذرت کا اظہار کردیں گے، بالآخرسب ہی انسان اپنی یہی غرض اورفریاد لئے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے، چنانچہ آپ ؐ اللہ کی اجازت سے تمام انسانوں کیلئے اس مقصد کیلئے ''شفاعت'' فرمائیں گے، جس کے نتیجے میں محاسبہ (یعنی تمام انسانوں کے حساب وکتاب) کے مرحلہ کا آغاز کیا جائے گا۔(۱)

(۱) قیامت کے روز مختلف مراحل اورمختلف مواقع پراللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اجازت سے رسول اللہ ﷺ مختلف لوگوں کیلئے ''شفاعت'' فرمائیں گے،جن میں سے سب سے پہلا مرحلہ یہی ہوگا جس کا یہاں تذکرہ ہے، یعنی حساب وکتاب شروع کرنے کیلئے شفاعت،تاکہ لوگوں کوروزِ محشر کی سختیوں اورہولناکیوں سے جلد نجات نصیب ہوسکے۔اسی شفاعت کا نام ''شفاعتِ عظمیٰ'' ہے،اور یہ شفاعت سب ہی انسانوں کیلئے ہوگی۔اس شفاعت کا

(۱۰) صاحبِ ''مقامِ محمود'':

جیسا کہ گذشتہ سطور میں یہ تذکرہ ہو چکا ہے کہ قیامت کے روز جب مختلف انبیائے کرام علیہم السلام لوگوں کی طرف سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کے مطالبہ پر معذرت کا اظہار کردیں گے اور بالآخر رسول اللہ ﷺ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اجازت ملنے پر شفاعت فرمائیں گے جس کا نام ''شفاعتِ عظمیٰ'' ہے۔ اس موقع پر تمام انسانوں کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا عنداللہ اصل مقام ومرتبہ ظاہر ومنکشف ہوگا اور سب ہی لوگ بشمول حضرات انبیاء ورسل علیہم السلام آپ ﷺ کو رشک کی نگاہ سے دیکھیں گے، کیونکہ وہ کام جس کی جسارت جلیل القدر اور اولوالعزم انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام نہ کر سکے (یعنی شفاعتِ عظمیٰ) وہ کام رسول اللہ ﷺ نے انجام دیا، جو کہ یقیناً بہت ہی بلند ترین رتبہ ومقام اور انتہائی اعلیٰ ترین اعزاز ہے اور جس پر سب ہی لوگ آپ ﷺ کی مدح وتوصیف بیان کریں گے۔ ''مقامِ محمود'' سے یہی مراد ہے۔(۱)

باقی از حاشیہ صفحہ گذشتہ:

تذکرہ کتبِ حدیث میں ''حدیث الشفاعۃ'' کے نام سے معروف طویل اور مفصل حدیث میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو: صحیح بخاری: [۲۲۲۲] صحیح مسلم [۲۴۲]۔ نیز اس کتاب میں آئندہ ''شفاعت'' کے باب (صفحہ: ۲۲۷) میں مزید تفصیل ملاحظہ ہو۔

(۱) اس سلسلہ میں مزید تفصیل کیلئے کتبِ تفسیر (خصوصاً تفسیر ابن کثیر) میں: ﴿عَسیٰ أن یَّبعَثَكَ رَبُّكَ مَقاماً مَّحمُوداً﴾ [بنی اسرائیل / الاسراء : ۷۹] کی تفسیر ملاحظہ ہو۔ نیز کتبِ حدیث میں مذکور احادیث الشفاعۃ ملاحظہ ہوں۔ اس کے علاوہ درجِ ذیل کتب میں بھی اس بارے میں تفصیل ملاحظہ ہو:

شرح العقیدۃ الطحاویۃ، صفحہ: ۲۰۲، از: ابن ابی العز الحنفی۔ شرح العقیدۃ الواسطیۃ، صفحہ: ۱۲۸، از: صالح بن فوزان۔ العقائد الاسلامیۃ، از: سید سابق۔ الایمان، از: محمد نعیم یاسین۔

(۱۱) صاحبِ ''الوسیلہ'':

''الوسیلہ'' سے مراد جنت میں ایک خاص اور اعلیٰ ترین مقام ہے جو کہ تمام انسانوں میں سے صرف کسی ایک انسان کو عطاء کیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (وَ أرجُو أن أكُونَ أنَا هُوَ، فَمَن سَألَ اللّهَ لِيَ الوَسِيلَةَ حَلَّتْ عَلَيهِ الشَّفَاعَةُ يَومَ القِيَامَةِ) (۱) ترجمہ: (مجھے اس بات کی امید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں گا، پس جو کوئی اللہ سے میرے لئے ''الوسیلۃ'' طلب کرے گا قیامت کے روز وہ [میری] شفاعت کا مستحق ہوگا) (۲)

(۱۲) تمام انسانیت کیلئے ''اسوۂ حسنہ'':

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (۳)
ترجمہ: (یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ہستی میں بہترین نمونہ ہے)

اس آیت کی رو سے ہر مسلمان کیلئے یہ بات ضروری ولازمی ہے کہ وہ زندگی کے ہر معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کو اپنے لئے بہترین مثال اور قابلِ تقلید نمونہ تصور کرے اور آپ ﷺ کی تعلیمات وہدایات کو اپنے لئے مشعلِ راہ اور روشنی کا مینار سمجھے۔

☆...... یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ تمام بنی نوعِ انسان میں سے صرف رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے تمام دنیائے انسانیت کیلئے بہترین مثال اور قابلِ تقلید نمونہ قرار دیا گیا اور تمام اہلِ ایمان کو آپ ﷺ کا اخلاق وکردار اپنانے کی تاکید و

(۱) مسلم [۳۸۴]

(۲) لہٰذا اذان کے بعد جو مسنون دعاء پڑھی جاتی ہے اس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے رسول اللہ ﷺ کیلئے روزِ قیامت ''مقامِ محمود'' نیز ''وسیلہ'' کی دعاء مانگی جاتی ہے۔ (۳) الاحزاب [۲۱]

تلقین کی گئی ہے، اس بارے میں اگر غور وفکر کیا جائے تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ تمام دنیائے انسانیت کیلئے قابلِ تقلید نمونہ اور مثال صرف اسی شخصیت کو قرار دیا جاسکتا ہے جس میں درجِ ذیل دواوصاف موجود ہوں:

ا۔سیرت وتعلیمات کا محفوظ ومعلوم ہونا:

یعنی اگر کوئی شخص کسی مخصوص شخصیت کو اپنے لئے مثال اور نمونہ قرار دیتے ہوئے اس کی تعلیمات کی پیروی اور اتباع کا خواہشمند ہوتو اس مقصد کیلئے ضروری ہے کہ اس مخصوص شخصیت کے حالاتِ زندگی اور اس کی تعلیمات وہدایات محفوظ اور معلوم ہوں، ورنہ یہ کہ اگر اس کی تعلیمات کے بارے میں کسی کو علم ہی نہ ہوتو پھر ان پر عمل کس طرح کیا جائیگا؟ لہٰذا قابلِ تقلید نمونہ یا اسوہ حسنہ صرف ایسی شخصیت کو قرار دیا جاسکتا ہے جس کے حالاتِ زندگی محفوظ ہوں، جس کا اخلاق وکردار معلوم ومعروف ہو، جس کی تعلیمات وہدایات محفوظ ہوں اور ان کے بارے میں بسہولت معلومات حاصل کی جاسکتی ہوں۔

اس دنیا میں بیشمار مشہور ومعروف اور بڑی نامور ہستیاں گذری ہیں، جن میں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی جلیل القدر ہستیاں بھی شامل ہیں، عظیم فاتحین وسلاطین بھی شامل ہیں، بڑے بڑے دانشور، مصلحین ومجددین، سیاسی ومذہبی رہنما، شعراء وادباء اور شعلہ بیان خطباء ومقررین کی بھی طویل فہرست ہے، لیکن یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ آج ان ہستیوں میں سے کسی کے بھی حالات یا تعلیمات اس قدر محفوظ ومعلوم نہیں کہ جس قدر رسول اللہ ﷺ کی سیرت' آپؐ کے حالاتِ زندگی نیز آپؐ کی تعلیمات وہدایات محفوظ ومعلوم ہیں، چنانچہ آپؐ کی ولادت' آپؐ کا بچپن' آپؐ کی پاکیزہ جوانی' آپؐ کی بعثت' آپؐ کی ہجرت' آپؐ کی عبادت' آپؐ کی تجارت' آپؐ کی سیاست' آپؐ کی گھریلو زندگی'

آپؐ کی مسجد کی زندگی' آپؐ کی بازار کی زندگی' آپؐ کے صلح وجنگ کے حالات و واقعات' سفر وحضر کے حالات و واقعات' آپؐ کے اخلاق و عادات' آپؐ کا حلیہ مبارکہ' آپؐ کا اندازِ تکلم' اندازِ تبسم' آپؐ کی رفتار وگفتار' آپؐ کی نشست وبرخواست' آپؐ کے کھانے پینے کے طور طریقے' اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ آپؐ کی معاشرت' نیز اپنے اصحاب کے ساتھ آپؐ کا رویہ وسلوک' غرضیکہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ نیز آپؐ کی پاکیزہ ومقدس تعلیمات کا ہر پہلو اور ہر گوشہ نہایت ہی وضاحت وتفصیل کے ساتھ سیرت کی کتابوں میں موجود ومحفوظ ہے، گویا آپؐ کی سیرت نیز آپؐ کی تعلیمات وہدایات کسی کھلی کتاب کی طرح دنیا کے سامنے موجود ہیں، اور تمام دنیائے انسانیت میں یقیناً یہ امتیازی وصف صرف اور صرف آپؐ ہی کو حاصل ہے، تمام بنی نوعِ انسان میں آپؐ کے سوا اور کسی کو یہ امتیازی وصف اور یہ شرف حاصل نہیں ہو سکا۔

۲۔ جامعیت واکملیت:

تمام دنیائے انسانیت کیلئے اسوہ حسنہ اور قابلِ تقلید نمونہ صرف ایسی شخصیت کو ہی قرار دیا جاسکتا ہے جس میں جامعیت واکملیت کی صفت پائی جاتی ہو، جس کی شخصیت ہمہ گیر ہو، اور یقیناً یہ امتیازی وصف اور شرف بھی تمام بنی نوعِ انسان میں صرف رسول اللہ ﷺ ہی کو حاصل ہے، چنانچہ آپؐ نے بعثت سے قبل بکریاں بھی چرائیں، محنت ومشقت بھی کی، تجارت بھی کی، آپؐ واعظ وناصح بھی تھے، معلم ومربی بھی تھے، قاضی ومُنصف بھی تھے، اسلامی سلطنت کے فرمانروا اور پیشوا بھی تھے، اسلامی لشکر کے سپہ سالار بھی تھے، اپنی مسجد میں امام وخطیب بھی تھے، مثالی شوہر اور مشفق ومہربان باپ بھی تھے۔

☆......لہٰذا اگر کوئی تاجر ہے تو اس کیلئے آپ ﷺ کی زندگی کا وہ دور نمونہ ہے جب تجارت

کے حوالے سے چہار سو آپؐ کی امانت ودیانت کے چرچے تھے، اپنے اور پرائے سب ہی آپؐ کو ''صادق'' و ''امین'' کے لقب سے پکارتے تھے۔

☆ ......اگر کوئی مظلوم ومجبور ہے تو اس کیلئے آپ ﷺ کی مکی زندگی کا وہ دور نمونہ ہے جو بے پناہ مصائب ومشکلات سے بھرپور تھا، خصوصاً وہ عرصہ جو آپ ﷺ نے کفارِ مکہ کی طرف سے مقاطعہ (سوشل بائیکاٹ) کے دوران شعبِ ابی طالب میں انتہائی بے بسی اور عسرت وتنگی کی کیفیت میں گذارا۔

☆ ......اگر کوئی فاتح وغالب ہے تو اس کیلئے آپ ﷺ کی زندگی کا وہ حصہ نمونہ اور مثال ہے جب آپؐ کو اللہ نے کفارِ مکہ کے مقابلے میں ہمیشہ کیلئے فتح وغلبہ سے نوازا، اور فتحِ مکہ کے تاریخی اور یادگار موقع پر آپؐ فاتحانہ شان وشوکت یا کبر وغرور کی بجائے اپنے رب کی کبریائی اور حمد وثناء بیان کرتے ہوئے انتہائی عاجزی وانکساری کے عالم میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، اور اس وقت کفارِ مکہ جب آپ ﷺ کے سامنے عاجز وبے بس تھے اور مکمل طور پر آپؐ کے رحم وکرم پر تھے، آپؐ نے انتقام کی مکمل قدرت وطاقت کے باوجود کسی سے کوئی انتقام نہیں لیا اور اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف فرمادیا۔

لہٰذا اگر کوئی شخص مزدور ہو یا تاجر، کسی سلطنت کا فرمانروا اور حکمران ہو یا مسجد کا امام وخطیب، معلم ومربی ہو یا منصف وقاضی، سپاہی ہو یا سپہ سالار، غرض یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی ہستی میں ہر انسان کیلئے بہترین اسوہ اور قابلِ تقلید نمونہ موجود ہے، خواہ اس کا تعلق معاشرے کے کسی بھی طبقہ سے ہو۔(۱)

(۱) مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: الرّسالة المُحمّدية ۔ از: السید سلیمان الندوی۔ ناشر: الدار السعودیۃ للنشر والتوزیع، جدہ۔

نبوت ورسالت پرایمان کےفوائدوثمرات:

☆......نبوت ورسالت پریقین وایمان کی وجہ سے اہلِ ایمان یہ سوچتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ کس قدر احسانِ عظیم ہے کہ اس نے ان کی ہدایت کیلئے مختلف اوقات وازمان میں متعدد انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو ہدایت ورہنمائی کا سامان دے کر مبعوث فرمایا، تاکہ انسان ان مقدس وبرگزیدہ ہستیوں کی تعلیمات وہدایات سے استفادہ کرتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دینِ برحق کے بارے میں درست معرفت وبصیرت حاصل کرسکے، اپنے رب کی عبادت اس بصیرت کے ساتھ انجام دے، اس طرح وہ کفروشرک، معصیت وضلالت، اور جہالت کے اندھیروں میں بھٹکنے سے محفوظ رہ سکے، اس کیلئے ظاہری وباطنی اصلاح کا سامان ہوسکے، اوراسے دونوں جہانوں میں صلاح وفلاح نصیب ہوسکے، اوریوں اہلِ ایمان کے دل اپنے خالق ومالک کیلئے تشکروامتنان کے جذبات سے لبریز ہوجاتے ہیں۔

☆......حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی شخصیت اورسیرت وکردار کے مطالعہ سے اہلِ ایمان کو ہرحالت میں راہِ حق اورصراطِ مستقیم پرثابت قدمی ومکمل عزیمت واستقلال کے ساتھ گامزن رہنے کا سبق ملتاہے اوراس طرح انہیں یقیناً نیاولولہ، نیاجذبہ، اورنیاعزم نصیب ہوتاہے، اوریہ چیزان کیلئے دنیاوآخرت میں صلاح وفلاح کا ذریعہ ووسیلہ بنتی ہے۔

۞۞۞

پانچواں رکن:

''آخرت پر ایمان''

❁❁❁

رکن (۵)

آخرت پر ایمان:

آخرت کے لفظی واصطلاحی معنیٰ:

☆ آخرت کے لفظی معنیٰ ہیں: ''بعد میں آنے والی چیز''، چونکہ دنیا کی زندگی پہلے ہے اور آخرت کی زندگی اس کے بعد ہے اس لئے اسے ''آخرت'' کہا گیا۔

نیز آخرت کے معنیٰ: ''دیر تک باقی رہنے والی چیز'' بھی بیان کئے گئے ہیں، چونکہ دنیاوی زندگی مختصر، عارضی وفانی، اور جلد ختم ہو جانے والی ہے، جبکہ اس کے برعکس آخرت کی زندگی ابدی ودائمی ہے، لہٰذا اسے ''آخرت'' کہا گیا۔

نیز یہ کہ قیامت کا دن چونکہ ''آخری'' دن ہے، اس کے بعد اور کوئی دن کبھی نہیں آئے گا، لہٰذا اسے ''آخرت'' کہا گیا۔

☆ دین کی اصطلاح میں آخرت سے مراد قیامت کا دن ہے، جس روز اللہ کے حکم سے تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائیگا، ہر ایک سے اس کے عمل کے بارے میں سوال ہوگا، اور پھر اسے اچھا یا برا بدلہ دیا جائے گا۔

☆ آخرت کا مفہوم:

خالقِ کائنات کی طرف سے اس کائنات میں موجود ہر ہر چیز کی ایک طبعی عمر مقرر کر دی گئی ہے، خواہ اس چیز کا تعلق حیوانات سے ہو یا جمادات اور یا نباتات سے۔ سورج، چاند، ستارے، زمین، آسمان، درخت، یہ اونچے اونچے پہاڑ، اور یہ گہرے گہرے سمندر اور دریا،

نیز یہ انسان، یہ حیوان، درندے، پرندے......وغیرہ......، یہ سب اسی نظامِ قدرت کے تابع ہیں۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ خود انسانی جسم کے اندر بھی ہر چیز، ہر عضو اور ہر ہر ہڈی کی ایک طبعی عمر مقرر ہے، لہٰذا یہ بات عام مشاہدے کی ہے کہ انسانی اعضاء کس طرح عمر کے ساتھ ساتھ متاثر ہوتے ہیں اور ان میں کس طرح ٹوٹ پھوٹ ہوتی رہتی ہے اور ضعف و کمزوری کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ اسی حقیقت کی طرف قرآن کریم کی اس آیت میں بھی اشارہ ہے: ﴿اَللّٰهُ الَّذِي خَلَقَكُم مِن ضُعفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِن بَعدِ ضُعفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِن بَعدِ قُوَّةٍ ضُعفاً وَ شَيبَةً﴾ (۱)
ترجمہ: (اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا پھر اس کمزوری کے بعد توانائی دی، پھر اس توانائی کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا)

یعنی انسان اپنے بچپن میں کمزور ہوتا ہے، پھر جوانی میں وہ مضبوط و طاقتور ہو جاتا ہے، اس کے بعد بڑھاپے میں وہ دوبارہ کمزور و ناتواں ہو جاتا ہے۔ مگر اس موقع پر جو پریشانی کی بات ہے اور جسے سوچ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں وہ یہ کہ اگرچہ بڑھاپے میں بھی انسان اپنے بچپن کی طرح دوبارہ کمزور و ناتواں ہو جاتا ہے، مگر یہ کہ ان دونوں کمزوریوں میں بہت ہی بڑا فرق ہے۔ بچپن میں بھی انسان کمزور تھا مگر تب ہر گذرنے والے دن بلکہ ہر گذرنے والے لمحے کے ساتھ اس کی کمزوری دور ہو رہی تھی، جبکہ طاقت و توانائی میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا، یعنی ہر لمحے اس کا سفر بہتری کی طرف رواں دواں تھا، جبکہ بڑھاپے میں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، یعنی ہر لمحہ اس کی کمزوری میں مسلسل اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے، جس طرح سورج ہر صبح بوقتِ طلوع کمزور ہوتا ہے، پھر

(۱) الروم [۵۴]

دوپہر کے وقت وہ سر پر آ پہنچتا ہے، اس میں تیزی' گرمی' شدت' حدت اور قوت پیدا ہوجاتی ہے، وہ سروں پر آگ برساتا ہے، اس سے نظر ملانا مشکل ہوجاتا ہے، پھر شام کو وہ دوبارہ کمزور پڑجاتا ہے، اور ڈھلتے ڈھلتے بالآخر غروب ہوجاتا ہے۔

بعینہٖ یہی حال انسانی زندگی کا بھی ہے، پہلے بچپن کے دور میں کمزوری وناتوانی، اس کے بعد جوانی کے دور میں طاقت وقوت' جب وہ خوب سر چڑھ کر بولتا ہے اور تب اس سے نظر ملانا بھی مشکل ہوجاتا ہے، اس کے بعد زوال، اور پھر آخرکار موت......لہٰذا انسان کو ہر شام ڈوبتے ہوئے سورج سے سبق حاصل کرنا چاہئے اور اس منظر کو دیکھکر یہ سوچنا چاہئے کہ ایک روز اس کی اپنی زندگی کا سورج بھی اسی طرح غروب ہوجائے گا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿يُقَلِّبُ اللّٰهُ اللَّيلَ وَالنَّهَارَ اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَعِبرَةً لِأُولِي الأَبصَارِ﴾ (۱) ترجمہ: (اللہ تعالیٰ ہی دن اور رات کو ردوبدل کرتا رہتا ہے، آنکھوں والوں کیلئے تو اس میں یقیناً بڑی بڑی عبرتیں ہیں)

صبح ہوتی ہے' شام ہوتی ہے عمر یونہی تمام ہوتی ہے

أشابَ الصّغير و أفنىٰ الكبيرَ كرّ الغداةِ و مرّ العَشيّ

ترجمہ: صبح وشام کی اس مسلسل گردش اور سفر نے بچے کو بڑا کردیا، اور جو کوئی بڑا تھا اس کا خاتمہ ہی کرڈالا......

وقتِ طلوع دیکھا، وقتِ غروب دیکھا اب فکرِ آخرت کر، دنیا کو خوب دیکھا

دقّات قلب المرء قائلة لهٗ انّ الحياة دقائق وثوانٖ

یعنی انسان کے دل کی ہر دھڑکن ہمہ وقت اسے خبردار کررہی ہے کہ یہ زندگی تو محض چند گنے

(۱) النور[۴۴]

چنے لمحات ولحظات اور چند گنی چنی سانسوں کے مجموعے کا نام ہے۔

غافل! تجھے گھڑیال دیتا ہے منادی گھڑیوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

غرضیکہ نظامِ قدرت یہی ہے کہ اس کائنات میں ہر چیز کی ایک طبعی عمر مقرر ہے، بلکہ تمام زمین وآسمان کی ایک عمر مقرر ہے، لہٰذا اس مقررہ مدت کو پہنچ جانے کے بعد یہ تمام کائنات ختم ہوجائیگی، زمین وآسمان' سورج' چاند' ستارے' سب ہی شکست وریخت کا شکار ہوجائیں گے، اور اسی تباہی وبربادی کا نام قیامت ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں جابجا (خصوصاً مکی سورتوں میں) اس کی منظرکشی کی گئی ہے۔ اور پھر اس کائنات کی جگہ ایک نیا نظام وجود میں آئے گا، اور اسی نئے نظام کا نام ''آخرت'' ہے۔

☆ آخرت کے نام:

قرآن کریم میں ''آخرت'' کا تذکرہ متعدد ناموں سے کیا گیا ہے، جن میں سے ہر نام اس دن کی اہمیت وعظمت نیز اس کی ہولناکیوں پر دلالت کرتا ہے، ان میں سے چند نام یہ ہیں:

☆**الآخرة:** (آخرت) قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿بَل تُؤثِرُونَ الحَيَاةَ الدُّنيَا وَالآخِرَةُ خَيرٌ وَأبقَىٰ﴾ (۱) ترجمہ: (لیکن تم تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، اور آخرت بہت بہتر اور بہت بقاء والی ہے)

☆**يوم القيامة:** (قیامت کا دن، یعنی [اللہ کے سامنے حساب وکتاب کیلئے] کھڑے ہونے کا دن) ارشادِ ربانی ہے: ﴿لَا أُقسِمُ بِيَومِ القِيَامَةِ﴾ (۲) ترجمہ: (میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی) نیز ارشاد ہے: ﴿وَيَومَ القِيَامَةِ تَرَىٰ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ اللّٰهِ وُجُوهُهُم مُسوَدَّةٌ﴾ (۳) ترجمہ: (اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا

(۱) الاعلیٰ [۱۷-۱۸] (۲) القیامۃ [۱] (۳) الزمر [۶۰]

ہے تو آپ دیکھیں گے کہ قیامت کے دن ان کے چہرے سیاہ ہوگئے ہوں گے)

☆**یوم البعث :** (دوبارہ زندہ کئے جانے کا دن) قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا العِلمَ وَالاِيمَانَ لَقَد لَبِثتُم فِي كِتَابِ اللّٰه اِلَىٰ يَومِ البَعثِ فَهذَا يَومُ البَعثِ وَلٰكِنَّكُم كُنتُم لَاتَعلَمُونَ﴾ (۱) ترجمہ: (اور جن لوگوں کو علم اورر ایمان دیا گیا وہ جواب دیں گے کہ تم تو جیسا کہ کتاب اللہ میں ہے یوم قیامت تک ٹھہرے رہے، آج کا یہ دن قیامت ہی کا دن ہے لیکن تم تو یقین ہی نہیں مانتے تھے)

☆**یوم الفتح :** (فیصلے کا دن) ارشاد ہے:﴿وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هذَا الفَتحُ اِن كُنتُم صَادِقِينَ قُل يَومَ الفَتحِ لَايَنفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا اِيمَانُهُم وَلَاهُم يُنظَرُونَ﴾ (۲) ترجمہ: (اور کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ کب ہوگا ؟ اگر تم سچے ہو [تو بتلاؤ]، جواب دے دو کہ فیصلے والے دن ایمان لانا بے ایمانوں کو کچھ کام نہ آئے گا اور نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی)

☆**یوم الدّین :** (جزا یعنی بدلے کا دن) ارشاد ہے:﴿مَالِكِ يَومِ الدِّينِ﴾ (۳) ترجمہ: (مالک ہے بدلے کے دن کا)

☆**یوم الحِساب :** (حساب کا دن) ارشاد ہے: ﴿وَقَالَ مُوسَىٰ اِنِّي عُذتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُم مِن كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّايُؤمِنُ بِيَومِ الحِسَابِ﴾ (۴) ترجمہ: (اور موسیٰ [علیہ السلام] نے کہا: میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں ہر اس تکبر کرنے والے شخص [کی برائی] سے جو روزِ حساب پر ایمان نہیں رکھتا)

☆**یوم التّلاق:** (اللہ سے ملاقات کا دن) ارشاد ہے: ﴿رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُوالعَرشِ يُلقِي الرُّوحَ مِنُ أمرِهِ عَلَىٰ مَنُ يَّشَاءُ مِنُ عِبَادِهِ لِيُنذِرَ يَومَ

(۱) الروم [۶۵] (۲) السجدۃ [۲۸۔۲۹] (۳) الفاتحۃ [۳] (۴) غافر مؤمن [۲۷]

التَّلَاقِ﴾ (۱) ترجمہ:(بلند درجات والا عرش کا مالک وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی نازل فرماتا ہے، تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے)

☆**یوم الجمع والتّغابن:** (جمع ہونے اور ہار جیت کا دن) ارشاد ہے: ﴿یَومَ یَجمَعُکُم لِیَومِ الجَمعِ ذٰلِکَ یَومُ التَّغَابُن﴾ (۲) ترجمہ:(جس دن تم سب کو اس جمع ہونے کے دن جمع کرے گا' وہی دن ہے ہار جیت کا)

☆**یوم الخُلُود:** (ہمیشہ رہنے کا دن) ارشاد ہے: ﴿اُدخُلُوهَا بِسَلَامٍ ذٰلِکَ یَومُ الخُلُودِ﴾ (۳) ترجمہ:(تم اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ، یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے)

☆**یوم الخُرُوج :** (قبروں سے زندہ ہوکر باہر نکل آنے کا دن) ارشاد ہے: ﴿یَومَ یَسمَعُونَ الصَّیحَةَ بِالحَقِّ ذٰلِکَ یَومُ الخُرُوجِ﴾ (۴) ترجمہ:(جس روز اس تند و تیز چیخ کو یقین کے ساتھ سن لیں گے، یہی دن ہوگا نکلنے کا)

☆**یوم الحسرَة :** (حسرت اور رنج و افسوس کا دن) ارشاد ہے: ﴿وَأَنذِرهُم یَومَ الحَسرَةِ اِذقُضِیَ الأَمرُ وَهُم فِي غَفلَةٍ وَّهُم لَایُؤمِنُونَ﴾ (۵) ترجمہ:(آپ انہیں اس رنج و افسوس کے دن کا ڈر سنا دیجئے جبکہ کام انجام کو پہنچا دیا جائے گا اور یہ لوگ غفلت اور بے ایمانی میں ہی رہ جائیں گے)

☆**یوم التّناد :** (پکار کا دن) یعنی اس دن اہلِ جہنم اہلِ جنت کو پکاریں گے، یا یہ کہ اس روز تمام انسانوں کو ان کے اعمال کے مطابق پکارا جائے گا، (مثلاً اہلِ جنت کو: اے جنتیو!

(۱) غافر/مؤمن[۱۵] (۲) التغابن[۹] (۳) ق[۳۴] (۴) ق[۴۲]
(۵) مریم[۳۹]

اوراہلِ جہنم کو:اے جہنمیو!) ارشاد ہے: ﴿وَيَـاقَـومِ اِنِّـي أَخَـافُ عَـلَيكُـم يَومَ التَّنَادِ﴾ (۱) ترجمہ:(اوراے میری قوم! مجھے تم پر ہانک پکار کے دن کا ڈر بھی ہے)

☆**الآزفة** : (قریب) ارشاد ہے: ﴿أزِفَـتِ الآزِفَةُ لَيـسَ لَهَـا مِن دُونِ اللّـهِ كَاشِفَةٌ﴾ (۲) ترجمہ:(آنے والی گھڑی قریب آ گئی ہے،اللہ کے سوا اس کا[وقتِ معین پر کھول] دکھانے والا اور کوئی نہیں)

نیز ارشاد ہے:﴿وَأنـذِرهُـم يَـومَ الآزِفَةِ اِذِ الـقُلُوبُ لَدَىٰ الحَنَاجِرِكَاظِمِينَ﴾ (۳) ترجمہ:(اور آپ انہیں بہت ہی قریب آجانے والی[قیامت] سے آگاہ کردیجئے، جبکہ دل حلق تک پہنچ جائیں گے)

☆**السّاعة** : ([قیامت کی] گھڑی) ارشاد ہے: ﴿اِقتَـرَبَـتِ السَّـاعَةُ وَانشَقَّ القَمَرُ﴾ (۴) ترجمہ:(قیامت[کی گھڑی] قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا)

☆**الـواقِـعَة** : (واقع ہونے والی) ارشاد ہے: ﴿اِذَا وَقَـعَـتِ الـوَاقِـعَةُ لَيـسَ لِـوَقـعَتِهَـا كَـاذِبَةٌ﴾ (۵) ترجمہ:(جب قیامت واقع ہو جائیگی،جس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں)

۞۞۞

(۱) مؤمن/ غافر[۳۲] (۲) النجم[۵۷-۵۸] (۳) مؤمن/ غافر[۱۸]
(۴) القمر[۱] (۵) الواقعۃ[۱-۲]

''آخرت'' پر ایمان کی اہمیت :

''آخرت'' پر ایمان ان بنیادی عقائد میں سے ہے کہ جن پر صدقِ دل سے مکمل اور پختہ یقین واعتقاد رکھنا ضروری ولازمی ہے ،اوراسی وجہ سے ان عقائدکو''ارکانِ ایمان'' کہاجاتاہے، قرآن کریم میں ارشادہے:﴿وَلٰـکِـنَّ الۡبِـرّ مَـن آمَـنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الآخِـرِوَالۡـمَلَائِـکَةِ وَالۡکِتَابِ وَالنَّبِیّنَ﴾ (۱) ترجمہ:(درحقیقت اچھاشخص وہ ہے جواللہ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، [اللہ کی] کتاب پر، اورنبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو)

نیزارشادہے:﴿وَمَـنۡ یَّـکۡفُرۡ بِاللّٰهِ وَ مَلَائِکَتِه وَکُتُبِه وَ رُسُلِه وَ الۡیَوۡمِ الۡآخِرِ فَـقَـدۡ ضَـلَّ ضَلَالاً بَـعِیۡـداً﴾ (۲) ترجمہ:(اور جوشخص اللہ سےاوراس کےفرشتوں اوراس کی کتابوں اوراس کےرسولوں سےاورقیامت کےدن سےکفرکرےوہ توبہت بڑی دورکی گمراہی میں جاپڑا)

رسول اللہ ﷺ کاارشادہے:(اَلۡاِیۡـمَـانُ اَنۡ تُـؤۡمِـنَ بِـاللّٰـهِ وَمَلَائِکَتِـهٖ وَ کُتُبِـه وَ رُسُـلِـه وَ الۡیَوۡمِ الۡآخِرِ وَ تُؤۡمِنَ بِالۡقَدَرِ خَیۡرِهٖ وَ شَرّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالَیٰ) (۳) ترجمہ:(ایمان یہ ہے کہ تم ایمان قبول کرواللہ پر' اس کےفرشتوں پر' اس کی کتابوں پر' اس کےرسولوں پر' قیامت کےدن پر' اوراس بات پرکہ اچھی اوربُری تقدیراللہ ہی کی طرف سے ہے)

(۱)البقرہ[۱۷۷] (۲)النساء[۱۳۶]

(۳)☆بخاری[۵۰]عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ☆مسلم[۸]عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

مذکورہ نصوص سے یہ بات واضح وثابت ہوگئی کہ'' آخرت'' پرایمان دین کے ان بنیادی عقائد میں سے ہے جنہیں'' ارکان ایمان'' کہا جاتا ہے ،اور جن پر مکمل یقین وایمان کے بغیر انسان کی کوئی عبادت عنداللہ قابلِ قبول نہیں ہوسکتی ،اور نہ ہی اسے آخرت میں نجات وفلاح نصیب ہوسکتی ہے۔

قرآن کریم میں آخرت یا قیامت کا تذکرہ بار باراور نہایت اہتمام کے ساتھ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:﴿إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ﴾ (۱) ترجمہ:(قیامت یقیناً آنے والی ہے جسے میں پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہرشخص کووہ بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی ہو)

نیز ارشاد ہے:﴿زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَّن يُّبعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلتُمْ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ﴾ (۲) ترجمہ:(ان کافروں نے خیال کیا ہے کہ دوبارہ زندہ نہ کئے جائیں گے،آپ کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں اللہ کی قسم! تم ضرور دوبارہ اٹھائے جاؤگے پھر جو تم نے کیا ہے اس کی خبر دیئے جاؤگے اور اللہ پر یہ بالکل ہی آسان ہے)

نیز ارشاد ہے:﴿قُل إِنَّ المَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُم ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الغَيبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّؤُكُم بِمَا كُنتُم تَعمَلُونَ﴾ (۳)

ترجمہ:(کہہ دیجئے! کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تو تمہیں پہنچ کر رہے گی پھر تم سب چھپے کھلے کے جاننے والے [اللہ] کی طرف لوٹائے جاؤگے اوروہ تمہیں تمہارے کئے ہوئے تمام کام بتلا دے گا)

(۱) طٰہٰ[۱۵] (۲)التغابن[۷] (۳)الجمعۃ[۸]

نیز ارشاد ہے:﴿قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلَىٰ يَومِ القِيَامَةِ لَارَيبَ فِيهِ وَلٰكِنَّ أكثَرَ النَّاسِ لَايَعلَمُونَ﴾ (۱) ترجمہ:(آپ کہہ دیجئے!اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے پھر تمہیں مار ڈالتا ہے پھر تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے)

نیز ارشاد ہے:﴿اَللّٰهُ لَااِلٰهَ اِلَّاهُوَلَيَجمَعَنَّكُم اِلَىٰ يَومِ القِيَامَةِ لَارَيبَ فِيهِ وَمَن أصدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيثاً﴾ (۲) ترجمہ:(اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود[برحق]نہیں وہ تم سب کو یقیناً قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے[آنے]میں کوئی شک نہیں، اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات کرنے والا اور کون ہوگا)

نیز ارشاد ہے:﴿وَاللّٰهُ أنبَتَكُم مِنَ الأرضِ نَبَاتاً ثُمَّ يُعِيدُكُم فِيهَا وَيُخرِجُكُم اِخرَاجاً﴾ (۳) ترجمہ:(اور اللہ نے تم کو زمین سے[ایک خاص اہتمام سے] اگایا ہے[اور پیدا کیا ہے]پھر تمہیں اسی میں لوٹا لے جائے گا اور[ایک خاص طریقہ سے] پھر نکالے گا)

نیز ارشاد ہے:﴿مِنهَا خَلَقنَاكُم وَفِيهَا نُعِيدُكُم وَ مِنهَا نُخرِجُكُم تَارةً أُخرَىٰ﴾ (۴) ترجمہ:(اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں پھر واپس لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ تم سب کو نکال کھڑا کریں گے)

نیز ارشاد ہے:﴿وَمِن آيَاتِهِ أنَّكَ تَرَىٰ الأرضَ خَاشِعةً فَاِذاأنزلنَاعَلَيهَا المَآءَ اهتَزَّت وَرَبَتْ اِنَّ الَّذِى أحيَاهَا لَمُحيِي المَوتَىٰ اِنَّهٗ عَلَىٰ كُلِّ شَىءٍ قَدِيرٌ﴾ (۵) ترجمہ:(اس اللہ کی نشانیوں میں سے[یہ بھی ہے]کہ تو زمین کو دبی دبائی دیکھتا ہے،

(۱)الجاثیۃ[۲۶] (۲)النساء[۸۷] (۳)نوح[۱۷۔۱۸] (۴)طٰہٰ[۵۵] (۵)حٰم السجدۃ[۳۹]

پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ تر و تازہ ہو کر ابھرنے لگتی ہے۔ جس نے اسے زندہ کیا وہی یقینی طور پر مُردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے۔ بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے) (۱)

نیز ارشاد ہے:﴿وَتَرَى الأرضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلنَا عَلَيهَا المَآءَ اهتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوجٍ بَهِيجٍ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الحَقُّ وَ أَنَّهُ يُحيِي المَوتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّارَيبَ فِيهَا وَأَنَّ اللّٰهَ يَبعَثُ مَن فِي القُبُورِ﴾ (۲) ترجمہ:(تو دیکھتا ہے کہ زمین [بنجر اور] خشک ہے، پھر

---

(۱) یعنی یہ زمین پہلے خشک ،بنجر اور قحط زدہ ہوتی ہے ،گویا کہ اس وقت یہ زمین مردہ ہوا کرتی ہے، پھر اللہ پانی برساتا ہے جس کے نتیجے میں اسی زمین سے اناج اور پھل وغیرہ اگتے ہیں جس میں انسانوں ودیگر مخلوقات کیلئے رزق اور زندگی کا سامان ہے۔ لہٰذا جس طرح اللہ اپنی قدرت سے اس مردہ زمین کو زندہ کرسکتا ہے اور اس میں سے زندگی کا سامان اگا سکتا ہے بعینہٖ اسی طرح وہ اس زمین میں مدفون مردوں کو بھی دوبارہ زندہ کرسکتا ہے۔

یہاں کسی کے ذہن میں شاید یہ شبہہ پیدا ہوسکتا ہے کہ جو کوئی زمین میں دفن ہی نہ ہوا ہو' تو کیا وہ قیامت کے روز دوبارہ زندہ ہونے اور پھر اس کے بعد حساب وکتاب وغیرہ سے بچ جائے گا؟ ہرگز نہیں، کیونکہ ہر انسان خواہ وہ مرنے کے بعد زمین میں دفن ہو یا نہو، بہر حال آخر کار وہ خاک میں ہی ملے گا۔ فرض کیجئے کہ اگر کوئی سمندر میں ڈوب کر مرا تو یقیناً کبھی نہ کبھی اسے سمندر کی لہریں کنارے پر لا پھینکیں گی، یا اگر اسے کسی مچھلی نے نگل لیا تو وہ اس مچھلی کے اجزاء میں شامل ہوجائے گا اور پھر اس مچھلی کے مرنے کے بعد لہریں اسے کنارے پر لا پٹخیں گی اور پھر اس کے اجزاء زمین میں شامل ہوجائیں گے۔ اگر کسی کو کسی درندے نے کھا لیا ہو تو وہ اس کے اجزاء میں شامل ہوجائے گا اور پھر درندے کی موت کے بعد اس کے اجزاء زمین میں مل جائیں گے۔ اسی طرح اگر کسی کو جلانے کے بعد اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی گئی یا دریا میں بہا دی گئی تب بھی آخر کار وہ راکھ اسی زمین میں ہی آ ملے گی ۔یہی قانونِ قدرت ہے۔ یہ انسان اول وآخر بہر صورت خاکی ہی ہے، اللہ نے اسے خاک سے ہی پیدا کیا، اور بالآخر خاک میں ہی مل جائے گا، اور پھر قیامت کے روز دوبارہ اسی خاک سے ہی برآمد ہوگا۔ جیسا کہ سورہ طٰہٰ کی آیت:۵۵﴿مِنهَا خَلَقنَاكُم......﴾ کا بھی یہی مضمون ہے۔

(۲) الحج [۵]

جب ہم اس پر بارشیں برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی رونق دار نباتات اگاتی ہے، یہ اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہی مُردوں کو جِلا تا[یعنی دوبارہ زندہ کرتا] ہے اور وہ ہر ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور یہ کہ قیامت قطعاً آنے والی ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ قبروں والوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا)

نیز ارشاد ہے:﴿أفَحَسِبتُم أنَّمَا خَلَقنَاكُمْ عَبَثاً وَّ أنَّكُم اِلَينَالَاتُرجَعُونَ﴾ (۱) ترجمہ:(کیا تم یہ گمان کئے ہوئے ہو کہ ہم نے تمہیں یونہی بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے ہی نہ جاؤ گے)

نیز ارشاد ہے:﴿اِنَّ اِلَينَـا اِيَـابَهُـم ثُـمَّ اِنَّ عَلَينَاحِسَابَهُم﴾ (۲) ترجمہ:(بیشک ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے، پھر بیشک ہمارے ہی ذمہ ہے ان سے حساب لینا)

مشرکینِ مکہ عقیدۂ آخرت کے منکر تھے اور کہا کرتے تھے کہ انسان کے مرنے کے بعد جب اس کی ہڈیاں گل سڑ جائیں گی تب اسے دوبارہ کس طرح زندہ کیا جا سکتا ہے؟ قرآن کریم میں ان کے اس شبہہ کا نہایت ہی عمدہ انداز میں جواب دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿قُل يُحيِيهَا الَّذِي أنشَأهَا أوَّلَ مَرَّةٍ وَ هُوَ بِكُلِّ خَلقٍ عَلِيمٌ﴾ (۳)

ترجمہ:(آپ کہہ دیجئے! کہ ان[ہڈیوں]کو وہی[اللہ]زندہ کرے گا جس نے انہیں اول مرتبہ پیدا کیا ہے، جو سب طرح کی پیدائش کا بخوبی جاننے والا ہے)

یعنی کسی بھی چیز کو پہلی بار بنانا زیادہ مشکل ہے، لہٰذا جب اللہ کی اتنی بڑی قدرت ہے کہ اس نے انسان ودیگر تمام مخلوقات کو پہلی بار پیدا فرمایا اور عدم سے وجود بخشا وہی اللہ اپنے ہی بنائے ہوئے اس انسان کو دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے، بلکہ یہ تو اس کیلئے[پہلی بار پیدا کرنے

(۱)المؤمنون[۱۱۵] (۲)الغاشیہ[۲۵-۲۶] (۳)یٰسٓ[۷۹]

کی بنسبت] بہت زیادہ آسان ہے۔

نیز ارشاد ہے:﴿وَهُوَ الَّذِي يَبدَؤُ الخَلقَ ثُمَّ يُعِيدُهٗ وَهُوَ أهوَنُ عَلَيهِ﴾ (۱)

ترجمہ: (وہی [اللہ] ہے جو اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بہت ہی آسان ہے)

نیز ارشاد ہے: ﴿كَيفَ تَكفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنتُم أموَاتاً فَأَحيَاكُم ثُمَّ يُمِيتُكُم ثُمَّ يُحيِيكُم ثُمَّ اِلَيهِ تُرجَعُونَ﴾ (۲) ترجمہ: (تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر تمہیں مار ڈالے گا، پھر زندہ کرے گا، پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے)

☆......یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ ''آخرت پر ایمان'' ہی کے مفہوم میں اس بارے میں قرآن وحدیث میں موجود تفصیل کے مطابق مندرجۂ ذیل تمام امور پر یقین وایمان بھی شامل ہے:

☆......انسان کی روح قبض کئے جانے کی کیفیت، اس موقع پر اس کے پاس فرشتوں کی آمد، نیز روح قبض کئے جانے کے فوری بعد کے حالات کی تفصیل۔

☆......''فتنۂ قبر'' یعنی قبر میں میت سے سوال وجواب، اس کی کیفیت، نیز اس پر مرتب ہونے والے نتائج۔

☆......قبر میں میت کی حالت، وہاں اس کے قیام کی مدت، نیز وہاں قیام کے دوران اس کی روح کا جسم کے ساتھ تعلق اور اس کی نوعیت۔

☆......قبر میں میت کیلئے عذاب یا نعمتیں، نیز اس بارے میں وارد نصوص۔

(۱) الروم [۲۷] (۲) البقرۃ [۲۸]

☆......قیامت کی علاماتِ صغریٰ و کبریٰ۔

☆......''نفخ''، یعنی صور پھونکا جانا جس کے نتیجے میں تمام کائنات تباہ ہوجائے گی۔

☆......''بعث''، یعنی دوسری بار صور پھونکے جانے کے بعد تمام انسانوں کا دوبارہ زندہ ہوکر اپنی اپنی قبروں سے باہر نکل آنا۔

☆......''حشر''، یعنی تمام انسانوں کا ایک ہی میدان میں جمع ہونا۔

☆......''حساب'' یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے اعمال کا حساب وکتاب۔

☆......نامہائے اعمال، نیز ان کے تقسیم کئے جانے کی کیفیت۔

☆......اعمال کا وزن کیا جانا، اس کی کیفیت، نیز اس پر مرتب ہونے والے نتائج۔

☆......حوض، اس کی کیفیت، نیز اس میں سے پانی پینے کی غرض سے وہاں پہنچنے والے خوش نصیبوں کی وہاں آمد کی کیفیت، اسی طرح ان بدنصیبوں کا تذکرہ جنہیں اس موقع پر وہاں سے دھتکار دیا جائیگا۔

☆......پل صراط، اس کی کیفیت، نیز اس پر سے لوگوں کے گذرنے کی مختلف کیفیات۔

☆......شفاعت اور اس کی اقسام۔

☆......جنت اور وہاں کی نعمتیں۔

☆......جہنم اور اس کا عذاب۔

موت اور اس کی حقیقت:

''موت'' کیا چیز ہے؟ اس پریشان کن سوال کا جواب یہ ہے کہ:

☆......موت نام ہے زندگی کے روشن چراغ کے بجھ جانے کا۔

☆......موت نام ہے جسم سے روح کے تعلق اور رشتے کے ٹوٹ جانے کا۔(۱)

☆......موت نام ہے دنیا کی اس عارضی وفانی زندگی سے آخرت کی دائمی وابدی زندگی کی طرف کوچ کر جانے کا۔

☆......موت نام ہے اہل وعیال، آل واولاد، عزیز واحباب، مال واسباب، اورعزت وجاہ سے دائمی جدائی وفراق کا۔

قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے:﴿كُلُّ نَفسٍ ذائِقَةُ المَوتِ وَ اِنَّمَا تُوَفَّونَ أُجُورَكُم يَومَ القِيَامَةِ فَمَن زُحزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدخِلَ الجَنَّةَ فَقَد فَازَ وَ مَا الحَيَاةُ الدُّنيَا اِلَّا مَتَاعُ الغُرُورِ﴾(۲) ترجمہ:(ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے، اور قیامت کے دن تم اپنے بدلے پورے پورے دیئے جاؤ گے، پس جو شخص آگ سے ہٹا دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے بیشک وہ کامیاب ہو گیا، اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے)

نیز ارشاد ہے:﴿كُلُّ نَفسٍ ذَآئِقَةُ المَوتِ وَنَبلُوكُم بِالشَّرِّ وَالخَيرِ فِتنَةً وَاِلَينَا

(۱) البتہ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ موت کے بعد بھی کسی نہ کسی درجہ میں روح کا جسم کے ساتھ تعلق اور اتصال باقی رہتا ہے جس کی حقیقت وکیفیت اللہ ہی کو بہتر معلوم ہے۔

(۲) آل عمران [۱۸۵]

تُـرجَعُونَ﴾(۱) ترجمہ:(ہر جان دار موت کا مزہ چکھنے والا ہے،ہم بطریقِ امتحان تم میں سے ہر ایک کو برائی اور بھلائی میں مبتلا کرتے ہیں،اورتم سب ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤگے)

نیزارشاد ہے:﴿کُلُّ نَفسٍ ذَائِقَةُ المَوتِ ثُمَّ اِلَینَا تُرجَعُونَ﴾ (۲)
ترجمہ:(ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے،پھرتم سب ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤگے)

نیزارشاد ہے:﴿قُل اِنَّ المَوتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنهُ فَاِنَّهٗ مُلَاقِیکُم ثُمَّ تُرَدُّونَ اِلَیٰ عَالِمِ الغَیبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّؤُکُم بِمَاکُنتُم تَعمَلُونَ﴾ (۳)
ترجمہ: (کہہ دیجئے!کہ جس موت سے تم بھاگتے ہووہ تو تمہیں پہنچ کر رہے گی پھرتم سب چھپے کھلے کے جاننے والے [اللہ] کی طرف لوٹائے جاؤگے اوروہ تمہیں تمہارے کئے ہوئے تمام کام بتلادے گا)

نیزارشاد ہے:﴿أینَمَا تَکُونُوایُدرِککُمُ المَوتُ وَلَوکُنتُم فِي بُرُوجٍ مُّشَیَّدَةٍ﴾ (۴) ترجمہ:(تم جہاں کہیں بھی ہوموت تمہیں آپکڑے گی،خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو)

کسی شاعر کا قول ہے:

بیـن عیـنَـي کـلّ حـيّ عَـلَـم الـمَـوت یـلُـوح
نُـح عـلـیٰ نـفسك یـا مِسـکیـن ان کـنـت تـنـوح
لتموتَنّ ولو عُمِّرت ما عُمِّر نوح

ترجمہ:(ہرزندہ انسان کی آنکھوں کے سامنے موت کا جھنڈا ہمہ وقت لہرارہا ہے۔اے [دوسروں کی موت پر رونے والے] مسکین!رونا ہے تو خود اپنی موت کو یاد کرکے رویا کرو۔

(۱)الانبیاء[۳۵] (۲)العنکبوت[۵۷] (۳)الجمعہ[۸] (۴)النساء[۷۸]

کیونکہ ایک روز ضرور بضرور خود تم بھی تو مر ہی جاؤ گے اگر چہ تمہیں حضرت نوح علیہ السلام جیسی طویل زندگی ہی کیوں نہ نصیب ہوجائے)

لہٰذا جب یہ بات ثابت وواضح ہوگئی کہ موت اٹل حقیقت ہے جس سے کسی کیلئے بھی نجات وفرار کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں ہے، خواہ وہ کوئی امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا فقیر، کالا ہو یا گورا، خادم ہو یا مخدوم، حاکم ہو یا محکوم، موت کا مزہ تو جلد یا بدیر ہر ایک نے ہی ضرور ضرور چکھنا ہے اور اس مشکل ترین مرحلے سے تو ہر ایک نے ہی گذرنا ہے، تو اب دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس اٹل حقیقت سے راہِ فرار تلاش کرنے کی بجائے یا اس سے نظریں چرانے کی بجائے اس کے استقبال کی تیاری اور فکر کرے، ایسے اسباب ووسائل تلاش کرے اور انہیں اپنانے کی فکر کرے جو اس کیلئے بحکمِ خدا تعالیٰ موت جیسے خطرناک اور ہیبت ناک مرحلے کو آسان بنانے میں مفید ومعاون ثابت ہوسکیں۔ اس سلسلہ میں درجِ ذیل امور کا اہتمام کیا جانا چاہئے:

(۱)......انسان کو چاہئے کہ اٹھتے بیٹھتے ہمہ وقت اپنا محاسبہ کرے، اپنے عمل وکردار کا جائزہ لے، اس بات کو ہمیشہ مدِنظر رکھے کہ اللہ سے اس کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں رہ سکتا، وہ خلوت میں ہو یا جلوت میں، اللہ اسے ہمیشہ ہر جگہ اور حالت میں دیکھ رہا ہے اور اس کی ہر بات کو سن رہا ہے، اپنے ہر قول وفعل کا اللہ کو جواب دینا ہے۔ نیز یہ کہ خواہ کوئی بوڑھا ہو یا جوان، مرد ہو یا عورت، موت کسی بھی انسان کو کسی بھی وقت آسکتی ہے، لہٰذا اس بات کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی اصلاح کی فکر اور کوشش کرے، اپنے عمل اور اخلاق وکردار کا جائزہ لے، ہمہ وقت اچھائیوں کی طرف راغب رہے اور برائیوں سے اجتناب کرے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم

مُسلِمُونَ﴾ (۱) ترجمہ: (اے ایمان والو! اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور دیکھو مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا) یعنی کسی کو یہ خبر تو ہے نہیں کہ وہ کب مرے گا؟ لہٰذا اسے چاہئے کہ یہ سوچ کر ہمہ وقت ہی موت کیلئے تیار رہے کہ نہ معلوم موت کب آجائے؟ اور اسی اندازِ فکر کی وجہ سے اعمالِ صالحہ کا خوب اہتمام کرے، اور ہر قسم کے فسق و فجور سے اپنا دامن بچائے رکھے، تاکہ اس کا آخری وقت جب بھی آجائے تو خاتمہ ایمان اور خیر وخوبی پر ہی ہو۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اِنَّمَا الأعمَالُ بِخَوَاتِيمِهَا) (۲) ترجمہ: (اصل اعتبار تو بس آخری اعمال ہی کا ہے)

نیز رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ: (يُبعَثُ كُلُّ عَبدٍ عَلَىٰ مَا مَاتَ عَلَيهِ) (۳) یعنی: (ہر انسان کو قیامت کے روز اسی حالت میں دوبارہ زندہ کیا جائے گا کہ جس حالت میں دنیا میں اس کی موت واقع ہوئی تھی)

لہٰذا ہر برائی سے ہمیشہ یہ سوچ کر گریز اور پرہیز کرنا چاہئے کہ اگر اسی برائی کے ارتکاب کے دوران ہی آخری وقت آ پہنچا اور موت واقع ہوگئی تو خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے روز اسی برائی کی حالت میں حشر ہو......اور وہاں ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑے......!

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو دنیا وآخرت میں ذلت ورسوائی سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

<u>(۲)</u>......موت کو ہمیشہ یاد رکھے اور چشمِ تصور سے اس منظر کو دیکھے جب وہ اس آخری سفر پر

(۱) آل عمران[۱۰۲]

(۲) بخاری[۱۲۲۸][باب الأعمال بالخواتيم وما يُخاف منها] نیز: ابن حبان[۳۳۹]

(۳) مسلم[۲۸۷۸][باب عرض مقعد الميّت من الجنّة أو النّار عليه ......]

روانہ ہو رہا ہوگا کہ جہاں سے کبھی کوئی واپس نہیں آیا، اور جب اس کے اس آخری سفر میں ''زادِسفر'' کے طور پر صرف اور صرف اس کا عمل اس کے ہمراہ ہوگا، باقی سب کچھ یہیں رہ جائے گا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (یَتبَعُ المَیّتَ ثَلَاثَة : أهلُهٗ وَ مَالُهٗ وَ عَمَلُهٗ ، فَیَرجِعُ اثنَانِ وَ یَبقَیٰ وَاحِد ، یَرجِعُ أهلُهٗ وَ مَالُهٗ ، وَ یَبقَیٰ عَمَلُهٗ) (۱)
ترجمہ: (میت کے ساتھ تین چیزیں قبر تک جاتی ہیں: اس کے اہل وعیال ، اس کا مال ودولت، اور اس کا عمل، پس [اسے قبر میں دفن کئے جانے کے بعد] دو چیزیں واپس آجاتی ہیں، جبکہ ایک چیز [قبر میں] اس کے ہمراہ ہی رہتی ہے، اس کے اہل وعیال اور مال ودولت تو واپس آجاتے ہیں، جبکہ اس کا عمل اس کے ساتھ ہی رہ جاتا ہے) (۲)

(۳)......رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (زُورُوا القُبُورَ فَاِنَّهَا تُذكِّرُ الآخِرَةَ)
(۳) ترجمہ: (قبروں کی زیارت کیا کرو، کیونکہ یہ قبریں آخرت کی یاد دلاتی ہیں)
یعنی اس سے انسان میں فکرِ آخرت پیدا ہوتی ہے، لہٰذا انسان کو چاہئے کہ عبرت اور سبق حاصل کرنے کی غرض سے گاہے بگاہے قبرستان کی زیارت کیا کرے، دنیا کی فنائیت اور یہاں کی نعمتوں کی بے ثباتی ، موت ، آخرت ، حساب وکتاب اور جزاوسزا کے بارے میں غور وفکر کیا کرے۔

(۴)......اللہ کا خوف ہمہ وقت دامن گیر رہے اور اس کے ساتھ ہی اللہ کی رحمت پر بھی نظر رہے، اللہ سے حسنِ ظن اور اچھی امید رکھے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

(۱) بخاری [۶۱۴۹] مسلم [۲۹۶۰] ابن حبان [۳۱۶۰] ترمذی [۲۳۷۹] نسائی [۱۹۳۷] احمد [۱۲۱۰۱]
(۲) یعنی فوت ہونے والا شخص اگر امیر کبیر اور صاحبِ جاہ ومنصب ہو تو اس کا جنازہ قبرستان تک شان وشوکت اور دھوم دھام کے ساتھ لے جایا جاتا ہے۔
(۳) مسلم [۹۷۶] ابن ماجہ [۱۵۶۹]

(لَا یَمُوتَنَّ أَحَدُکُم اِلَّا وَھُوَ یُحسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰہِ تَعَالیٰ) (۱) ترجمہ:(تم میں سے کسی کو موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ وہ اپنے رب کے بارے میں حسنِ ظن رکھتا ہو) یعنی اسے اپنے رب سے اچھی امید ہو۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:(أَنَا عِندَ ظَنِّ عَبدِي بِي، فَلیَظُنَّ بِي مَاشَاءَ، اِن خَیراً فَلَه، وَ اِن شَرّاً فَلَهٗ) (۲) ترجمہ: (میں اپنے بندے کیلئے میرے بارے میں اس کے اپنے گمان کے مطابق ہی ہوں، پس بندہ میرے بارے میں جو چاہے گمان رکھے، اگر خیر کا گمان رکھے گا تو اسے خیر ہی ملے گی، اور اگر برائی کا گمان رکھے گا تو اسے برائی ہی ملے گی) یعنی بندہ اپنے بارے میں اللہ سے جیسی امید رکھے گا اللہ کو ویسا ہی پائیگا اور اللہ کی طرف سے اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک اور معاملہ ہوگا، لہٰذا اللہ سے ہمیشہ صرف اچھی امید ہی رکھنی چاہئے۔

(۵)......انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ موت سے صرف ڈرنے اور اس کے تصور سے گھبراتے رہنے کی بجائے بتکلف اور کوشش کر کے اپنے دل میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ملاقات کی خواہش پیدا کرے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(مَن أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ أَحَبَّ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ) (۳) ترجمہ:(جس کسی کو اللہ سے ملاقات پسند ہوگی اللہ کو بھی اس سے ملاقات پسند ہوگی)

لہٰذا جس کسی سے ملاقات کا خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو شوق ہوگا تو یقیناً اس کیلئے دنیا سے رخصتی

(۱) مسلم [۲۸۷۷] [باب عرض مقعدالميّت من الجنّة أوالنّار عليه]

(۲) بخاری [۶۹۷۰] [۷۰۶۶] مسلم [۲۶۷۵] کتاب الذکر والدعاء۔ ابن حبان [۶۳۳] ابن ماجہ [۳۸۲۲] ترمذی [۳۶۰۳] احمد [۷۴۱۶] الترغیب والترہیب [۲۲۸۶]

(۳) بخاری [۶۱۴۳] [باب من أحبّ لقاء اللّه أحبّ اللّه لقاء ه] مسلم [۲۶۸۳] ابن حبان [۳۰۰۸]

کے وقت اور پھر اس کے بعد کے تمام مراحل میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے خیر وخوبی ہی ہوگی اور اس کے ساتھ لطف وعنایت اور رحم وکرم ہی کا معاملہ کیا جائے گا۔ان شاء اللہ۔

انسان کی برزخی زندگی:

☆......عربی لغت میں ''برزخ'' کے معنیٰ ہیں: ''دوچیزوں کے درمیان کوئی رکاوٹ یا حجاب''۔یعنی دوچیزوں کو جدا کرنے والی کوئی چیز،جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَهُوَالَّذِي مَرَجَ البَحرَينِ هذا عَذبٌ فُرَاتٌ وَّهذَامِلحٌ اُجَاجٌ وَّجَعَلَ بَينَهُمَا بَرزَخاً وَّحِجراً مَّحجُوراً﴾ (۱) ترجمہ:(اور وہی ہے جس نے دوسمندر آپس میں ملا رکھے ہیں، یہ ہے میٹھا مزیدار اور یہ ہے کھاری کڑوا،اور ان دونوں کے درمیان ایک حجاب اور مضبوط اوٹ کردی)

☆......شریعت کی اصطلاح میں ''برزخ'' سے مراد انسان کی اس دنیاوی زندگی کے خاتمہ کے بعد سے قیامت کے روز دوبارہ زندہ کئے جانے تک کا درمیانی عرصہ ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَمِن وَّرَآئِهِم بَرزَخٌ اِلَیٰ يَومِ يُبعَثُونَ﴾ (۲) ترجمہ:(اور ان کے پسِ پشت تو ایک حجاب ہے ان کے دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک)

☆...... یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی حکمت وقدرت سے ہر انسان کیلئے چار مختلف مراحل مقرر فرمائے ہیں، ہر انسان نے بہرصورت ان چاروں مراحل کو طے کرنا ہے،اور ان مراحل میں سے ہر مرحلہ گذشتہ مرحلے کے مقابلے میں نسبۃً زیادہ طویل اور بڑا ہے۔

☆......سب سے پہلا اور سب سے مختصر مرحلہ وہ ہے جب انسان شکمِ مادر میں تھا، جو کہ تنگی

(۱)الفرقان[۵۳] (۲)المؤمنون[۱۰۰]

وتاریکی کا مقام تھا (خواہ انسان کو اپنا وہ دور یاد ہو یا نہ ہو مگر یہ کہ یہ تو اٹل اور نا قابلِ تردید حقیقت ہے)

☆ ......دوسرا مرحلہ انسان کی یہ دنیاوی زندگی ہے، جہاں وہ اکثر و بیشتر اپنے انجام سے غافل اور بے خبر رہتے ہوئے اس عارضی وفانی گذرگاہ اور مسافر خانے کو ہی اپنی منزلِ مقصود سمجھ لیتا ہے اور اسی سے دل لگا بیٹھتا ہے (جس طرح اس بات میں کسی شک وشبہ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں کہ وہ اس دوسرے مرحلہ میں آنے سے قبل پہلے مرحلے میں تھا، بعینہٖ اسی طرح اب اس دوسرے مرحلے کے بعد تیسرے مرحلے کی طرف کوچ بھی یقینی وضروری اور ایسی نا قابلِ تردید حقیقت ہے جس سے فرار یا انکار ممکن نہیں)

☆ ......تیسرا مرحلہ اس دنیاوی زندگی کے خاتمہ سے قیامت کے روز دوبارہ زندہ ہونے تک کا درمیانی عرصہ ہے، اسی کا نام ''برزخ'' ہے (جس طرح دوسرا مرحلہ پہلے مرحلے کے مقابلے میں زیادہ اور طویل تھا بعینہٖ اسی طرح یہ تیسرا مرحلہ دوسرے مرحلہ کے مقابلہ میں طویل ہوگا) (اللہ تعالیٰ آسانی فرمائیں۔آمین)

☆ ...... چوتھا اور آخری مرحلہ آخرت کی دائمی وابدی زندگی کا ہے جس کے بعد کبھی موت نہیں آئیگی، جہاں انسان کیلئے یا جنت اور وہاں کی دل پسند زندگی ہوگی، اور یا جہنم اور وہاں کی بربادی ہوگی۔

☆ ......گذشتہ چاروں مراحل میں سے ہر مرحلہ میں انسان کے مخصوص حالات وکیفیات اور مخصوص قسم کی زندگی ہوگی جو کہ باقی تمام مراحل سے مختلف اور جداگانہ نوعیت کی ہوگی۔(۱)

(۱) مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: ☆ ''الروح'' از: ابن القیم ☆ ''العقائد الاسلامیۃ'' از: سید سابق۔

قبر:

قبر سے مراد درحقیقت وہ جگہ ہے جہاں انسان اپنی اس دنیاوی زندگی کے خاتمہ کے بعد منتقل ہوجاتا ہے، خواہ وہ زمین میں کوئی گڑھا ہو(یعنی جسے عرفِ عام میں بھی قبر ہی کہا جاتا ہے)یا کسی مچھلی یا درندے کا پیٹ ہو، یا کوئی سمندر یا دریا ہو جس میں اس کی راکھ بہادی گئی ہو۔

''فتنۂ قبر'' یعنی قبر میں میت سے سوال و جواب:

قبر میں فرشتے میت سے چند مخصوص سوالات کرتے ہیں، اوراس موقع پر اپنی اپنی ایمانی کیفیت کے مطابق میت کی طرف سے جوابات کی نوعیت بھی مختلف ہوتی ہے،لہٰذا ان جوابات کے مطابق ہر میت کیلئے مختلف قسم کے نتائج برآمد ہوتے ہیں جن کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

☆عَن أبي هريرة رضي اللّه عنه قال: قال رسول اللّه ﷺ :(اِذاقُبِرَ المَيّتُ أتَاهُ مَلَكَانِ أسوَدَانِ أزرَقَانِ يُقَالُ لِأَحدِهِمَا:المُنكَر ، وَلِلآخَر: النَّكِير،َفَيَقُولَانِ: مَاكُنتَ تَقُولُ فِي هذا الرَّجُلِ؟ فَيَقُولُ: هُوَ عَبدُ اللّهِ وَرَسُولُهٗ ، أشهَدُ أن لَااِلٰهَ اِلَّااللّهُ وَأنَّ مُحَمَّداً عَبدُهٗ وَرَسُولُه۔ فَيَقُولَان: قَد كُنَّا نَعلَمُ أنَّكَ تَقُولُ هذا۔ ثُمَّ يُفسَحُ لَهٗ فِي قَبرِهٖ سَبعُونَ ذِرَاعاً فِي سَبعِينَ، ثُمَّ يُنَوَّرُلَهٗ فِيهِ ، ثُم يُقَالُ لَهٗ: نَمْ ۔ فَيَقُولُ: أرجِعُ اِلىٰ أهلِي فَأُخبِرُهُم ۔ فَيَقُولَان:نَم كَنَومَةِ العَرُوسِ الَّذِي لَايُوقِظُهٗ اِلَّاأحَبُّ أهلِهٖ اِلَيه

حتّیٰ یَبعَثَهُ اللّٰهُ مِن مَضجَعِهٖ ذٰلِكَ ۔ وَإِن كَانَ مُنَافِقاً قَال: سَمِعتُ النَّاسَ يَقُولُونَ قَولاً فَقُلتُ مِثلَهٗ ، لَاأدرِي ۔ فَيَقُولَانِ: قَد كُنَّا نَعلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ ذٰلِكَ ۔ فَيُقَالُ لِلأرضِ : اِلتَئِمِي عَلَيه ۔ فَتَلتَئِمُ عَلَيهِ فَتَختَلِفُ أَضلَاعُهٗ ۔ فَلَا يَزَالُ فِيهَا مُعَذَّباً حَتّٰى يَبعَثَهُ اللّٰهُ مِن مَضجَعِهٖ ذٰلِكَ) (۱)

ترجمہ: (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میت کو جب قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو اس وقت اس کے پاس دو سیاہ اور نیلی رنگت والے فرشتے آتے ہیں جن میں سے ایک کا نام ''منکر'' اور دوسرے کا نام ''نکیر'' ہے۔ اور کہتے ہیں: تم اس شخص [یعنی رسول اللہ ﷺ] کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ وہ جواب دیتا ہے کہ: ''وہ تو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں اور یہ کہ [حضرت] محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں''۔ تب وہ دونوں [فرشتے] کہتے ہیں کہ: ''ہم جانتے تھے کہ تم یہی کہتے ہو''۔ اس کے بعد اس کی قبر کو ستر در ستر ہاتھ کشادہ کر دیا جاتا ہے، اور اس کی قبر میں روشنی کر دی جاتی ہے، پھر اسے کہا جاتا ہے: ''سو جاؤ''۔ وہ کہتا ہے کہ: ''میں ذرہ اپنے گھر والوں کو [اپنے اس بہترین انجام کے بارے میں] خبر کر آؤں؟ تب فرشتے کہتے ہیں کہ: ''تم اب اس دلہن کی مانند یہاں سوئے رہو کہ جسے تمام افرادِ خانہ میں سے بس وہی آ کر جگاتا ہے جو اسے محبوب ترین ہوا کرتا ہے، تاوقتیکہ اللہ تمہیں تمہاری اس خواب گاہ سے بیدار کرے'' (۲) اور اگر وہ کوئی منافق شخص ہو تو [فرشتوں کی طرف سے مذکورہ سوال کے جواب میں] یوں کہتا ہے کہ

(۱) ترمذی [۱۰۷۱] باب ما جاء فی عذاب القبر ۔ مشکاۃ المصابیح، باب اثبات عذاب القبر، ص: ۲۶۔ ج: ۱۔

(۲) یعنی اب قیامت تک اپنی اسی آرام دہ خواب گاہ میں سکون واطمینان سے رہو۔

''میں نے لوگوں سے [رسول اللہ ﷺ کے بارے میں] کچھ سنا تھا، تو [بس اسی لئے] میں بھی انہی جیسی بات کہا کرتا تھا، مجھے [درحقیقت اس بارے میں] کچھ معلوم نہیں''۔ تب وہ دونوں [فرشتے] کہتے ہیں کہ: ''ہم جانتے تھے کہ تم یہی کہتے ہو''۔ پھر زمین کو حکم دیا جاتا ہے کہ: ''اس شخص پر تنگ ہو جا'' تب وہ زمین اس پر تنگ ہو جاتی ہے [اسے دباتی ہے] یہاں تک کہ اس کی پسلیاں اپنی جگہ سے اِدھر اُدھر ہو جاتی ہیں (یعنی اسے زمین اس قدر شدت کے ساتھ دباتی اور بھینچتی ہے کہ اس کی دائیں جانب کی پسلیاں بائیں جانب اور بائیں جانب کی دائیں جانب آ جاتی ہیں)

☆عـن البـراء بـن عـازب رضي اللّه عنه عن النّبي ﷺ قال: (اَلمُسلِمُ اِذاسُـئِلَ فِـي القَبرِ يَشهَدُ أن لَّااِلٰهَ اِلّااللّٰهُ وَأنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللّٰهِ ، فَذلِكَ قَـولُـهُ تَـعَـالـىٰ : يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوابِالقَولِ الثَّابِتِ فِي الحَيَاةِ الدُّنيَا وَفِي الآخِرَةِ)

و في رواية عن النّبيّ ﷺ قال: " يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوابِالقَولِ الثَّابِت " نَـزَلَـت فِي عَذابِ القَبرِ ، يُقَالُ لَهُ : " مَن رَبُّكَ؟ " فَيَقُولُ: " رَبِّي اللّٰه ، وَ نَبِيِّـي محمّد " ۔ (۱) ترجمہ: (حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان سے جب قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ جواب میں اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں''۔ اللہ کے اس ارشاد: [ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پکی بات کے ساتھ مضبوط رکھتا ہے' دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی] سے یہی مراد ہے'')۔

(۱) بخاری [۱۳۰۳] باب ماجاء فی عذاب القبر۔ مسلم [۲۸۷۱] باب عرض مقعد المیّت من الجنۃ أو النار علیہ......۔

نیز ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ: آیت " يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوابِالقَولِ الثَّابِت " عذابِ قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ قبر میں میت سے سوال کیا جائے گا کہ: ''تمہارا رب کون ہے؟'' وہ کہے گا کہ: ''میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی محمد ﷺ ہیں۔(۱)

☆عن أنس رضي اللّه عنه قال : قال رسول اللّه ﷺ : (اِنَّ العَبدَ اِذا وُضِعَ فِي قَبرِهٖ وَ تَوَلّٰى عَنهُ أصحَابُهٗ وَاِنَّهٗ لَيَسمَعُ قَرعَ نِعَالِهِم أتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقعِدَانِهٖ،فَيَقُولَانِ: مَاكُنتَ تَقُولُ فِي هذا الرَّجُلِ؟ [لِمُحَمَّدٍ ﷺ] : فَأَمَّا المُؤمِنُ فَيَقُولُ: أشهَدُ أَنَّهٗ عَبدُ اللّهِ وَ رَسُولُهٗ ، فَيُقَالُ لَهٗ : اُنظُرِالىٰ مَقعَدِكَ مِنَ النَّارِ ، قَد أبدَلَكَ اللّهُ بِهٖ مَقعَداً مِنَ الجَنَّةِ ، فَيَرَاهُمَا جَمِيعاً ۔ وَأَمَّا المُنَافِقُ وَالكَافِرُ فَيُقَالُ لَهٗ : مَاكُنتَ تَقُولُ فِي هذا الرَّجُلِ؟ فَيَقُولُ : لَاأدرِي، كُنتُ أقُولُ مَايَقُولُ النَّاسُ ، فَيُقَالُ: لَادَرَيتَ وَلَاتَلَيتَ ، وَيُضرَبُ بِمَطَارِقَ مِن حَدِيدٍ ضَربَةً ، فَيَصِيحُ صَيحَةً يَسمَعُهَا مَن يَلِيهِ

(۱) یعنی رسول اللہ ﷺ نے اس آیت: ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوابِالقَولِ الثَّابِتِ......﴾ کی تفسیر وتشریح یوں بیان فرمائی کہ اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان کیلئے ایک مضبوط کلمہ کے ذریعہ مضبوطی وثابت قدمی کا جوتذکرہ ہے اس سے یہی مراد ہے کہ دنیا میں جن کے دلوں میں اس مضبوط کلمہ (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) پر سچا اور پختہ ایمان ویقین تھا اور ان کا عمل اس کلمہ پر ایمان کے تقاضوں کے مطابق تھا، قبر میں جب فرشتے ان سے سوال کریں گے اُس وقت اس کلمہ پر ایمان کی بدولت اللہ کی طرف سے انہیں پختگی وثابت قدمی عطاء کی جائیگی اور اس موقع پر ان کا جواب یہ ہوگا کہ: أشهد أن لاالٰه الّااللّه و أنّ محمّداً رسول اللّه ، جس کے نتیجہ میں ان کیلئے قبر میں آرام وراحت کا سامان ہوگا۔ جبکہ کافر ومنافق قسم کے لوگ اس موقع پر درست جواب نہ دے سکیں گے جس کے نتیجہ میں ان کیلئے قبر میں دردناک عذاب ہوگا۔

غَیـرَ الثَّـقَـلَیـنِ) (۱) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (جب کسی بندے کو قبر میں ڈال دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی [اس کی تدفین کے بعد] واپس روانہ ہوتے ہیں اور وہ اس وقت ان کے جوتوں کی چاپ سن رہا ہوتا ہے، تب اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا دیتے ہیں، پھر کہتے ہیں: ''تم اس شخص [یعنی رسول اللہ ﷺ] کے بارے میں کیا کہتے ہو؟'' مؤمن [اس سوال کے جواب میں] یوں کہتا ہے کہ: ''میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔ تب اسے کہا جاتا ہے: ''جہنم میں اپنے ٹھکانے کی طرف دیکھو، اللہ نے اسے تمہارے لئے جنت میں ٹھکانے سے تبدیل کر دیا ہے''۔ تب وہ ان دونوں [ٹھکانوں] کو دیکھتا ہے۔ جبکہ کافر اور منافق کو کہا جاتا ہے کہ: ''''تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو؟'' وہ کہتا ہے کہ: ''میں کچھ نہیں جانتا، لوگ جو کچھ کہا کرتے تھے میں بھی بس وہی کہتا تھا'' اسے کہا جاتا ہے کہ: ''تم نے نہ تو کچھ جانا اور نہ ہی [کامیابی حاصل کرنے والوں میں] شامل ہو سکے'' اور اسے لوہے کے گرزوں سے ضرب لگائی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ اس بری طرح چیخ مارتا ہے کہ جسے انسانوں اور جنوں کے سوا آس پاس موجود سب ہی جاندار سنتے ہیں)۔

برزخی زندگی میں راحت یا عذاب:

''فتنۂ قبر'' یعنی قبر میں سوال وجواب کے بیان میں ذکر کی گئی احادیث سے یہ بات ثابت وواضح ہو گئی کہ برزخی زندگی میں کسی کیلئے اللہ کی طرف سے نعمتیں اور سامانِ راحت وآرام ہے...... جبکہ اس کے برعکس کسی کیلئے دردناک عذاب کا انتظام ہے۔ اس بارے میں مزید

(۱) بخاری [۱۳۰۸] باب ماجاء فی عذاب القبر۔ مسلم [۲۸۷۰] باب عرض مقعد المیّت من الجنۃ أوالنار علیہ......

تفصیل درج ذیل ہے:

☆ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿اَلنَّارُ يُعرَضُونَ عَلَيهَا غُدُوّاً وَّ عَشِيّاً وَيَومَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدخِلُوا آلَ فِرعَونَ أَشَدَّ العَذابَ﴾ (۱) ترجمہ: (آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح وشام لائے جاتے ہیں، اور جس دن قیامت قائم ہوگی [فرمان ہوگا کہ] فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں ڈالو)

یعنی فرعون اور اس کی آل کو صبح وشام جو آگ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے ان کیلئے عذاب کا یہ سلسلہ ان کی برزخی زندگی میں ہے، اور پھر قیامت کے روز یہ حکم ہوگا کہ انہیں جہنم کی آگ میں پھینک دیا جائے، یعنی وہاں الگ سے عذاب ہوگا جس کے بارے میں اس آیت کے آخری حصہ: ﴿وَيَومَ تَقُومُ السَّاعَةُ......﴾ میں الگ سے تذکرہ ہے۔

☆ نیز ارشاد ہے: ﴿سَنُعَذِّبُهُم مَرَّتَينِ ثُمَّ يُرَدُّونَ اِلَىٰ عَذابٍ عَظِيمٍ﴾ (۲) ترجمہ: (ہم انہیں دوہری سزا دیں گے، پھر وہ بڑے بھاری عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے) اس آیت میں ''دوہری سزا'' سے مراد بعض اہلِ علم کے نزدیک دنیا میں عذاب اور پھر آخرت میں عذاب ہے، جبکہ متعدد اہلِ علم کے نزدیک اس سے برزخی زندگی میں اور پھر آخرت میں عذاب مراد ہے)

☆ نیز ارشاد ہے: ﴿فَذَرهُم حَتّىٰ يُلَاقُوا يَومَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصعَقُونَ يَومَ لَايُغنِي عَنهُم كَيدُهُم شَيئاً وَّ لَاهُم يُنصَرُونَ وَ اِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذاباً دُونَ ذلِكَ وَلٰكِنَّ أَكثَرَهُم لَايَعلَمُونَ﴾ (۳) ترجمہ: (تو انہیں چھوڑ دے یہاں تک کہ انہیں اس دن سے سابقہ پڑے جس میں یہ بے ہوش کر دیئے جائیں گے، جس دن

(۱) غافر/المؤمن [۴۶] (۲) التوبۃ [۱۰۱] (۳) الطّور [۴۵-۴۶-۴۷]

انہیں ان کا مکر کچھ کام نہ دے گا اور نہ وہ مدد کیئے جائیں گے، بے شک ظالموں کیلئے اس کے علاوہ اور عذاب بھی ہیں لیکن ان لوگوں میں سے اکثر جانتے نہیں)

ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ ''شرح الطحاویۃ'' میں اس مذکورہ آیت کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:(و هذا يُحتمل أن يُراد بهٖ عذابهم بالقتل و غيرهٖ في الدّنيا ، و أن يُراد بهٖ عذابهم في البرزخ، و هو أظهر لأنّ كثيراً منهم مات ولم يُعذّب في الدّنيا ، أو المُراد أعمّ من ذلك) (۱) یعنی:(یہاں یہ احتمال ہے کہ اس عذاب سے مراد دنیا میں ان کیلئے قتل یا اور کسی شکل میں عذاب ہو، اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد ان کیلئے برزخی زندگی کا عذاب ہو، اور یہ دوسری بات ہی زیادہ مناسب ہے، کیونکہ ان میں سے بہت سے لوگ دنیا میں کوئی عذاب بھگتے بغیر ہی مر گئے۔ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد اس سے بھی زیادہ عام کوئی اور عذاب ہو)۔

☆ نیز ارشاد ہے:﴿مِمَّا خَطِيـئَاتِهِم أُغرِقُوا فَأُدخِلُوا نَاراً﴾ (۲) ترجمہ:(یہ لوگ اپنے گناہوں کے سبب سے ڈبو دیئے گئے پھر آگ میں پہنچا دیئے گئے) یعنی غرق کے فوراً بعد ہی آگ میں پہنچا دیئے گئے،، جس سے یقیناً برزخی زندگی کی آگ مراد ہے، کیونکہ قیامت تو ابھی آئی ہی نہیں، جبکہ اس آیت میں ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، یعنی انہیں آگ میں پہنچا دیا گیا ہے۔

☆عن ابن عمر رضي اللّه عنهما أنّ الرّسول ﷺ قال:(اِنَّ أَحَدَكُم اِذامَات عُرِض عَلَيهِ مَقعَدُهٗ بِالغَدَاةِ وَ العَشِيِّ ، اِن كَانَ مِن أهلِ الجَنَّةِ

(۱) شرح الطحاویۃ، صفحہ [۳۹۱] مطبوعۃ: وزارۃ الشئون الاسلامیۃ بالمملکۃ العربیۃ السعودیۃ۔

(۲) نوح [۲۵]

فَمِن أهلِ الجَنَّةِ ، وَإن كَانَ مِن أهلِ النّارِ فَمِن أهلِ النّارِ ، فَيُقَالُ : هذا مَقعَدُكَ حَتّىٰ يَبعَثَكَ اللّٰهُ يَومَ القِيَامَةِ) (۱)

ترجمہ:(حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(تم میں سے کوئی شخص جب مرجاتا ہے تو اسے صبح وشام اس کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے، اگر وہ جنت والوں میں سے ہوتا ہے تو اسے جنت میں اس [کیلئے مخصوص] ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے، اور اگر وہ جہنم والوں میں سے ہوتا ہے تو اسے جہنم میں اس [کیلئے مخصوص] ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے، اور یوں کہا جاتا ہے کہ قیامت کے روز جب اللہ تمہیں دوبارہ زندہ کریگا اسوقت تمہارا یہی ٹھکانہ ہوگا)

☆عن أنس رضي اللّه عنه عن النّبيّ ﷺ قال: (لَولَا أن لَاتَدَافَنُوا لَدَعَوتُ اللّٰهَ أن يُسمِعَكُم عَذابَ القَبرِ) (۲)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(اگر مجھے یہ اندیشہ نہوتا کہ کہیں تم [خوف ودہشت کی وجہ سے] اپنے مُردوں کو دفن کرنا ہی چھوڑ دو تو میں اللہ سے اس بات کی دعاء کرتا کہ وہ تمہیں عذابِ قبر [کی آوازیں] سنائے)۔

☆عن ابن عباس رضي اللّه عنهما قال: (مَرَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلىٰ قَبرَينِ فَقَالَ : اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ ، وَمَايُعَذَّبَانِ فِي كَبِير ،أَمَّاأَحَدُهُمَا فَكَانَ يَمشِي بِالنَّمِيمَةِ، وَأَمَّاالآخَرُ فَكَانَ لَايَستَتِرُ مِن بَولِهِ) وفي رواية:(وَأَمَّا الآخَرُ فَكَانَ لَايَستَنزِهُ مِن بَولِهِ) (۳)

(۱) بخاری [۱۳۱۳] باب ماجاء فی عذاب القبر۔ مسلم [۲۸۶۶] باب عرض مقعد المیّت من الجنۃ اوالنار علیہ......

(۲) مسلم [۲۸۶۸] باب عرض مقعد المیّت من الجنۃ اوالنار علیہ واثبات عذاب القبر والتعوذ منہ۔

(۳) بخاری [۱۳۱۲] باب ماجاء فی عذاب القبر من الغیبۃ والبول۔ مسلم [۲۹۲] باب نجاسۃ الدم وکیفیۃ غسلہ۔

ترجمہ:(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ :رسول اللہ ﷺ ایک بار دوقبروں کے قریب سے جب گذرے تو آپؐ نے فرمایا:(اس وقت یہ دونوں قبروں والے عذاب میں مبتلا ہیں،حالانکہ جس وجہ سے عذاب میں مبتلا ہیں وہ[بظاہر] کوئی خاص بہت بڑی وجہ بھی نہیں ہے(۱)ان میں سے ایک شخص تو[اس لئے عذاب میں مبتلا ہے کہ] چغلیاں کیا کرتا تھا،جبکہ دوسرا شخص پیشاب سے بچنے کا اہتمام نہیں کیا کرتا تھا)

☆عن أبي هريرة رضي اللّه عنه قال : قال رسول اللّه ﷺ : (اِذافَرَغَ أحَدُكُم مِنَ التَّشَهُّدِ فَليَتَعَوَّذ بِاللّٰهِ مِن أربَعٍ: مِن عِذابِ جَهَنَّم ، وِمِن عَذابِ القَبر ، وَمِن فِتنَةِ المَحيَا وَ المَمَاتِ ، وَمِن فِتنَةِ المَسِيحِ الدَّجَالِ) (۲)

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(تم میں سے کوئی شخص جب [دورانِ نماز]تشہد پڑھ چکے تو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ طلب کیا کرے:جہنم کے عذاب سے،قبر کے عذاب سے،زندگی اور موت کے ہر فتنہ سے،اور مسیح دجال کے فتنہ سے)

☆عن أبي سعيد رضي اللّه عنه عن النّبيّ ﷺ قال: (اِنَّمَا القَبرُ رَوضَةٌ مِن رِيَاضِ الجَنَّةِ أو حُفرَةٌ مِن حُفَرِ النَّارِ) (۳)

(۱)یعنی وہ کوئی ایسی بہت بڑی مشکل بات نہیں تھی کہ جس سے بچنا ان دونوں کیلئے بہت مشکل کام تھا، بلکہ وہ تو بہت ہی معمولی اور آسان سی بات تھی کہ اگر یہ اس سے بچنا چاہتے تو بسہولت بچ سکتے تھے،مگر انہوں نے اس سے بچنے کی فکر اور کوشش ہی نہیں کی،جس کے نتیجہ میں اب یہ دونوں اپنی اپنی قبر میں بڑے عذاب میں مبتلا ہیں۔

(۲)بخاری[۶۳۶۶]مسلم[۵۸۶] (۳) ترمذی[۲۴۶۰]یہ دراصل ایک طویل حدیث کا حصہ ہے جس کی ابتداء اس طرح ہے:(دخل رسول اللّه ﷺ مصلّاه ، فرأى ناساً كأنّهم يكتشرون......)

ترجمہ: (حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (بے شک قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے)

☆عن زيد بن ثابت رضي الله عنه قال: بَينَمَا النَّبِيُّ ﷺ فِي حَائِطٍ لِبَنِي نَجَّارٍ عَلىٰ بَغْلَةٍ لَهُ وَ نَحنُ مَعَهُ ، اِذ حَادَت بِهٖ فَكَادَت تُلْقِيهِ ، وَ اِذَا أقبُرٌ سِتَةٌ أو خَمسَةٌ أو أربَعَةٌ ، فَقَالَ: مَن يَعرِفُ أصحَابَ هذِه الأقبُرِ؟ قَالَ رَجُلٌ: أنَا ، قَالَ: فَمَتىٰ مَاتُوا؟ قَالَ: في الِاشرَاكِ ، فَقَالَ: ((اِنّ هذِه الأمّةَ تُبتَلَىٰ فِي قَبرِهَا ، فَلَولَاأن تَدَافَنُوا لَدَعوتُ اللّهَ أن يُسمِعَكُم مِن عَذَابِ القَبرِ الّذِي أسمَعُ مِنهُ)) ثُمَّ أقبَلَ عَلَينَا بِوَجهِهٖ ، فَقَالَ : ((تَعَوَّذُوابَاللّهِ مِن عَذابِ النَّار)) قَالُوا: نَعُوذُ بِاللّهِ مِن عَذابِ النَّارِ، قَال: ((تَعَوَّذُوابَاللّهِ مِن عَذابِ القَبرِ)) قَالُوا: نَعُوذُ بِاللّهِ مِن عَذابِ القَبرِ، قَال: ((تَعَوَّذُوابَاللّهِ مِنَ الفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنهَا وَمَا بَطَن)) قَالُوا: نَعُوذُ بِاللّهِ مِن الفِتَنِ مَا ظَهَرَ مَنهَا وَمَابَطَن ، قَال: ((تَعَوَّذُوابَاللّهِ مِن فِتنَةِ الدَّجَّالِ)) قَالُوا: نَعُوذُ بِاللّهِ مِن فِتنَةِ الدَّجَّال ۔ (۱)

ترجمہ: (حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار جب نبی ﷺ بنونجار کے کسی باغ میں اپنے خچر پر سوار تھے اور ہم بھی آپ ؐ کے ہمراہ تھے کہ اچانک آپ ؐ کا خچر [اس قدر شدت کے ساتھ] بدکا کہ قریب تھا کہ آپ ؐ کو گرادے، وہاں سامنے چھ یا پانچ یا چار قبریں تھیں، آپ ؐ نے دریافت فرمایا: ''ان قبر والوں سے کون واقف ہے؟ ایک

(۱) مسلم[۲۸۶۷] باب عرض مقعد الميّت من الجنّة او النّار عليه واثبات عذاب القبر......

شخص نے کہا کہ: ''میں [ان سے واقف ہوں]'' آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ: ''ان کی موت کب واقع ہوئی تھی؟'' اس شخص نے جواب دیا کہ: ''شرک کے زمانے میں'' اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اس امت کی قبر میں آزمائش کی جاتی ہے، اور اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہو کہ کہیں تم [خوف کی وجہ سے] مُردوں کو دفن کرنا ہی چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے یہ دعاء کرتا کہ وہ تمہیں بھی عذابِ قبر [کی آوازیں] اسی طرح سنائے جس طرح میں سنتا ہوں'' اس کے بعد آپؐ نے اپنا رُخ ہماری طرف فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ: ''اللہ کی پناہ طلب کرو آگ کے عذاب سے'' سب نے کہا کہ: ''ہم اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں آگ کے عذاب سے'' پھر آپ ﷺ فرمایا: ''اللہ کی پناہ طلب کرو قبر کے عذاب سے'' سب نے کہا کہ: ''ہم اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں قبر کے عذاب سے'' پھر آپ ﷺ فرمایا: ''اللہ کی پناہ طلب کرو ہر قسم کے ظاہری و باطنی فتنوں سے'' سب نے کہا کہ: ''ہم اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں ظاہری و باطنی فتنوں سے'' پھر آپ ﷺ فرمایا: ''اللہ کی پناہ طلب کرو دجال کے فتنہ سے'' سب نے کہا کہ: ''ہم اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں دجال کے فتنہ سے'' ۔

☆ضروری تنبیہ :

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ:

☆......''فتنۂ قبر'' یعنی قبر میں فرشتوں کی طرف سے سوال وجواب نیز اس کے نتیجہ میں وہاں راحت یا عذاب کا جہاں تذکرہ ہو وہاں ''قبر'' سے مراد ہر وہ جگہ ہے جہاں انسان اس دنیاوی زندگی کے خاتمہ کے بعد منتقل ہو گیا ہو، خواہ وہ واقعی قبر ہی ہو جو کہ زمین میں کھود کر بنائی جاتی ہے، یا کسی درندے یا مچھلی کا پیٹ ہو یا کوئی اور جگہ۔

ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (واعلم أنّ عذاب القبر هو عذاب البرزخ،

فكلّ من مات وهو مستحقّ للعذاب نالهٗ نصيبهٗ منه، قُبر أو لم يُقبر، أكلته السّباع، أو احترق حتى صار رماداً و نُسِف في الهواء، أو صُلِب، أو غرق في البحر، وصل روحهٗ وبدنهٗ من العذاب مايصل الىٰ المقبور) (۱)

ترجمہ: (جان لوکہ! عذابِ قبر سے مراد برزخی زندگی کا عذاب ہے، پس ہر وہ شخص جس کی موت واقع ہوچکی ہو اور وہ عذاب کا مستحق ہو تو اسے یہ عذاب پہنچ کر ہی رہے گا، خواہ اسے قبر میں دفن کیا گیا ہو یا نہیں، خواہ اسے درندوں نے چیر پھاڑ کر کے کھالیا ہو، یا وہ جل کر راکھ ہوگیا ہو اور اس کی راکھ ہوا میں اڑادی گئی ہو، یا اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا ہو، یا سمندر میں غرق ہوگیا ہو، بہرصورت اس کی روح اور بدن کو اسی طرح عذاب پہنچتا رہے گا جس طرح قبر میں دفن کئے گئے شخص کو پہنچتا ہے)

☆...... ''عذابِ قبر'' یا برزخی زندگی کے عذاب کے بارے میں کسی کے ذہن میں یہ اشکال پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ قبر میں مردہ تو آرام سے پڑا ہوا ہے، نہ تڑپتا ہے نہ تلملاتا ہے، نہ ہی چیخ و پکار کرتا ہے، اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر طرح عذاب دینے پر قادر ہے، زندہ انسان بھی تو اگر تڑپتا ہے یا چیختا چلاتا ہے تب ہی تو دیکھنے والوں کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اسے کوئی تکلیف ہے، لیکن اگر تکلیف کے باوجود وہ نہ چلائے' نہ تڑپے' تو اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہوگا کہ اسے تکلیف ہی نہیں ہے۔

☆......انسان کی موت کے بعد اس کیلئے راحت یا عذاب کا تعلق برزخی زندگی سے ہے،

(۱) شرح الطحاویۃ، از: ابن ابی العز الحنفی [صفحہ:۳۹۶] ازمطبوعات: الرئاسۃ العامۃ لادارات البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد بالمملکۃ العربیۃ السعودیۃ۔ (۱۴۱۳ھ)

لہٰذا اس دنیاوی زندگی میں رہتے ہوئے کوئی شخص برزخی زندگی کے حالات کا مشاہدہ یا ادراک کر ہی نہیں کرسکتا۔

☆...... برزخی زندگی میں انسان کیلئے راحت یا عذاب کا تعلق اس کی روح سے ہے، جس طرح سویا ہوا انسان کبھی خوش ہوتا ہے، ہنستا ہے، اچھے اچھے مناظر خواب میں دیکھتا ہے، اور کبھی ڈرتا ہے، کبھی روتا ہے، مگر اس کے قریب بیٹھے ہوئے کسی شخص کو اس بات کا کوئی علم نہیں ہوتا، نہ ہی اسے وہاں اچھا یا برا کچھ نظر آتا ہے۔ اسی طرح مردہ شخص بھی خوش ہوتا ہے یا ڈرتا ہے، اچھے یا برے مناظر دیکھتا ہے جس کا علم وادراک اس کے قریب موجود زندہ اشخاص کیلئے ممکن نہیں۔

☆...... برزخی زندگی میں راحت یا عذاب کا تعلق اگرچہ روح کے ساتھ ہے، تاہم موت کے بعد بھی اللہ کی قدرت سے انسان کی روح کا اس کے جسم کے ساتھ کسی نہ کسی درجہ میں تعلق برقرار رہتا ہے، اس کا جسم اگرچہ بظاہر مکمل طور پر فنا ہو چکا ہو مگر اس کا کوئی نہ کوئی ذرہ تو اس زمین میں یا کائنات میں کسی جگہ باقی رہتا ہے اور اس کے ساتھ ہمہ وقت یا بعض اوقات جب اللہ چاہے اس کی روح کا اتصال ہوتا رہتا ہے، لہٰذا برزخی زندگی کی راحت یا عذاب کو اس کا جسم کسی نہ کسی درجہ میں محسوس کرتا ہے اور اس سے متاثر ہوتا ہے۔

☆...... یہاں یہ بات بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ انسان کی دنیاوی زندگی میں اس کیلئے راحت یا تکلیف کا براہِ راست تعلق جسم سے ہوتا ہے اور روح جسم کے تابع ہوا کرتی ہے، جبکہ اس کے برعکس برزخی زندگی میں راحت یا تکلیف کا براہِ راست تعلق روح سے ہوگا جبکہ جسم روح کے تابع ہوگا، یا بالفاظِ دیگر جسم کی حیثیت ثانوی ہوگی۔ و اللّٰہ أعلم۔

علاماتِ قیامت:

اس بات پر مکمل یقین وایمان تو ضروری ولازمی ہے کہ قیامت ضرور آئیگی، لیکن کب آئیگی؟ اس بات کا علم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں، نہ ہی کسی رسول اور نبی کو اس بات سے مطلع کیا گیا ہے اور نہ ہی کسی مقرب ترین فرشتے کو، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿يَسئَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ ، قُل اِنَّمَا عِلمُهَاعِندَاللّٰهِ وَمَايُدرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيباً﴾ (۱) ترجمہ: (لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے! کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے، آپ کو کیا خبر بہت ممکن ہے قیامت بالکل قریب ہی ہو)

نیز ارشاد ہے: ﴿يَسئَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِأَيَّانَ مُرسٰهَا قُل اِنَّمَاعِلمُهَاعِندَ رَبّي لَايُجَلِّيهَا لِوَقتِهَا اِلَّاهُوَ ثَقُلَت فِي السَّمٰوَاتِ وَالأَرضِ لَاتَأتِيكُم اِلَّابَغتَةً يَسئَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنهَا قُل اِنَّمَا عِلمُهَاعِندَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ أَكثَرَ النَاسِ لَايَعلَمُونَ﴾ (۲)

ترجمہ: (یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے، اس کے وقت پر اس کو سوائے اللہ کے اور کوئی ظاہر نہ کرے گا، وہ آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری [حادثہ] ہوگا، وہ تم پر محض اچانک آپڑے گی، وہ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے گویا آپ اس کی تحقیقات کر چکے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم تو خاص اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر

(۱) الاحزاب [۶۳] (۲) الاعراف [۱۸۷]

لوگ نہیں جانتے)

اسی طرح ''حدیثِ جبریل'' کے نام سے معروف حدیث سے بھی یہی بات واضح وثابت ہوتی ہے۔کیونکہ جب سائل یعنی حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ: مَتىٰ السَّاعَة؟ یعنی قیامت کب آئیگی؟ تو اس موقع پر جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: مَا المَسئُولُ عَنهَا بِأعلَمَ مِنَ السَّائِل یعنی جس سے یہ سوال پوچھا گیا ہے [یعنی خود رسول اللہ ﷺ] اسے اس بارے میں سائل [جبریل علیہ السلام] سے بڑھ کر کچھ معلوم نہیں، یعنی اس بارے میں جس طرح حضرت جبریل علیہ السلام کو کچھ علم نہیں ہے بعینہٖ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو بھی کچھ علم نہیں۔(۱)

البتہ قیامت کی چند علامات (جنہیں ''اشراط الساعۃ'' بھی کہا جاتا ہے) مختلف احادیث میں بیان کی گئی ہیں جن پر یقین وایمان ضروری ہے۔ان میں سے چند''علاماتِ صغریٰ'' کہلاتی ہیں، جن میں سے اکثر کا تعلق اس بات سے ہے کہ آخری زمانے میں ہر طرف فتنہ وفساد پھیل جائیگا، انسانی معاشرہ مجموعی طور پر اخلاقی تنزلی وانحطاط کا شکار ہوجائیگا، چہارسو خیانت وبے ایمانی کا رواج ہوگا، امانت ودیانتداری کا تصور مٹ جائے گا، دینی علم اُٹھ جائے گا، جہالت اور بے دینی عام ہوجائیگی، فحاشی وبے حیائی بہت بڑھ جائے گی۔جبکہ دیگر چند علامات کو''علاماتِ کبریٰ'' کہا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں بعض اہلِ علم نے یہ نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ''علاماتِ صغریٰ'' سے مراد وہ علامات ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی ولادت سے امام مہدی کے ظہور تک کے عرصہ میں ظاہر

---

(۱)(بينما نحن جلوس عند رسول الله ﷺ اذ طلع علينا رجل شديدبياض الثّياب ، شديد سواد الشّعر......) [بخاري: ۵۰] [مسلم: ۸]۔

ہونگی ۔جبکہ اس کے بعد کے دور میں ظاہر ہونے والی تمام علامات ''علاماتِ کبریٰ'' کہلاتی ہیں ۔ان علاماتِ صغریٰ و کبریٰ کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

علاماتِ صغریٰ:

(۱) رسول اللہ ﷺ کی بعثت:

قیامت کی علاماتِ صغریٰ میں سے سب سے پہلی علامت تو نبی آخرالزمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ولادت اور بعثت و نبوت ہے، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے: (بُعِثتُ أنَا وَالسَّاعَةُ کَهَاتَینِ) وَ أشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالوُسطیٰ ۔ (۱) یعنی رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ کی تشہد کی انگلی اور درمیانی انگلی کو ملاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ''میری بعثت اور قیامت دونوں چیزیں باہم اسی طرح قریب [اور متصل] ہیں''۔

نیز یہ کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، اس سے یہ بات بخوبی واضح ہے کہ خود آپ ؐ کی ولادت و بعثت نیز ختمِ نبوت یقیناً قربِ قیامت ہی کی علامت ہے ۔قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿فَهَل یَنظُرُونَ اِلَّاالسَّاعَةَ أن تَأتِیَهُم بَغتَةً فَقَد جَآءَ أشرَاطُهَا﴾ (۲)

ترجمہ: (تو کیا یہ قیامت کا انتظار کررہے ہیں کہ ان کے پاس اچانک آجائے، یقیناً اس کی علامات تو آ ہی چکی ہیں) اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے رسول اللہ ﷺ کی ولادت و بعثت ہی مراد ہے۔

☆اس کے علاوہ چند مزید علاماتِ صغریٰ کا بیان درجِ ذیل ہے:

☆......علم کا اٹھ جانا اور جہل کا زیادہ ہونا۔

(۱) بخاری[۴۶۵۲] باب تفسیر سورۃ والنازعات ۔نیز: [۴۹۹۵] مسلم [۸۶۷] ابن حبان [۱۰] نیز: [۲۶۴۱]

(۲) محمد [۱۸]

☆......زنا عام ہو جانا۔

☆......شراب نوشی کی کثرت۔

☆......عورتوں کی کثرت اور مردوں کی قلت۔

☆......صرف ان لوگوں کو سلام کرنا جن سے تعارف ہو۔

☆......جھوٹ کا عام رواج ہو جانا اور اسے معیوب و قابلِ نفرت سمجھنے کی بجائے ''ہوشیاری' دانشمندی اور ذہانت'' تصور کیا جانا۔

☆......ماں کی نافرمانی اور بیوی کی اطاعت و فرمانبرداری۔

☆......باپ کو دور ہٹانا اور یاروں دوستوں کو قریب کرنا۔

☆......امانت و دیانت کا خاتمہ اور خیانت و بے ایمانی کا عام ہو جانا۔

☆......امانت کو لوٹ کا مال سمجھ کر دبا لینا۔

☆......زکوۃ کو (عبادت' کارِ خیر' اور دین کا حصہ سمجھنے کی بجائے) جرمانہ (اور بوجھ) سمجھنا۔

☆......گانا بجانا اور موسیقی کا عام چرچا ہو جانا۔

☆......احمقوں اور نالائقوں کا امیر و حکمران بن جانا۔

☆......رذیلوں اور فاسقوں کا اپنی اپنی قوم اور برادری یا قبیلے کا سردار اور رہنما بن جانا۔

☆......ظلم و ستم اور ناانصافی کا عام ہو جانا۔

☆......بھوکے اور مفلوک الحال لوگوں کا دیکھتے ہی دیکھتے رئیس و مالدار بن جانا۔

☆<u>اس سلسلہ میں درجِ ذیل چند احادیث ملاحظہ ہوں:</u>

☆<u>اِنَّ مِن أشرَاطِ السَّاعَةِ أن يُرفَعَ العِلمُ وَيَثبُتُ الجَهلُ وَيُشرَبُ الخَمرُ</u>

وَيَظْهَرُ الزِّنَا) (۱) ترجمہ: (قیامت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ علم اٹھالیا جائیگا، جہل عام ہوجائے گا (۲) شراب پی جائے گی اور زنا عام ہوجائے گا)

☆مِن أشراطِ السَّاعَةِ أن يَقِلَّ العِلمُ ويظهر الجهل وَيَظهَرُ الزِّنَا وَتَكثُرُ النِّسَاءُ وَيَقِلُّ الرِّجَالُ حَتَّىٰ يَكُونَ لِخَمسِينَ امرَأَةً القَيِّمُ الوَاحِدُ) (۳) ترجمہ: (قیامت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ علم کی قلت ہوجائے گی، جہل پھیل جائے گا، زنا عام ہوجائے گا، عورتوں کی کثرت اور مردوں کی قلت ہوجائے گی، یہاں تک کہ پچاس عورتوں کیلئے سرپرست صرف ایک مرد ہوگا)

☆ عن أبي هريرة رضي الله عنه : أنّ أعرابياً قال : يارسول الله متىٰ السّاعة؟ قال ﷺ :(اِذاضُيِّعَتِ الأمَانَةُ فَانتَظِرِالسَّاعَة) قال: كيف اِضاعتها؟ قال: (اِذاوُسِدَ الأمرالِىٰ غَيرِ أهلِهِ فَانتَظِرِالسَّاعَةَ) (۴) ترجمہ: (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے عرض کیا کہ: ''اے اللہ کے رسول! قیامت کب آئے گی؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب امانت کو ضائع کیا جانے لگے تب تم قیامت کا انتظار کرو''۔ اس نے عرض کیا کہ: ''امانت کو کس طرح ضائع کیا جائے گا؟'' فرمایا: ''جب کوئی عہدہ کسی ایسے انسان کے سپرد کردیا جائے کہ جس کا وہ اہل نہ ہو تب تم قیامت کا انتظار کرو'')

☆لَاتَقُومُ السَّاعَةُ حَتّىٰ يَظهَرَ الفُحشُ ، وَ التَّفَحُشُ ، وَقَطِيعَةُ الرَّحِمِ ،

(۱) بخاری[۸۰] نیز: [۴۹۳۳] (باب یقل الرجال ویکثر النساء) مسلم[۲۶۷۱] باب رفع العلم وقبضہ۔
(۲) یہاں علم سے مراد ''علمِ دین'' ہے، یعنی لوگوں کی اکثریت ''علمِ دین'' سے ناواقف اور محروم ہوگی۔
(۳) بخاری[۸۱] ترمذی[۲۲۰۵] (باب ماجاء فی اشراط الساعۃ) احمد[۱۲۸۲۹]
(۴) بخاری[۵۹] کتاب العلم۔ احمد[۸۷۱۴]

وَتَخْوِينُ الأَمِينِ وَائتِمَانُ الخَائِنِ ۔ (۱) ترجمہ: (قیامت قائم نہیں ہوگی تاوقتیکہ بے حیائی، فحاشی، قطع رحمی، ایمان دار کو خائن اور خائن کو ایمان دار قرار دینے کا عام رواج ہوجائے)

☆اِنَّ مِنْ أشْرَاطِ السَّاعَةِ اِذا كَانَتِ التَّحِيَّةُ عَلَىٰ المَعْرِفَةِ (۲) ترجمہ: (قیامت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ سلام صرف تعارف کی بنیاد پر کیا جائیگا) (۳)

☆لَاتَقُومُ السَّاعَةُ حَتّىٰ يَكُونَ أسعَدَ النَّاسِ بِالدُّنيَا لُكَع بِن لُكَع ۔ (۴) ترجمہ: (قیامت نہیں آئے گی تاوقتیکہ دنیا میں سب سے زیادہ خوش اور کامیاب وہ انسان ہوگا جو کہ رذیل ابن رذیل ہوگا) (۵)

---

(۱) احمد[۶۵۱۴] الطبرانی فی الأوسط۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ[۲۲۹۰]

(۲) احمد[۳۶۶۴] الطبرانی فی المعجم الکبیر۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ[۶۴۸]

(۳) یعنی لوگوں کا یہ عام مزاج بن جائے گا کہ ہر مسلمان کو سلام کرنے کی بجائے صرف انہی لوگوں کو سلام کیا جائے گا جن سے تعارف ہو، حالانکہ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ تمام مسلمان کسی تمیز وتفرقہ کے بغیر زیادہ سے زیادہ باہم ایک دوسرے کو سلام کیا کریں، تاکہ باہمی اخوت ومحبت کے جذبات میں اضافہ وترقی ہو۔

(۴) احمد[۲۳۳۵۱] ترمذی[۲۲۰۹] بیہقی فی دلائل النبوۃ۔ مشکاۃ المصابیح[۵۳۶۵]۔

(۵) ☆اللُكع : الأحمق ، اللّئيم : یعنی: ''لُکع'' کے معنیٰ ہیں: ''احمق اور رذیل قسم کا انسان''۔ ملاحظہ ہو: المنجد فی اللغۃ والاعلام۔ صفحہ: [۷۳۲] ☆ اللُكع : لئيم الأصل والنفسيّة ۔ یعنی بدخصلت، بدمزاج، رذیل اور گھٹیا قسم کا انسان۔ ملاحظہ ہو: ''الرسالۃ فی الفتن والملاحم واشراط السّاعۃ'' از: ابوعبید ماہر بن صالح آل مبارک۔ صفحہ: [۸۵]

یعنی جو شخص جس قدر بدخصلت اور حقیر مزاج وعادات کا مالک ہوگا اور ایسے ہی مزاج والے انسان کی وہ اولاد بھی ہوگا (یعنی نسلی اور خاندانی حقیر ہوگا) اس دنیا میں وہ اسی قدر خوش اور کامیاب ہوگا۔

☆أن تَـرَىٰ الـحُـفَـاة العُراة العَالَةَ رِعَاء الشّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي البُنيَانِ ۔ (۱)

ترجمہ:(تم دیکھوگے کہ ننگے پاؤں اور ننگے بدن والے مفلس ونادار اور بکریاں چرانے والے لوگ [دیکھتے ہی دیکھتے] بلندوبالا عمارتوں کی تعمیر میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں گے)

☆ يَمُرّ الرجُلُ بِقَبرِ الرَجُلِ فَيَقُولُ يَا لَيتَنِي مَكَانَهُ) (۲)

ترجمہ:(انسان کسی قبر کے قریب سے گذرتے وقت یہ تمنا کرے گا کہ'' کاش اس قبر میں موجود اس مردے کی جگہ میں دفن ہوتا'')

یعنی ظلم وستم اور زیادتی وناانصافی کا سلسلہ اس قدر بڑھ چکا ہوگا کہ انسان موت کی تمنا کرے گا،قبر میں پڑے ہوئے مردے کوخوش نصیب اور خودکو بدنصیب تصور کریگا۔(۳)

علاماتِ کبریٰ:

اس سلسلہ میں حضرت حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ملاحظہ ہو:

(اطّلع النّبيّ ﷺ علينا و نحن نتذاكر ، فقال: ماتُذاكرون؟ قالوا: نذكرالسّاعة ، قال: انّها لن تقوم حتّىٰ تروا قبلها عشرآيات : فذكر: الدّخان، والدجّال ، و الدّابّة ، وطلوع الشّمس من مغربها ، ونزول عيسىٰ بن مريم ، ويأجوج ومأجوج ، وثلاثة خسوف: خسف بالمشرق

(۱)بخاری[۵۰]مسلم[۸] کتاب الایمان۔

(۲)بخاری[۶۶۹۸] كتاب الفتن، باب: لاتقوم الساعة حتىٰ يغبط أهل القبور)

(۳)اس کے علاوہ بھی احادیثِ صحیحہ میں قیامت کی مختلف علامات بیان کی گئی ہیں،اس سلسلہ میں کتبِ صحاح میں متفرق مقامات(مثلاً: کتاب الفتن واشراط الساعۃ) وغیرہ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

وخسف بالمغرب ، وخسف بجزيرة العرب ، وآخرذلك نار تخرج من اليمن تطرد النّاس الیٰ مَحَاشِرِهِم) (۱)

ترجمہ: (ایک بار جب ہم آپس میں کسی گفتگو میں مشغول تھے ایسے میں نبی ﷺ ہماری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: ’’تم لوگ کس بارے میں گفتگو کر رہے ہو؟‘‘۔ سب نے عرض کیا کہ ہم قیامت کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ’’قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ تم اس سے قبل دس نشانیاں نہ دیکھ لو‘‘۔ پھر آپ ﷺ نے دھوئیں‘ دجال‘ دابہ (۲) سورج کے مغرب سے طلوع ہونے‘ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام‘ یاجوج ماجوج‘ نیز تین بار ظاہر ہونے والے خسوف (یعنی زمین میں دھنسا دیئے جانے کے واقعات) کے بارے میں تذکرہ فرمایا، جن میں سے ایک خسف مغرب میں‘ ایک مشرق میں‘ اور ایک جزیرۃ العرب میں ہوگا، اور سب سے آخر میں ایک آگ ہوگی جو کہ یمن سے ظاہر ہوگی اور تمام انسانوں کو ان کے محشر کی جانب ہنکا لے جائے گی)

مذکورہ بالا حدیث میں قیامت کی چند ’’علاماتِ کبریٰ‘‘ کا تذکرہ موجود ہے، مذکورہ علامات نیز دیگر چند ’’علاماتِ کبریٰ‘‘ کے بارے میں کچھ تفصیل درجِ ذیل ہے:

(۱) ظہورِ ’’مہدی‘‘:

’’مہدی‘‘ کے لغوی معنیٰ ہیں: ’’ہدایت یافتہ‘‘۔ لہٰذا اس معنیٰ میں ہر سچے اور حقیقی مؤمن کو مہدی کہا جا سکتا ہے۔

البتہ یہاں علاماتِ قیامت کے بیان میں ’’مہدی‘‘ سے مراد ایک مخصوص شخصیت ہیں جن

(۱) مسلم [۲۹۰۱] باب فی الآیات التی تکون قبل الساعۃ۔

(۲) ’’دابہ‘‘ سے مراد قیامت کے قریب ظاہر ہونے والا ایک جانور ہے جس کا تذکرہ آئندہ آئے گا۔

کا ظہور قیامت کے قریب ہوگا، اور جو کہ رسول اللہ ﷺ کے اہلِ بیت میں سے اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی نسل سے ہوں گے(۱) ان کا نام ''محمد'' ہوگا، ولادت مدینہ منورہ میں ہوگی، جبکہ ظہور مکہ میں ہوگا، عاشوراء کی رات حرمِ کعبہ میں حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے مابین ان کے ہاتھ پر بیعت کی ابتداء ہوگی، ابتداء میں جزیرۃ العرب اور پھر تمام دنیا کو فتح کریں گے اور یوں دنیا پر ان کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ان کی آمد سے قبل ہر طرف ظلم وستم اور ناانصافی کا دور دورہ ہوگا، مگر وہ دنیا کو فتح کرنے کے بعد اسے عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔شریعتِ محمدیہ کا اتباع کریں گے۔سات سال کا عرصہ اسی طرح گذرنے کے بعد ان کے دور میں ہی ''دجال'' ظاہر ہوگا، اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اور وہ دجال کے قتل میں امام مہدی کی مدد کریں گے۔

(۱) قال عليّ رضي الله عنه ونظر الىٰ ابنه الحسن فقال: (انّ ابني هذا سيّد كما سمّاه النّبيّ ﷺ، وسيخرج من صلبهٖ رجل ......) ابوداؤد[۴۲۹۰] کتاب المہدی۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرت امام مہدی کے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی نسل سے ہونے میں ایک خاص قابلِ ذکر نکتہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جو کوئی بھی اللہ کی خوشی ورضامندی کی خاطر صبر وایثار سے کام لیتا ہے اور اپنے جائز حق سے دستبرداری کی راہ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ ضرور اسے یا اس کی اولاد میں سے کسی کو اس سے بہتر کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں۔حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی خلافت بچانے کیلئے جنگ وجدال، فتنہ وفساد اور خونریزی کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے محض اللہ کی خوشی ورضامندی کی خاطر صبر وایثار سے کام لیا اور اپنے جائز حق سے دستبرداری اور دنیاوی شان وشوکت سے کنارہ کشی کا راستہ اختیار فرمایا۔لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے انعام ملاحظہ ہو کہ قیامت کے قریب خلافت حضرت امام مہدی کے حصہ میں آئے گی جو کہ حضرت حسنؓ ہی کی نسل سے ہوں گے۔

ملاحظہ ہو: الارشاد الیٰ صحیح الاعتقاد والرد علیٰ اہل الشرک والالحاد (صفحہ:۲۰۰) از: صالح بن فوزان۔از: مطبوعات: الرئاسۃ العامۃ لادارات البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد بالمملکۃ العربیۃ السعودیۃ (۱۴۱۲ھ)۔

(۲)خروجِ''دجال'':

''دجال'' دجل سے مشتق ہے،جس کے لفظی معنیٰ مکروفریب اوردھوکہ دہی کے ہیں، لہٰذاعرفِ عام میں ہرمکار،فریبی اوردھوکے بازکو''دجال'' کہاجاتاہے۔

البتہ اصطلاحی معنیٰ میں دجال سے مرادایک ایساانسان ہے جوکہ تمام انسانوں کیلئے بہت ہی بڑی مصیبت اورفتنے کاسبب بنے گا۔

رسول اللہ ﷺ ہمیشہ دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ طلب کیاکرتے تھے،خصوصاً ہرنمازمیں تشہداوردرودکے بعدآپ ﷺ یہ دعاء پڑھاکرتے تھے اوراپنے اصحاب کوبھی اس کی تاکیدوتلقین فرماتے تھے:(اَللّٰھُمّ اِنّي أعُوذُ بِكَ مِن عَذابِ جَھَنَّمَ وَ مِن عَذاب القَبرِ وَمِن فِتنَةِ المَحيَا وَالمَمَاتِ وَمِن فِتنَةِ المَسِيحِ الدَّجَالِ) (۱)

ترجمہ:(اے اللہ!میں تیری پناہ طلب کرتاہوں جہنم کے عذاب سے،قبرکےعذاب سے، زندگی وموت کے ہرفتنہ سےاورمسیح دجال کےفتنہ سے)

دجال کی پیدائش اصفہان میں آباد ایک یہودی خاندان میں ہوگی،اس کے ماں باپ تیس سال سے مسلسل بے اولادہوں گے،اس کے بعدان کے یہاں دجال کی ولادت ہوگی جوکہ آنکھ سے کاناہوگا،ایک آنکھ پچکی ہوئی ہوگی،دونوں آنکھوں کے درمیان''ک ف ر'' لکھاہواہوگا،حضرت امام مہدی فتحِ قسطنطنیہ کے بعدجب ملکِ شام واپس پہنچ رہے

(۱)بخاری،باب التعوذمن عذاب القبر[۱۳۱۱]مسلم،باب مایستعاذمنہ فی الصلاۃ[۵۸۸]ابن حبان،باب الاستعاذۃ[۹۹۹]نیز[۱۹۶۷]موطامالک،باب ماجاءفی الدعاء[۵۰۱]ابن ماجہ،باب مایقال فی التشہد[۹۰۹] ترمذی[۳۴۹۴]نیز[۳۴۹۵]نسائی[۱۳۱۰]نیز[۲۰۶۰]نیز[۲۰۶۳]احمد[۱۲۶۸]نیز[۲۳۴۲][۲۸۳۹] ابوداؤد[۹۸۳]۔البتہ بعض روایات میں وَمِن فِتنَةِ المَسِيحِ الدَّجَالِ کی بجائے وَمِن شَرِّ المَسِيحِ الدَّجَالِ کےالفاظ ہیں۔

ہوں گے تب شام اور عراق کے مابین کسی مقام پر دجال کا ظہور ہوگا، بعد میں وہ تمام دنیا میں گھوم جائے گا، زمین میں زبردست فتنہ وفساد پھیلاتا رہے گا، آخر خدائی کا دعویٰ کردے گا، اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کیلئے آزمائش وامتحان کی غرض سے دجال کو خاص قسم کی قوت دی جائے گی جس کی بدولت وہ زمین میں طرح طرح کے کرشمے اور خارقِ عادت امور دکھا کر لوگوں کو راہِ حق سے گمراہ کرتا رہے گا۔ اپنے لشکر سمیت دنیا میں مختلف ممالک میں فتنہ وفساد پھیلاتا ہوا مکہ مکرمہ پہنچے گا، مگر وہاں فرشتوں کا پہرہ ہوگا، تب وہ مدینہ منورہ پہنچے گا، وہاں بھی فرشتوں کا پہرہ ہوگا، آخر گھوم پھر کر شام کی طرف واپس جائے گا، اسی دوران حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی منارہ پر دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے آسمان سے نازل ہوں گے، اور حضرت امام مہدی کے ساتھ مل کر دجال کے قتل کیلئے پیش قدمی فرمائیں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نظر پڑتے ہی دجال یوں پگھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں پگھلنے لگتا ہے، آخر کار ''بابِ لُد'' کے مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کو قتل کریں گے اور یوں اس فتنہ کا اختتام ہو جائے گا۔(۱)

(۳) نزولِ ''عیسیٰ علیہ السلام'' :

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام (جنہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت سے زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا تھا) آخری زمانے میں آسمان سے نازل ہوں گے ۔ ان کا نزول قرآن وحدیث اور اجماعِ امت سے ثابت ہے جس کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

☆ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَقَولِهِم اِنَّا قَتَلنَا المَسِيحَ عِيسىٰ ابنَ مَريَمَ

(۱) اس بارے میں مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: ''النهاية في الفتن والملاحم'' از: ابن کثیر۔ نیز: ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح''، از: محمد انور شاہ کشمیری۔ تحقیق: عبدالفتاح ابوغدہ۔

رَسُولَ اللّٰہِ وَمَاقَتَلُوہُ وَمَاصَلَبُوہُ وَلٰکِن شُبِّہَ لَھُم وَ اِنَّ الَّذِینَ اخْتَلَفُوافِیہِ لَفِي شَكٍّ مِّنہُ مَالَھُم بِہٖ مِن عِلمٍ اِلَّااتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَاقَتَلُوہُ یَقِیناً بَل رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیہِ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیزاً حَکِیماً وَاِنْ مِّنْ أھلِ الکِتَابِ اِلَّالَیُؤمِنَنَّ بِہٖ قَبلَ مَوتِہٖ وَیَومَ القِیَامَۃِ یَکُونُ عَلَیھِم شَھِیداً﴾ (۱) ترجمہ:(اور یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریم کو قتل کرڈالا حالانکہ نہ تو انہوں نے اسے قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کیلئے ان[عیسیٰ] کا شبیہ بنادیا گیا تھا۔یقین جانو کہ ان کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے بارے میں شک میں ہیں، انہیں اس کا کوئی یقین نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے،اتنا یقینی ہے کہ انہوں نے انہیں قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ بڑا زبردست پوری حکمتوں والا ہے۔اہلِ کتاب میں ایک بھی ایسا نہ بچے گا جو اِن[عیسیٰ] کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لا چکے اور قیامت کے دن آپ ان پر گواہ ہوں گے)

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں (یہود) نے انہیں قتل کرنا چاہا،لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی چال کو ناکام بنادیا،لہٰذا وہ نہ تو انہیں قتل کرسکے اور نہ ہی صلیب (سولی) پر لٹکا سکے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو زندہ ہی آسمان پر اٹھالیا اور ان کے دشمنوں کو اشتباہ (یعنی اس بارے میں شبہے) میں ڈال دیا گیا۔جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں اور جب قیامت کے قریب اللہ کے حکم سے ان کا دوبارہ نزول ہوگا اور وہ لوگوں کے سامنے آئیں گے اس وقت موجود اہلِ کتاب یعنی نصاریٰ انہیں سچا تسلیم کریں گے۔

(۱)النساء[۱۵۷۔۱۵۸۔۱۵۹]

☆رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (وَالَّذِي نَفسِي بِيَدِهِ لَيُوشكَنَّ أن يَنزِلَ فِيكُم ابنُ مَريَمَ حَكَماً عَدلاً فَيَكسِرُ الصَّلِيبَ وَيَقتُلُ الخِنزِيرَ......) (۱)

ترجمہ: (قسم ہے اس اللہ کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، عنقریب تمہارے درمیان ابن مریم عادل ومنصف حکمران کی حیثیت سے نازل ہوں گے، تب وہ صلیب کوتوڑ دیں گےاور خنزیرکوقتل کریں گے)

چنانچہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آخری زمانے میں اس زمین پر دجال کی موجودگی کے دوران دوفرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی منارہ پرنازل ہونگے اورحضرت امام مہدی کی معیت میں''بابِ لُد'' کے مقام پردجال کوقتل کریں گے۔اس کے بعداس دنیا کووہ امن و امان اورعدل وانصاف کا گہوارہ بنادیں گے۔آسمان سے نزول کے بعداس دنیامیں قیام کے دوران شریعتِ محمدیہ کااتباع کریں گے، اوراسی کے مطابق ہی نظامِ حکومت چلائیں گے۔آخرچالیس سال کاعرصہ گذرنے کے بعدان کاانتقال ہوجائے گا، ان کی تجہیزوتکفین کےفرائض مسلمان انجام دیں گے، ان کی نمازِجنازہ پڑھیں گے، اورپھرانہیں سپردِخاک کردیں گے۔(۲)

(۴)خروجِ ''یاجوج وماجوج'':

یاجوج وماجوج سے مراددوقومیں ہیں جن کاتعلق حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی نسل سے ہے(۳) ذوالقرنین نے انہیں ایک آہنی دیوار کے پیچھے قید کردیا تھا، قیامت کے

(۱) بخاری[۳۲۶۴] (۲) ترمذی کی ایک روایت[۳۶۱۷۔ابواب المناقب۔وقد بقی فی البیت موضع قبر......] سے معلوم ہوتاہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کی تدفین مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی قبرمبارک کے پہلو میں ہوگی، لیکن متعدداہلِ علم نے اسے ضعیف قراردیاہے۔ (۳) مختلف احادیث کی روشنی میں عام اندازہ یہ ہے کہ یاجوج وماجوج کاتعلق ترک، منگول یاان سے مشابہ کسی قوم سے ہے۔ واللہ اعلم۔

قریب وہ وہاں سے باہر نکل آنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ یہ بات قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اس بارے میں تفصیل درج ذیل ہے:

قرآن کریم میں ذوالقرنین کے تذکرہ میں ارشاد ہے: ﴿ثُمَّ أَتبَعَ سَبَباً حتّی اِذابَلَغَ بَینَ السَّدَّینِ وَجَدَ مِن دُونِهِمَا قَوماً لَّا یَکَادُونَ یَفقَهُونَ قَولًا......﴾ (۱)

ترجمہ: (پھر وہ ایک سفر کے سامان میں لگا، یہاں تک کہ جب دو دیواروں کے درمیان پہنچا ان دونوں کے پرے اس نے ایک ایسی قوم پائی جو بات سمجھنے کے قریب بھی نہ تھی)۔

اس بارے میں تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ ذوالقرنین جب مشرق ومغرب میں مختلف علاقے اور ممالک فتح کرتا ہوا ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں دونوں اطراف میں ایک دوسرے کے مقابل پہاڑ تھے، درمیان میں وادی (یا کھائی) تھی، یاجوج وماجوج اکثر وبیشتر آبادی کی طرف آجایا کرتے تھے اور لوٹ مار مچایا کرتے تھے، ان کے اس شر اور فتنہ وفساد سے حفاظت کی غرض سے مقامی آبادی کے لوگوں نے ذوالقرنین سے درخواست کی کہ ہمارے اور یاجوج وماجوج کے درمیان آپ ایک دیوار تعمیر کردیجئے تاکہ وہ ہماری طرف نہ آسکیں اور ہمیں ان کے شر سے نجات نصیب ہوسکے، اس پر ذوالقرنین نے وہاں دیوار تعمیر کی جس کے سبب وہ اس کے پیچھے محصور ہوکر رہ گئے، قیامت کے قریب وہ اس دیوار کو توڑ کر باہر آجانے میں کامیاب ہوجائیں گے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿فَمَا اسطَاعُوا أَن یَّظهَرُوهُ وَمَا استَطَاعُوا لَهٗ نَقباً قَالَ هذا رَحمَةٌ مِّن رَّبِّي فَاِذا جَآءَ وَعدُ رَبِّي جَعَلَهٗ دَکَّآءَ وَکَانَ وَعدُ رَبِّي حَقّاً﴾ (۲)

ترجمہ: (پس نہ تو ان میں اس دیوار کے اوپر چڑھنے کی طاقت تھی اور نہ ہی وہ اس میں کوئی

(۱) الکہف [۹۲-۹۳] (۲) الکہف [۹۷-۹۸]

سوراخ کر سکتے تھے،[ذولقرنین نے] کہا! یہ صرف میرے رب کی مہربانی ہے، ہاں جب میرے رب کا وعدہ آجائے گا تو اسے زمین بوس کردے گا، بے شک میرے رب کا وعدہ سچا اور حق ہے)

اسی طرح قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿حَتَّىٰٓ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ......﴾ (۱) ترجمہ:(یہاں تک کہ یاجوج وماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے)

مقصد یہ کہ یاجوج وماجوج ذوالقرنین کی تعمیر کردہ اس انتہائی مضبوط و مستحکم آہنی دیوار کے پیچھے ہی آخری زمانے تک محصور رہیں گے اور دنیا ان کے شر سے محفوظ رہے گی، مگر قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں اس دیوار میں شگاف پیدا ہوگا اور پھر یہ لوگ اسے منہدم کرکے باہر نکل آنے میں کامیاب ہوجائیں گے اور دنیا میں خوب فتنہ وفساد اور تباہی و بربادی مچائیں گے، تعداد میں اس قدر زیادہ ہوں گے کہ ان کا ایک حصہ بحیرہ طبریہ کے قریب سے گذرتے وقت اس کا پانی پیئے گا تو اس دریا کا ساری پانی ہی خشک کرڈالے گا، اور جب انہی کے لشکر کا عقبی حصہ وہاں پہنچے گا تو اس خشک دریا کی طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہے گا کہ یہاں بھی کبھی پانی رہا ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اہلِ ایمان کو ہمراہ لے کر کوہِ طور پر چلے جائیں گے، اور ان کے شر سے محفوظ رہیں گے، جبکہ باقی لوگ بھی اپنے اپنے طور پر محفوظ مقامات کی طرف منتقل ہوجائیں گے یا قلعہ بند ہوجائیں گے، جس پر یاجوج وماجوج سمجھیں گے کہ ہم نے تمام اہلِ زمین کا خاتمہ کرڈالا، اب اہلِ آسمان کی طرف رخ کرنا چاہیئے اور آسمان کی طرف تیراندازی شروع کردیں گے، ان کے تیر

(۱)الانبیاء[۹۶]

آسمان سے خون آلود ہوکرلوٹیں گے جس پروہ خوش ہوکرکہیں گے کہ اب ہم نے آسمان والوں کوبھی قتل کردیا۔

اس دوران حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوران کے ہمراہ موجوداہلِ ایمان اللہ سے یاجوج وماجوج کی ہلاکت کی دعاء کریں گے ،جس پراللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پرطاعون کی وبامسلط کردی جائے گی ،جس کے نتیجہ میں ان سب کی موت واقع ہوجائے گی۔اس کے بعد بھاری بھرکم اوراونٹ کی طرح لمبی لمبی گردنوں والے پرندے آسمان سے نمودارہوں گے جوان کی لاشوں میں سے بعض کوکھاجائیں گےاوربعض کواٹھاکرسمندرمیں پھینک دیں گے،اورپھرزبردست بارش ہوگی جس کی بدولت ان مرداروں کے تعفن اوربدبوسے نجات نصیب ہوجائے گی اورزندگی دوبارہ سکون وراحت اورآرام واطمینان کے ساتھ اپنے سفرکاآغازکردے گی ،ہرطرف خیروبرکت اورعافیت ہوگی ،اس کے چندسال بعدحضرت عیسیٰ علیہ السلام انتقال کرجائیں گے،ان کی تجہیزوتکفین کے فرائض مسلمان انجام دیں گے،ان کی نمازِجنازہ پڑھیں گے،اورپھرانہیں سپردِخاک کردیں گے۔(۱)

(۵)ظہورِ''دخان''یعنی دھواں ظاہرہونا:

قرآن کریم میں ارشادہے:﴿فَارتَقِب يَومَ تَأتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ يَّغشَىٰ النَّاسَ هذا عَذابٌ أَلِيمٌ﴾ (۲) ترجمہ:(آپ اس دن کے منتظررہیں جب کہ آسمان

(۱)ملاحظہ ہوحدیث:(يُفتحُ يَأجوجُ ومأجوجُ فَيَخرجُونَ عَلىٰ النَّاسِ كَمَاقَال تعالىٰ ﴿وَهُم مِن كُلِّ حَدَبٍ يَّنسِلُونَ﴾ فَيَغشُونَ النَّاسَ وَيَنحَازُالنَّاسُ عَنهُم اِلىٰ مَدَائِنِهِم وحُصُونِهِم ......) الخ ۔ احمد[۱۱۷۴۹]۔نیزملاحظہ ہوحدیث:(اِنَّ اللّٰهَ تَعالىٰ يُوحِي اِلىٰ عِيسىٰ بنَ مَريَمَ عَلَيهِ السَّلَام بَعدَ قَتلِهِ الدَّجَّالَ أَنِّي قَد أخرَجتُ عِبَاداً لِي لَا يَدَلأَحَدِهِم فِي قِتَالِهِم ......) الخ ۔ مسلم[۲۹۳۷]

(۲)الدخان[۱۰۔۱۱]

ظاہر دھواں لائے گا، جو لوگوں کو گھیر لے گا، یہ دردناک عذاب ہے)

علماء کی ایک جماعت کے بقول اس آیت کا سببِ نزول یہ ہے کہ کفارِ مکہ کے معاندانہ رویہ سے تنگ آکر رسول اللہ ﷺ نے ان کیلئے بددعاء فرمائی، جس کے نتیجہ میں ان پر قحط کی شکل میں عذاب مسلط کر دیا گیا، حتیٰ کہ وہ جانوروں کی ہڈیاں کھالیں اور مردار وغیرہ تک کھانے پر مجبور ہوگئے، آسمان کی طرف دیکھتے تو بھوک اور کمزوری کی شدت کی وجہ سے انہیں دھواں سا نظر آتا، بالآخر تنگ آکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عذاب ٹلنے پر ایمان قبول کرنے کا وعدہ کیا، چنانچہ آپؐ نے ان کیلئے دعاء فرمائی جس پر اللہ نے انہیں اس عذاب سے نجات عطاء فرمائی، لیکن عذاب کی یہ کیفیت دور ہوتے ہی ان کا کفر وعناد پھر اسی طرح عود کر آیا، چنانچہ پھر جنگِ بدر میں ان کی سخت گرفت کی گئی۔(۱)

جب کہ دیگر بہت سے اہلِ علم یہ رائے رکھتے ہیں کہ قربِ قیامت کی دس بڑی بڑی علامات میں سے ایک علامت ’’دخان‘‘ یعنی دھواں بھی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انتقال کے بعد کے دور میں یہ دھواں آسمان سے ظاہر ہوگا اور آسمان سے زمین تک ہر چیز کو گھیر لے گا جس سے لوگوں کا دم گھٹنے لگے گا، اس آیت میں اسی دھوئیں کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم۔

(٦) خروجِ ’’دابۃ الارض‘‘:

☆ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَ اِذاوَقَعَ القَولُ عَلَيهِم أخرَجنَا لَهُم دَابَّةً مِّنَ الأرضِ تُكَلِّمُهُم أنَّ النَّاسَ كَانُوابِاٰيَاتِنَا لَايُوقِنُون﴾ (۲) ترجمہ(اور جب ان کے اوپر عذاب کا وعدہ ثابت ہو جائے گا ہم زمین سے ان کیلئے ایک جانور نکالیں گے

(۱) بخاری، کتاب التفسیر۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: ’’ارکان الایمان‘‘ از: وہبی سلیمان غاوَجی الالبانی۔

(۲) النمل [۸۲]

جو ان سے باتیں کرتا ہوگا کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں کرتے تھے)

☆ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (ثَلَاثٌ اِذا خَـرَجنَ لَا یَنفَعُ نَفساً اِیمَانُهَا لَم تَکُن آمَـنَـتُ مِـن قَبـلُ أوکَسَبَـتُ فِي اِیمَانِهَا خَیراً: طُلُوعُ الشَّمسِ مِن مَغرِبِهَا، وَالــــدّجَّــــالُ، وَدَابَّةُ الأرضِ) (۱) ترجمہ: (تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے ظاہر ہو جانے کے بعد کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کسی کام نہ آئے گا کہ جس نے ان کے ظاہر ہونے سے پہلے ایمان قبول نہ کیا ہو، یا [ایمان قبول تو کیا ہو مگر] بحالتِ ایمان کوئی نیک عمل انجام نہ دیا ہو: مغرب سے طلوعِ آفتاب، دجال، اور دابۃ الأرض)

اس بارے میں تمام تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ بیت اللہ کے قریب واقع ''صفا'' پہاڑی سے قیامت کے قریب ایک عجیب الخلقت جانور برآمد ہوگا، جو کہ انسانوں سے باتیں کریگا۔

جس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو پہاڑی سے برآمد فرمایا، اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کی قدرت سے یہ واقعہ بھی رونما ہوگا، یعنی قیامت کے قریب کوہِ صفا میں شگاف پیدا ہوگا اور اس میں سے یہ عجیب الخلقت جانور برآمد ہوگا۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہاں کسی کو اس بات پر حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ وہ جانور انسانوں سے کس طرح باتیں کرے گا۔ کیونکہ اللہ کی قدرتِ کاملہ سے تو کچھ بھی بعید نہیں۔ اور پھر خاص طور پر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ یہی سورت (النمل) جس میں ''خروجِ دابۃ'' کا تذکرہ ہے نیز یہ کہ وہ جانور انسانوں سے ہمکلام ہوگا......اسی سورت میں ہی یہ تذکرہ بھی موجود ہے کہ حضرت

(۱) مسلم [۱۵۸]

سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی گفتگو سنی اور اس پر تبسم فرمایا(۱) نیز یہ کہ آپ علیہ السلام تمام جانوروں سے ہی بات چیت کیا کرتے تھے اور ان کی بولیاں جانتے اور سمجھتے تھے۔ آپ علیہ السلام کی ہدہد سے گفتگو کی تفصیل بھی اسی سورت میں موجود ہے(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا زندہ سانپ کی شکل اختیار کر لینا اور خوب تیز رفتاری کے ساتھ لہراتے اور بل کھاتے ہوئے میدان میں اِدھر اُدھر حرکت کرنا بھی اسی سورت میں ہی مذکور ہے(۳) لہٰذا اللہ کی قدرتِ تامہ پر کسی قسم کی حیرت یا تعجب کی نہ تو کوئی ضرورت ہے اور نہ ہی کوئی گنجائش۔(۴)

(۷) مغرب سے طلوعِ آفتاب:

قیامت کے قریب ایک رات ایسی آئے گی جس کے بعد سورج مشرق سے طلوع ہونے کی بجائے خلافِ معمول مغرب سے طلوع ہوگا، اور پھر کچھ وقفے کے بعد دوبارہ مغرب میں غروب ہو جائے گا، اور اس کے بعد سورج کی گردش کا سلسلہ حسبِ معمول جاری رہے گا۔

☆ قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے: ﴿يَومَ يَأتِي بَعضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَايَنفَعُ نَفساً اِيمَانُهَا لَم تَكُن آمَنَت مِن قَبلُ أوكَسَبَت فِي اِيمَانِهَا خَيراً﴾ (۵)

ترجمہ: (جس روز آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آ پہنچے گی، تب کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کسی کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہ رکھتا ہو، یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو)

(۱) ﴿حَتّىٰ اِذا أتَوا عَلىٰ وَادِ النَّملِ قَالَت نَملَةٌ ......﴾ [النمل:۱۸]

(۲) ﴿وَتَفَقَّدَ الطَّيرَ فَقَالَ مَالِيَ لَا أرَىٰ الهُدهُدَ أم كَانَ مِنَ الغَائِبِينَ......﴾ [النمل:۲۰]

(۳) ﴿وَ ألقِ عَصَاكَ ، فَلَمَّا رَآهَا تَهتَزُّ كَأنَّها جَانٌّ وَّلَّىٰ مُدبِراً وَّلَم يُعَقِّب......﴾ [النمل:۱۰]

(۴) مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: العقائد الاسلامیۃ۔ از: سید سابق۔ صفحہ: ۲۴۹۔ (۵) الانعام [۱۵۸]

اس آیت میں ﴿يَومَ يَأتِي بَعضُ آيَاتِ رَبِّكَ......﴾ (جس روز آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آپہنچے گی) سے اسی واقعہ یعنی مغرب سے طلوعِ آفتاب کی طرف اشارہ مقصود ہے، جیسا کہ درجِ ذیل احادیث میں اس کی وضاحت وصراحت موجود ہے:

☆عن عبداللّه بن عمرو بن العاص رضي اللّه عنهما أنّ النّبيّ صلى الله عليه وسلم قال: (اِنَّ أوّلَ الآيَاتِ خُروجاً : طُلُوعُ الشَّمسِ مِن مَغرِبِهَا، وَخُرُوجُ الدَّابَّةِ عَلىٰ النَّاسِ ضُحىً ، وَأيَّتُهُمَا كَانَت قَبلَ صَاحِبَتِهَا فَالأُخرَىٰ عَلىٰ اِثْرِهَا قَرِيباً) (۱) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (سب سے پہلے ظاہر ہونے والی علامات مغرب سے طلوعِ آفتاب، نیز لوگوں کے سامنے بوقتِ چاشت ''دابہ'' کا ظہور ہے، ان دونوں علامتوں میں سے جو بھی پہلے ظاہر ہوگئی اس کے بعد دوسری بھی بہت جلد ہی ظاہر ہو جائے گی)

☆عن أبي هريرة رضى اللّه عنه : أنّ النّبيّ صلى الله عليه وسلم قال: (لَاتَقُومُ السَّاعَةُ حَتّىٰ تَطلُعَ الشَّمسُ مِن مَغرِبِهَا، فَاذا طَلَعَت وَ رَآهَا النَّاسُ آمَنُوا أجمَعُونَ ، وَذلِكَ حِينَ لَايَنفَعُ نَفساً اِيمَانُهَا لَم تَكُن آمَنَت مِن قَبلُ ، أوكَسَبَتْ فِي اِيمَانِهَا خَيراً) (۲)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (قیامت قائم نہیں ہوگی تاوقتیکہ سورج [مشرق کی بجائے] مغرب سے طلوع ہو، پس جب سورج [مغرب سے] طلوع ہو جائے گا' اور سب ہی لوگ اس کا مشاہدہ کرلیں گے تو سب ہی

(۱) مسلم [۲۹۰۷] کتاب الفتن، باب فی خروج الدجال ومکثہ فی الأرض۔ نیز: ابوداؤد [۴۳۱۰] کتاب الملاحم
(۲) بخاری، باب لاینفع نفساً ایمانہا [۴۳۵۹] [۴۳۶۰] نیز: باب طلوع الشمس من مغربہا [۶۱۴۱] مسلم [۱۵۷]

ایمان قبول کرلیں گے، لیکن اس وقت کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کسی کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہ رکھتا ہو، یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو)

☆......قیامت کے قریب نظامِ کائنات میں چند تبدیلیاں ظاہر ہوں گی جو کہ انسان کیلئے حیرت واستعجاب کا سبب ہوں گی۔ان عجیب وغریب تبدیلیوں کی ابتداء سورج سے ہوگی، کیونکہ تمام کائنات میں سب سے بڑی چیز سورج ہی ہے، لہٰذا ایک روز سورج مشرق سے طلوع ہونے کی بجائے خلافِ معمول مغرب سے طلوع ہوگا۔اگرچہ صریح احادیث میں اس بارے میں مزید وضاحت یا اس موقع پر حیرت واستعجاب کی وجہ سے لوگوں کی کیفیت کے بارے میں مزید کچھ تذکرہ نہیں ہے، تاہم ابن کثیر وغیرہ متعدد مفسرین نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ارشاد:﴿يَومَ يَأتِي بَعضُ آيَاتِ رَبِّكَ ......﴾ (۱) (جس روز آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آپہنچے گی......) کی تفسیر میں اس بارے میں جو تفصیل تحریر کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے قریب ایک رات ایسی آئے گی کہ جو خلافِ معمول بہت طویل ہوجائے گی، لوگ صبح کا انتظار کرتے کرتے پریشان اور خوفزدہ ہوجائیں گے، جو لوگ رات کے آخری پہر میں عبادت کے عادی ہوں گے وہ اٹھ کر عبادت کریں گے مگر اس کے بعد صبح کا انتظار کرتے کرتے مایوس ہوکر دوبارہ سوجائیں گے، پھر اٹھ کر عبادت کریں گے اور دوبارہ صبح کا انتظار کرتے کرتے مایوس ہوکر سوجائیں گے، اور پھر سب ہی لوگ حیران وپریشان اور خوفزدہ ہوکر مساجد کا رخ کریں گے اور اللہ سے گڑ گڑا کر توبہ واستغفار کریں گے، اور بے چینی وبے قراری کے عالم میں مشرق سے طلوعِ آفتاب کا مسلسل انتظار ہی کرتے رہیں گے، اور پھر عجیب وغریب منظر دیکھیں گے، یعنی سورج

(۱) الانعام [۱۵۸]

حسبِ معمول مشرق سے طلوع ہونے کی بجائے خلافِ معمول مغرب سے طلوع ہوگا اور کچھ دیر بعد دوبارہ مغرب میں غروب ہوجائے گا۔(۱)

☆......اس کائنات میں سب سے بڑی اور عظیم الشان چیز یعنی سورج میں اس عجیب وغریب تبدیلی کا اپنی کھلی آنکھوں سے نظارہ کرنے کے بعد تمام لوگوں کو اس بات کا یقین ہوجائے گا کہ اب بہت جلد ہی اس کائنات کا نظام درہم برہم ہونے والا ہے، اور یہ کہ اب قیامت قریب ہے، چنانچہ خوفزدہ ہوکر سب ہی انسان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت نیز اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار میں مشغول ہوجائیں گے۔مگر اس وقت کسی کافر کا قبولِ ایمان اس کے کسی کام نہ آئے گا، نیز اگر کوئی مسلمان اس وقت اپنے گناہوں سے توبہ کرے گا تو اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔جیسا کہ اس سے قبل سورہ انعام میں موجود ارشادِ ربانی کے حوالے سے بھی یہ بات گذر چکی ہے (۲) کیونکہ اصل اور حقیقی ایمان تو وہی ہے جو غائبانہ ہو، جس کی طرف سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات میں ہی اہلِ ایمان واہلِ تقویٰ کی علامات کے بیان میں اشارہ فرمادیا گیا ہے (۳) جبکہ قیامت کی اس علامتِ کبریٰ یعنی مغرب سے طلوعِ آفتاب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلینے کے بعد اب قیامت پر ایمان غائبانہ نہیں رہا، کیونکہ قیامت جوکہ اب تک نظروں سے غائب ومخفی تھی اب محسوس ومشاہد ہوگئی، جبکہ ایمان تو صرف وہی معتبر اور قابلِ قبول ہے جوکہ بالغیب یعنی غائبانہ ہو، جس طرح جب کوئی شخص ملک الموت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے اور اس پر نزع کی کیفیت

(۱) ملاحظہ ہو: تفسیر القرآن العظیم۔از: ابن کثیر۔نیز: ''النهاية في الفتن والملاحم'' از: ابن کثیر۔صفحہ: ۱۷۰۔

(۲) ﴿يَومَ يَـأتِـي بَعضُ آيَـاتِ رَبِّكَ ......﴾ (جس روز آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آ پہنچے گی......) الانعام[۱۵۸]۔

(۳) ﴿هُدًى للمتّقين، الّذين يؤمنون بالغيب......﴾ (البقرة [۱۔۲]

طاری ہو جائے تو اب اس کا ایمان یا اس کی توبہ قابلِ قبول نہیں، کیونکہ اب عالمِ آخرت اس کیلئے غائب نہیں بلکہ حاضر اور محسوس ومشاہد میں تبدیل ہو چکا ہے، اسی طرح اس علامتِ کبریٰ یعنی مغرب سے طلوعِ آفتاب کا مشاہدہ کر لینے کے بعد گویا تمام دنیا پر نزع اور موت کی کیفیت طاری ہو چکی ہوگی اور تب عالمِ آخرت سب ہی انسانوں کیلئے غائب ومخفی کی بجائے محسوس ومشاہد میں تبدیل ہو چکا ہوگا۔

لہٰذا اس وقت نہ کسی کا ایمان مقبول ومعتبر ہوگا اور نہ ہی کسی کی توبہ قبول کی جائے گی۔

(۸) ''خروجِ نار'' یعنی آگ کا نکلنا:

قیامت کے قریب ملکِ یمن سے ایک آگ ظاہر ہوگی جو کہ لوگوں کو محشر کی طرف ہنکالے جائیگی، اس آگ کا ذکر اس حدیث میں بھی موجود ہے جس میں قیامت کی دس بڑی علامات بیان کی گئی ہیں، (......وآخر ذلك نار تخرج من اليمن تطرد النّاس الىٰ مَحَاشِرِهِم) (۱) ترجمہ: (......اور سب سے آخر میں ایک آگ ہوگی جو کہ یمن سے ظاہر ہوگی اور تمام انسانوں کو ان کے محشر کی جانب ہنکالے جائے گی)۔

۞۞۞

(۱) مسلم [۲۹۰۱] باب فی الآیات التی تکون قبل الساعۃ۔

مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو:

(۱) ''أشراط الساعۃ'' از: یوسف بن عبداللہ الوابل (۲) ''التصریح فیما تواتر فی نزول المسیح'' از: محمد انور شاہ کشمیری

(۳) ''الرسالۃ فی الفتن والملاحم وأشراط الساعۃ'' از: ابوعبیدۃ ماہر بن صالح آل مبارک

(۴) ''العقائد الاسلامیۃ'' از: سید سابق (۵) ''فقد جاء أشراطها'' از: محمود عطیہ محمد علی

(۶) ''النہایۃ فی الفتن والملاحم'' از: ابن کثیر۔

قیامت کے احوال وواقعات:

☆ نفخ فی الصور (صور پھونکا جانا):

قیامت کا آغاز اس طرح ہوگا کہ ایک روز علی الصباح جب جمعہ کا دن ہوگا(۱) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم دیا جائے گا، جو کہ عرصۂ دراز سے صور اپنے منہ میں دبائے ہوئے ہر لمحہ اور ہر آن اللہ کی طرف سے حکم کے منتظر ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (كَيفَ أنعَم وَصَاحِبُ الصُّورِ قَد الْتَقَمَه، وَأصغَىٰ سَمْعَه ، وَحَنَىٰ جَبْهَتَه ، يَنتَظِرُ مَتَىٰ يُؤمَرُ بِالنَّفْخِ) (۲) ترجمہ (میں خوشی کس طرح مناؤں؟ جبکہ صور والے [اسرافیل] نے [پھونک مارنے کی غرض سے] صور اپنے منہ میں دبالیا ہے، اور اپنے کان مکمل طور پر [اللہ کے حکم کی طرف] لگا دیئے ہیں، اور اپنی پیشانی جھکا دی ہے، اور اب وہ بس اللہ کی طرف سے حکم کا منتظر ہے) چنانچہ اللہ کی طرف سے حکم ملتے ہی اس کی تعمیل کی جائے گی اور اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے، اس وقت تمام انسان اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے، روئے زمین پر کوئی اللہ کا نام لینے والا نہیں ہوگا، ایسے میں یکایک علی الصباح لوگوں کے کانوں میں ایک باریک سی آواز آنا شروع ہوگی جو کہ بتدریج بڑھتی جائے گی، یہاں تک کہ یہ آواز اس قدر

(۱) حدیث میں ارشاد ہے: (إنَّ أفضَلَ أيَّامِكُم يَومُ الجُمعَةِ فِيهِ الصَّعقُ وَفِيهِ النَّفخَةُ الثَّانِيَة) [نسائي:١٣٧٣] [ابوداؤد:١٠٤٧] [ابن ماجة:١٠٨٥] [مشكاة المصابيح:١٣٦١] یعنی جمعہ کا دن افضل ترین دن ہے، اسی دن قیامت برپا ہوگی، پھر [تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کئے جانے کی غرض سے] دوسری بار صور بھی اسی دن ہی پھونکا جائے گا۔

(۲) ترمذی [۲۴۳۱] نیز: مشکاۃ المصابیح [۵۵۲۷] کتاب احوال القیامۃ وبدأ الخلق، باب النفخ فی الصور۔

شدید ہوجائے گی کہ اس کی شدت کی وجہ سے کائنات کی ہر چیز فنا ہوجائے گی، تمام لوگ مرجائیں گے، زمین وآسمان پھٹ جائیں گے، سورج چاند ستارے سب آپس میں ٹکرا کر ٹوٹ پھوٹ جائیں گے، بڑے بڑے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر روئی کے گالوں کی طرح ہوا میں اڑتے پھر رہے ہوں گے۔ خلاصہ یہ کہ یہ کائنات یا یہ دنیا جس میں آج یہ نسلِ انسانی آباد ہے اس کا وجود ختم ہوجائے گا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمام زمین وآسمان کو لپیٹ کر اپنی مٹھی میں بند کرلیں گے، اور تب اللہ کی طرف سے اعلان ہوگا: (أَنَا المَلِك ، أينَ مُلُوكُ الأرضِ ؟) (۱) ترجمہ (میں ہی بادشاہ ہوں، زمین کے تمام بادشاہ آج کہاں ہیں؟) (۲)

☆ بعث بعد الموت:

اس سے مراد ہے: اس دنیا کے خاتمہ کے بعد اللہ کی قدرت سے تمام انسانوں کا دوبارہ زندہ ہونا اور حساب وکتاب کیلئے اللہ کے سامنے پیش ہونا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَّنْ يُّبعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَاعَمِلتُم وَذلِكَ عَلَىٰ اللّٰهِ يَسِيرٌ﴾ (۳) ترجمہ: (ان کافروں نے خیال کیا ہے کہ دوبارہ زندہ نہ کئے جائیں گے، آپ کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں اللہ کی قسم! تم ضرور دوبارہ اٹھائے جاؤ گے پھر جو تم نے کیا ہے اس کی خبر دیئے جاؤ گے، اور

(۱) بخاری [۴۵۳۴] (باب قولہ والأرض جمیعاً قبضتہ یوم القیامۃ والسماوات مطویات بیمینہ)

(۲) چونکہ مشرکینِ مکہ قیامت اور جزاوسزا کے منکر تھے اس لئے مکی سورتوں میں قیامت کے احوال وواقعات کا تذکرہ بکثرت موجود ہے (مثلاً: سورہ: ق۔ الذاریات۔ الطّور۔ القمر۔ الواقعہ۔ الحاقہ۔ المعارج۔ القیامہ۔ المرسلات۔ النبا۔ النازعات۔ التکویر۔ الانفطار۔ الانشقاق۔ الزلزال۔ القارعہ۔ التکاثر۔ وغیرہ)

(۳) التغابن [۷]

اللہ پر یہ بالکل ہی آسان ہے)

اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اس دنیا کے خاتمہ کے بعد جب کچھ عرصہ گذر چکے گا تب اللہ کے حکم سے ایک مخصوص قسم کی بارش ہوگی جس سے زمین میں موجود تمام مُردوں کے جسم دوبارہ اصلی حالت میں آجائیں گے، تب اللہ کی طرف سے اسرافیل علیہ السلام کو دوبارہ صور پھونکنے کا حکم دیا جائے گا، جس پر وہ دوبارہ صور پھونکیں گے، اوراس وقت تمام مُردوں کی روحیں اڑکر اپنے اپنے جسموں میں پہنچ جائیں گی، یوں اللہ کی قدرت سے تمام مُردے دوبارہ جی اٹھیں گے۔(۱)

پہلی بار صور پھونکنے کو ''نفخۂ اولیٰ'' نیز: ''نفخۃ الموت'' جبکہ دوسری بار صور پھونکنے'' کونفخۂ ثانیہ'' نیز: ''نفخۃ البعث'' کہا جاتا ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَمَن فِي الأَرضِ اِلّامَن شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخرَىٰ فَاِذا هُم قِيَامٌ يَنظُرُونَ﴾ (۲) ترجمہ: (اور صور پھونک دیا جائے گا پس آسمانوں اور زمین والے سب بے ہوش ہوکر گر پڑیں گے مگر جسے اللہ چاہے، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا پس وہ ایک دم کھڑے ہوکر دیکھنے لگ جائیں گے)

(۱) مَا بَينَ النَفخَتَينِ یعنی دونوں بار صور پھونکے جانے کی درمیانی مدت کتنی ہوگی؟ اس بارے میں ایک حدیث میں اگرچہ ''اربعون'' یعنی ''چالیس'' کا لفظ وارد ہوا ہے، لیکن ''چالیس'' سے کیا مراد ہے؟ چالیس دن؟ مہینے؟ سال؟ اس بات کی تعیین نہیں ہے، ملاحظہ ہو حدیث: (مَا بَينَ النَفخَتَينِ أربَعُون، قَالُوا: أربَعُونَ يوماً؟ قَال: أبَيتُ ، قَالُوا: أربَعُونَ شَهراً؟ قَال: أبَيتُ ، قَالُوا: أربَعُونَ سَنَةً؟ قَال: أبَيتُ) (بخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ [۴۸۱۴] [۴۹۳۵] مسلم [۲۹۵۵] یعنی اس حدیث کے راوی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ''اربعون'' سے رسول اللہ ﷺ کی مراد کے بارے میں اپنی لاعلمی کا اظہار فرمایا۔

(۲) الزمر [۶۸]

اسی طرح ارشاد ہے:﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَاِذا هُم مَنَ الأجدَاثِ اِلیٰ رَبِّهِم يَنسِلُونَ﴾ (۱) ترجمہ: (اور صور کے پھونکے جاتے ہی سب کے سب اپنی قبروں سے اپنے رب کی طرف [تیز تیز] چلنے لگیں گے)

نیز ارشاد ہے:﴿يَومَ تَرجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتبَعُهَا الرَّادِفَةُ﴾ (۲) ترجمہ: (جس دن کانپنے والی کانپے گی، اس کے بعد ایک پیچھے آنے والی پیچھے پیچھے آئے گی)

الرَّاجِفَة سے مراد نفخۂ اولیٰ ہے، جس سے ساری کائنات کانپے گی اور لرزا ٹھے گی، اور ہر چیز فناء ہو جائے گی، جبکہ الرَّادِفَة سے مراد نفخۂ ثانیہ ہے، جس سے ایک نئی دنیا وجود میں آئے گی، سب لوگ زندہ ہو کر قبروں سے باہر نکل آئیں گے۔''ردیف'' یا ''رادف'' کے معنیٰ ہیں پیچھے آنے والی چیز، چونکہ یہ دوسرا نفخہ پہلے نفخہ کے بعد ہوگا (اس کے پیچھے آئے گا) اس لئے اسے الرَّادِفَةُ کہا گیا۔

☆...... یہاں شاید کسی کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہو کہ جو کوئی قبر میں دفن ہی نہیں ہوا نفخۂ ثانیہ کے بعد وہ کس طرح قبر سے باہر آئے گا؟ اس اشکال کا اولاً تو سیدھا اور آسان جواب یہی ہے کہ اللہ تو یقیناً ہر چیز پر قادر ہے، اس کی قدرت کے سامنے کچھ بھی مشکل نہیں۔ دوم یہ کہ اللہ نے انسان کو ''خاکی مخلوق'' بنایا ہے، اول و آخر اس کا رشتہ اس زمین اور مٹی کے ساتھ ہی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:﴿مِنهَا خَلَقنَاكُم وَفِيهَا نُعِيدُكُم وَ مِنهَا نُخرِجُكُم تَارَةً أُخرَىٰ﴾ (۳) ترجمہ: (اسی زمین میں سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں پھر واپس لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ تم سب کو نکال کھڑا کریں گے) لہٰذا اگر کسی کو قبر میں دفن کیا گیا ہو، یا اسے جلا کر اس کی راکھ سمندر میں بہا دی گئی، یا ہوا

(۱) یٰس [۵۱] (۲) النازعات [۶۔۷] (۳) طٰہٰ [۵۵]

میں اڑادی گئی ، یا کسی کو کسی مچھلی یا درندے نے چیر پھاڑ کر کے کھالیا ہو، آخر کار ہر انسان کے اجزاء کسی نہ کسی شکل میں اس مٹی میں ہی آملیں گے اوراس کا جزو بن جائیں گے، اور پھر قیامت کے روز دوبارہ زندہ ہوکراسی زمین سے ہی برآمد ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (...... ثُـمَّ يَـنـزِلُ مِنَ السَّمَـاءِ مَـاءً ، فَيـنـبُتُـونَ كَمَا يَـنبُـتُ البَـقَـلُ ، وَلَيسَ مِن الِانسَانِ شَیءٌ اِلَّا يَبلىٰ ، اِلَّا عَظماً وَاحِداً ، وَهُـوَ عَـجُبُ الذَّنَبِ ، وَمِنهُ يُرَكَّبُ الخَلقُ يَومَ القِيَامَةِ) (۱) ترجمہ:(......اس کے بعد آسمان سے بارش برسے گی، تب لوگ یوں زمین سے اگیں گے جیسے چنے کے دانے اگتے ہیں، انسان کی ہر چیز [زمین میں مل کر] ختم ہوجاتی ہے سوائے ایک ہڈی کے، جوکہ ریڑھ کی ہڈی کا آخری سرا ہے، اسی سے قیامت کے روز [انسان کی] دوبارہ پیدائش ہوگی)

نیز ارشاد ہے:(كُـلّ ابـن آدَمَ يَبـلَـىٰ وَيَـأكُـلُهُ التُّرَابُ اِلَّا عَجبُ الذَّنَبِ ، مِنهُ خُـلِـقَ وَمِنهُ يُرَكَّبُ) (۲) ترجمہ:(ابنِ آدم کا تمام جسم بوسیدہ ہوجاتا ہے اوراسے مٹی کھاجاتی ہے، سوائے ریڑھ کی ہڈی کے آخری سرے کے، اسی سے [پہلی بار] اسے پیدا کیا گیا، اوراسی سے [قیامت کے روز] اسے دوبارہ جوڑا جائے گا) یعنی دوبارہ پیدا کیا جائے گا۔لہٰذا پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک جتنے بھی انسان اس دنیا میں گذرے ہیں ان سب کے جسم کا یہ مذکورہ حصہ یعنی ریڑھ کی ہڈی کا آخری سرا (جس کیلئے حدیث میں ''عجب الذنب'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے) اس زمین میں کسی نہ کسی جگہ محفوظ ہے، اسی طرح قیامت تک جتنے بھی انسان آئیں گے ان سب کے جسم کا بھی

(۱) ☆ بخاری [۴۹۳۵] کتاب التفسیر، باب:﴿يـوم يُـنـفـخ فـي الـصّـور﴾ ☆ مسلم [۷۳۴۰] کتاب الفتن، باب: مابين النفختين۔ (۲) احمد [۴۲۸/۲]

یہ حصہ کہیں نہ کہیں اس زمین میں محفوظ رہے گا اور پھر قیامت کے دن انسان کی دوبارہ تخلیق اسی سے ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ ''نفخہ ثانیہ'' کے بعد اللہ کی قدرت اور اس کے حکم سے سب لوگ دوبارہ زندہ ہوجائیں گے، ایک نیا عالم وجود میں آئے گا، جس کا نام ''آخرت'' ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿يَـوْمَ تُبَـدَّلُ الأَرضُ غَيـرَ الأَرضِ وَالسَّمٰـوَاتُ وَبَـرَزُوا لِلّٰهِ الوَاحِدِ القَهَّارِ﴾ (۱) ترجمہ: (جس دن زمین اس زمین کے سوا اور ہی بدل دی جائے گی اور آسمان بھی، اور سب کے سب اللہ واحد غلبے والے کے روبرو ہوں گے)۔

☆حشر:

حشر کے لفظی معنیٰ ہیں: ہنکا کر کسی ایک جگہ جمع کرنا۔ یہاں اس کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے روز بعث کے بعد حشر ہوگا، یعنی جب اللہ کے حکم سے تمام انسان دوبارہ زندہ ہوجائیں گے تو اب انہیں ہنکا کر ایک مخصوص میدان کی طرف لایا جائے گا جس کا نام ''محشر'' ہے، تاکہ وہاں سب کا حساب وکتاب ہوسکے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿يَومَ تَشَقَّقُ الأَرضُ عَنهُم سِرَاعاً ذٰلِكَ حَشرٌ عَلَينَا يَسِيـرٌ﴾ (۲) ترجمہ: (جس دن زمین پھٹ جائے گی اور یہ دوڑتے ہوئے [نکل پڑیں گے] یہ جمع کرلینا ہم پر بہت ہی آسان ہے) (یعنی یہ ''حشر'' اللہ کیلئے بہت ہی آسان ہے)

نیز ارشاد ہے: ﴿قُل هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُم فِي الأَرضِ وَ اِلَيهِ تُحشَرُونَ﴾ (۳)

(۱) ابراہیم [۴۸] (۲) ق [۴۴] (۳) الملک [۲۴]

ترجمہ: (کہہ دیجئے کہ! وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا اور اسی کی طرف تم اکٹھے کئے جاؤ گے)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿يَومَ يَجمَعُكُم لِيَومِ الجَمعِ ذٰلِكَ يَومُ التَّغَابُن﴾ (۱)

ترجمہ: (جس دن تم سب کو اس جمع ہونے کے دن جمع کرے گا وہی دن ہے ہار جیت کا)

نیز ارشاد ہے: ﴿قُل اِنَّ الأَوَّلِينَ وَالآخِرِينَ لَمَجمُوعُونَ اِلىٰ مِيقَاتِ يَومٍ مَّعلُومٍ﴾ (۲) ترجمہ: (آپ کہہ دیجئے کہ یقیناً سب اگلے اور پچھلے ضرور جمع کئے جائیں گے ایک مقرر دن کے وقت)

حدیث میں ہے کہ: (اِنَّكُم لَمَحشُورُونَ حُفَاةً غُرلاً، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿كَمَا بَدَأنَا أَوَّلَ خَلقٍ نُّعِيدُهٗ وَعداً عَلَينَا اِنَّاكُنَّا فَاعِلِينَ﴾ وَأَوَّلُ مَن يُكسىٰ يَومَ القِيَامَةِ ابراهيم) (۳) یعنی: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا حشر اس حال میں ہوگا کہ تم سب ننگے پاؤں اور بے ختنہ ہوگے، اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿كَمَا بَدَأنَا أَوَّلَ خَلقٍ نُّعِيدُهٗ وَعداً عَلَينَا اِنَّاكُنَّا فَاعِلِينَ﴾ (۴) یعنی: ''جس طرح ہم نے اول دفعہ پیدائش کی تھی اسی طرح دوبارہ کریں گے، یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے اور ہم اسے ضرور کر کے ہی رہیں گے'' [اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے مزید یہ بھی فرمایا]: ''اور سب سے پہلے جسے لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے''

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (يُحشَرُ النَّاسُ يَومَ القِيَامَةِ عُرَاةً غُرلاً بُهماً) (۵) ترجمہ: (قیامت کے روز لوگوں کا حشر اس حال میں ہوگا کہ سبھی لوگ برہنہ،

(۱) التغابن [۹] (۲) الواقعہ [۴۹-۵۰] (۳) بخاری [۳۱۷۱] مسلم [۲۸۶۰]

(۴) الانبیاء [۱۰۴] (۵) احمد [۳/۴۹۵] نیز: بخاری فی الادب المفرد [۹۷۰]۔

بے ختنہ اور خالی ہاتھ ہوں گے) (۱)

☆ میدانِ حشر میں قیام کا مرحلہ نہایت دشوار اور سنگین ہوگا (اللہ تعالیٰ آسانی فرمائیں)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (تُدنیٰ الشَّمسُ یَومَ القِیَامَةِ مِنَ الخَلقِ حَتّیٰ تَکُونُ مِنهُم کَمِقدَارِ مِیلٍ ، فَیَکُونُ النَّاسُ عَلیٰ قَدرِ أعمَالِهِم فِي العَرَقِ ، فَمِنهُم مَن یَکُونُ اِلیٰ کَعبَیهِ ، وَمِنهُم مَن یکُونُ اِلیٰ رُکبَتَیهِ ، وَمِنهُم مَن یکُونُ اِلیٰ حَقوَیهِ ، وَمِنهُم مَن یُلجِمُه العَرَقُ اِلجَاماً ، وَ أشَارَ ﷺ بِیَدِهِ اِلیٰ فِیهِ) (۲) ترجمہ: (قیامت کے روز سورج کو مخلوق کے قریب کردیا جائے گا حتیٰ کہ وہ ان سے صرف ایک میل کی مسافت پر ہوگا (۳) لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں شرابور ہو رہے ہوں گے، ان میں سے کوئی ایسا ہوگا کہ جس کے ٹخنوں تک پسینہ ہوگا، اور کسی کے گھٹنوں تک اور کسی کے کولھوں تک پسینہ ہوگا، اور کوئی ایسا ہوگا کہ پسینے نے اس کا منہ بند کر رکھا ہوگا، یہ بات بتاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ فرمایا) (یعنی پسینہ اس کے منہ تک پہنچ رہا ہوگا جس کی وجہ سے اس کیلئے منہ کھولنا یا کچھ بولنا مشکل ہوگا)۔

☆ ......اس قدر ہولناک ترین اور سنگین صورتِ حال میں کچھ ایسے خوش نصیب افراد بھی ہوں گے جنہیں اس روز اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے بطورِ خاص سایہ میں جگہ عنایت کی جائے گی، جبکہ اس روز تمام کائنات میں اس کے سوا اور کوئی سایہ نہیں ہوگا......جیسا کہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (سَبعَةٌ یُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهٖ یَومَ لَاظِلَّ

(۱) مذکورہ احادیث سے ''عقیدۂ حشر'' کی حقانیت ثابت ہوتی ہے۔ (۲) مسلم [۲۸۶۴]

(۳) اس حدیث میں وارد لفظ ''میل'' سے ضروری نہیں کہ دنیاوی مسافت والا میل ہی مراد ہو، اس ''میل'' سے اصل مقصود کیا ہے؟ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے (واضح ہو کہ عربی میں سرمہ دانی کی سلائی کو بھی ''میل'' کہا جاتا ہے)۔

اِلّاظِـلّـهٗ : الاِمَـامُ العَـادِلُ، وَشَـابٌّ نَشَأ فِي عِبَادَةِ اللّٰهِ ، وَرَجُلٌ قَلبُهٗ مُعَلَّقٌ فِـي الـمَسَـاجِـدِ ، وَرَجُلَانِ تَـحَـابَّـا فِـي اللّٰهِ اجتَمَعَا عَلَيهِ وَ تَفَرَّقَا عَلَيهِ ، وَرَجُـلٌ دَعَتـهُ امرَأَةٌ ذاتُ مَنصِبٍ وَ جَمَالٍ فَقَالَ: اِنِّي أخَافُ اللّٰهَ ، وَرَجُلٌ تَـصَـدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأخفَاهَا حَتّىٰ لَاتَعلَمَ شِمَالُهٗ مَاتُنفِقُ يَمِينُهٗ، وَرَجُلٌ ذكَرَ اللَّهَ خَالِياً فَفَاضَت عَينَاهُ) (۱)

ترجمہ:(سات [قسم کے] افراد ایسے ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ اُس روز [اپنے عرش کے نیچے] سائے میں جگہ عنایت فرمائیں گے کہ جب اس کے سوااور کوئی سایہ نہ ہوگا: عادل بادشاہ، اور نوجوانی میں اللہ کی عبادت کرنے والا، اور وہ شخص جس کا دل مساجد کے ساتھ ہی لٹکا ہوا ہو، اور ایسے دو افراد جو محض اللہ کی خوشی کی خاطر باہم محبت کرتے ہوں، اسی محبت کی بنا پر ہی وہ آپس میں ملتے ہوں اور اسی جذبے کے ساتھ ہی جدا ہوتے ہوں، اور وہ شخص جسے کسی ایسی عورت نے گناہ کی دعوت دی جو کہ اعلیٰ منصب والی اور حسن و جمال والی تھی تب اس نے [اسے جواب میں] یوں کہا کہ: ''میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں''، اور وہ شخص جس نے اس قدر خفیہ طور پر صدقہ دیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے، اور وہ شخص جس نے خلوت میں اللہ کو یاد کیا اور تب اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے)۔

☆ میزان:

میزان ''وزن'' سے مشتق ہے، جس کے لفظی معنیٰ ہیں ''وزن کرنے کا آلہ''۔ یعنی ترازو۔

(۱) بخاری [۶۲۹] باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ و فضل المساجد۔ نیز [۱۳۵۷] باب اذا تصدق علیٰ ابنہٖ وھو لایشعر۔ نیز: مسلم [۱۰۳۱] باب فضل اخفاء الصدقۃ۔

یہاں اس کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے روز میدانِ حشر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم اوراس کی قدرت سے ایک میزان یعنی ترازو نصب کی جائیگی جس کے دو پلڑے ہوں گے ایک پلڑا احسنات یعنی نیکیاں تولنے کیلئے اور دوسرا سیئات یعنی برائیاں تولنے کیلئے ہوگا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَنَضَعُ المَوَازِينَ القِسطَ لِيَومِ القِيَامَةِ فَلَا تُظلَمُ نَفسٌ شَيئاً وَّ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَردَلٍ أتَينَا بِهَا وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ﴾ (۱) ترجمہ: (قیامت کے دن ہم درمیان میں لا رکھیں گے ٹھیک ٹھیک تولنے والی ترازو کو۔ پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا ہم اسے لا حاضر کریں گے، اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے)۔

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿وَالوَزنُ يَومَئِذٍ الْحَقُّ فَمَن ثَقُلَت مَوَازِينُهُ فَأولَٰٓئِكَ هُمُ المُفْلِحُونَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأولَٰٓئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ﴾ (۲) ترجمہ: (اوراس روز وزن بھی برحق ہے، پھر جس شخص کا پلا بھاری ہوگا سو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے۔ اور جس شخص کا پلا ہلکا ہوگا سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کرلیا بسبب اس کے کہ ہماری آیتوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿فَأَمَّا مَن ثَقُلَت مَوَازِينُهُ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَّأَمَّا مَن خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ وَمَا أدرَاك مَاهِيَهُ نَارٌ حَامِيَةٌ﴾ (۳) ترجمہ: (پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے وہ دل پسند آرام کی زندگی میں ہوگا۔ اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے۔ تجھے کیا معلوم وہ کیا ہے؟ وہ بھڑکتی ہوئی

(۱) الانبیاء [۴۷] (۲) الاعراف [۷۔۹۸] (۳) القارعۃ [۶۔۱۱]

آگ ہے)

☆......اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قیامت کے روز کامیابی وناکامی کیلئے صرف ایک ہی معیار ہوگا، یعنی انسان کی نیکیوں کی زیادتی یا کمی، چنانچہ جس کے اچھے اعمال زیادہ ہوں گے وہ ہمیشہ کیلئے کامیاب اور دل پسند زندگی میں ہوگا، اور جس کے برے اعمال زیادہ ہوں گے اس کیلئے بربادی' حسرت' مایوسی ونامرادی اور ذلت ورسوائی کا سامان ہوگا، خواہ وہ اس دنیا میں امیر ہو یا غریب' بادشاہ ہو یا فقیر' حاکم ہو یا محکوم' خادم ہو یا مخدوم' کالا ہو یا گورا' اردو بولتا ہو یا عربی یا فارسی' مشرق کا باشندہ ہو یا مغرب کا' لذیذ اور بہترین قسم کے کھانے کھاتا ہو یا دال روٹی' قیمتی اور نفیس لباس زیب تن کرتا ہو یا پھٹے پرانے پیوند لگے کپڑے' عالیشان اور شاندار حویلی اور محل میں رہتا ہو یا جھونپڑی میں یا سڑک کے کنارے......ان تمام چیزوں کی قیامت کے روز کوئی اہمیت نہیں، وہاں کامیابی وناکامی' اور عزت ورسوائی کا صرف اور صرف ایک ہی معیار ہوگا، یعنی اچھے اعمال کی کثرت، یا برے اعمال کی کثرت، اور بس......!

☆......یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اس میزان میں واقعۃً اور حقیقۃً بندوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا جس کی اصل کیفیت اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے جس میں آپؐ نے فرمایا: (اَلحَمدُ لِلّٰہِ تَملأُ المِیزانَ) (۱) ترجمہ(: ''الحمدللہ'' [کہنا] ترازو کو بھر دیتا ہے) یعنی ''الحمدللہ'' کہنے کا اجروثواب اس قدر زیادہ ہے کہ اس سے وہ ترازو بھر جائے گی جس میں روزِ قیامت اعمال کا وزن کیا جائے گا) (یعنی نیکیوں کا پلڑا بھر جائیگا)۔

(۱) مسلم [۲۲۳] کتاب الطہارۃ، باب فضل الوضوء۔

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے: (كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلىٰ اللّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الـمِيزانِ حَبِيبَتَانِ اِلىٰ الرَّحمٰنِ : ((سُبحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمدِهٖ سُبحَانَ اللّٰهِ العَظِيم)) (۱) ترجمہ:(دو کلمے ایسے ہیں جو کہ زبان پر تو ہلکے پھلکے ہیں [مگر اعمال کو تولنے والی] ترازو میں وزنی ہیں، اور رحمٰن کو انتہائی محبوب بھی ہیں، ''سبحان اللہ وبحمدہٖ، سبحان اللہ العظیم'')

☆''صُحُف''یعنی:''نامہائے اعمال'' کی تقسیم:

''صحف'' یا ''نامہائے اعمال'' یعنی وہ کتابیں یا اوراق جن میں بندوں کے اچھے، برے تمام اعمال محفوظ ہیں، قیامت کے روز وہ کھول دیئے جائیں گے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَ اِذا الصُّحُفُ نُشِرَتْ﴾ (۲) ترجمہ:(اور جب نامۂ اعمال کھول دیئے جائیں گے)

چنانچہ اُس روز ہر ایک کو اس کا نامۂ اعمال تھمایا جائے گا، کسی کو دائیں ہاتھ میں، جس پر وہ انتہائی مسرور وشاداں ہوجائے گا......

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿فَاَمَّا مَن أُوتِيَ كِتَابَهٗ بِيَمِينِهٖ فَسَوفَ يُحَاسَبُ حِسَاباً يَّسِيراً وَّيَنقَلِبُ اِلىٰ أهلِهٖ مسرُوراً﴾ (۳) ترجمہ:(پس جس شخص کے داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا، اس کا حساب تو بڑی آسانی سے لیا جائے گا، اور وہ اپنے اہل کی طرف ہنسی خوشی لوٹ آئے گا)

جبکہ جس کسی کو بائیں ہاتھ میں یا پشت کے پیچھے نامۂ اعمال ملے گا، جس پر وہ انتہائی افسردہ ونالاں ہوجائے گا، اپنی بربادی کا غم منائیگا، اور موت کی تمنا کرے گا......جیسا کہ قرآن

(۱) بخاری [۶۰۴۳] کتاب الدعوات، باب فضل التسبیح۔ (۲) التکویر [۱۰] (۳) الانشقاق [۷-۹]

کریم میں ارشاد ہے:﴿وَأَمَّامَن أُوتِيَ كِتَابَهٗ وَرَآءَ ظَهرِهٖ فَسَوفَ يَدعُو ثُبُوراً وَّيَصلٰى سَعِيراً﴾ (۱) ترجمہ:(اور جس شخص کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا تو وہ موت کو بلانے لگے گا، اور بھڑکتی ہوئی جہنم میں داخل ہوگا)

اس کے بعد ہر ایک کو اپنا نامۂ اعمال پڑھنے کا حکم دیا جائے گا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿اِقرَأ كِتَابَكَ كَفىٰ بِنَفسِكَ اليَومَ عَلَيكَ حَسِيباً﴾ (۲) ترجمہ:(لے! خود ہی اپنی کتاب [اعمال نامہ] آپ ہی پڑھ لے، آج تو تو آپ ہی اپنا حساب لینے کو خود کافی ہے)

☆حساب:

حساب کے لفظی معنیٰ شمار کرنے کے ہیں، یہاں شریعت کی اصطلاح میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے روز اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہر بندے کو اس کے اچھے یا برے تمام اعمال کے بارے میں مطلع کیا جائے گا۔

☆قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿يَومَ يَبعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيعاً فَيُنَبِّؤُهُم بِمَاعَمِلُوا أَحصَاهُ اللّٰهُ وَنَسُوهُ وَاللّٰهُ عَلىٰ كُلِّ شَيءٍ شَهِيدٌ﴾ (۳) ترجمہ:(جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا پھر انہیں ان کے کئے ہوئے عمل سے آگاہ کرے گا، جسے اللہ نے شمار کر رکھا ہے اور جسے یہ بھول گئے تھے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿يَومَ تَجِدُ كُلُّ نَفسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيرٍ مُّحضَراً وَّمَاعَمِلَتْ مِنْ سُوٓءٍ تَوَدُّ لَو أَنَّ بَينَهَاوَبَينَهٗ أَمَداً بَّعِيداً وَّيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفسَهٗ وَاللّٰهُ رَؤُوفٌ بِّالعِبَادِ﴾ (۴) ترجمہ:(جس دن ہر نفس اپنی کی ہوئی نیکیوں کو اور اپنی کی

(۱) الانشقاق [۱۰-۱۲] (۲) بنی اسرائیل/الاسراء [۱۴] (۳) المجادلۃ [٦] (۴) آل عمران [۳۰]

ہوئی برائیوں کو موجود پالے گا[تب] آرزو کرے گا کہ کاش! اس کے اور برائیوں کے درمیان بہت ہی دوری ہوتی۔اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيراً يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَهُ﴾ (۱) ترجمہ: (پس جس کسی نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا، اور جس کسی نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا)

نیز ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اِلَينَا اِيَابَهُم ثُمَّ اِنَّ عَلَينَا حِسَابَهُمْ﴾ (۲) ترجمہ:(بیشک ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے، پھر بیشک ہمارے ہی ذمہ ہے ان سے حساب لینا)

نیز ارشاد ہے:﴿فَأَمَّا مَن أوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَسَوفَ يُحَاسَبُ حِسَاباً يَسِيراً﴾ (۳) ترجمہ:(تو اس وقت جس کے داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا اس کا حساب تو بڑی آسانی سے لیا جائے گا)

☆......ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بعض اوقات نماز میں یوں دعاء کیا کرتے تھے:(اللّٰهُمَّ حَاسِبْنِي حِسَاباً يَسِيراً) یعنی:''اے اللہ! میرا حساب آسان فرمانا''۔میں نے عرض کیا کہ:''آسان حساب سے کیا مراد ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:(أن يُنظَرَ فِي كِتَابِهِ فَيُتَجَاوَزَ عَنهُ) (۴) یعنی:''کسی بندے کے نامۂ اعمال پر محض[سرسری] نظر ڈال کر اس سے صرفِ نظر کر لیا جائے)۔

☆......حساب سب ہی انسانوں کا ہوگا، ماسوائے ان بعض لوگوں کے جن کے بارے میں

(۱)الزلزال(الزلزلۃ[۷-۸] (۲)الغاشیۃ[۲۵-۲۶] (۳)الانشقاق[۷-۸]

(۴)احمد[۶/۴۸]مشکاۃ المصابیح[۵۵۶۲]

اس حدیث میں تذکرہ ہے: (...... وَمَعَهُم سَبعُونَ ألفاً يَدخُلُونَ الجَنَّةَ بِلَا حِسَابٍ وَلَا عَذاب......) (۱) ترجمہ: (......اوران کے ساتھ ستر ہزار افراد ایسے ہوں گے جو کسی حساب یا عذاب کے بغیر ہی جنت میں داخل ہوجائیں گے......)

☆......اہلِ ایمان سے حساب کی کیفیت یہ ہوگی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے مؤمن کو اس کے اعمال یاددلائے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ یہ گمان کرنے لگے گا کہ اب تو اس کی بربادی بالکل ہی یقینی ہوچکی ہے، تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے کہا جائے گا: (أنَا سَتَرتُهَا عَلَيكَ فِي الدُّنيَا، وَأنَا أغفِرُهَا لَكَ اليَومَ) (۲) ترجمہ: (میں نے دنیا میں تمہارے ان گناہوں کی پردہ پوشی کی، اور آج بھی میں تمہارے ان گناہوں کو معاف کئے دے رہا ہوں) جس پر مؤمن انتہائی مسرور وشادمان ہوجائے گا۔

☆......جبکہ کفار ومنافقین کو علیٰ الاعلان تمام مجمع کے سامنے پکارا جائے گا اور اعلان ہوگا کہ: ﴿أَلَا لَعنَةُ اللّهِ عَلىٰ الظَّالِمِينَ﴾ (۳) ترجمہ: (خبردار ہو کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر)

☆......تمام امتوں میں سے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی امت کا حساب ہوگا، جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: (نَحنُ الآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَومَ القِيَامَةِ المَقضِيّ بَينَهُم قَبلَ الخَلَائِق) (۴) ترجمہ: (ہم آخری امت ہیں، جبکہ روزِ قیامت حساب

(۱) بخاری[٦٧٥] باب يدخل الجنة سبعون ألفاً بغير حساب۔ مسلم[۲۱٦][۲۱۸][۲۲۰] باب موالاة المؤمنين۔ دراصل یہ ایک طویل حدیث کا حصہ ہے جس کی ابتداء (اکثر کتبِ حدیث میں) اس طرح ہے: (عُرِضَت عَلَيَّ الأمَم ، فَرَأيتُ النَّبِيَّ وَمَعَهُ الرُهَيط......) امام نووی نے ریاض الصالحین میں یہ حدیث باب: ''اليقين والتوكل'' میں ذکر کی ہے۔

(۲) بخاری[۲۴۴۱] مسلم[۲۷٦۸] عن ابن عمر رضی اللہ عنہما

(۳) ہود[۱۸]

(۴) بخاری[۸۹٦] مسلم[۸۵۵] و[۸۵٦] عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔

کے وقت ہم سب سے پہلے ہوں گے)

نیز ارشاد ہے:(نَحنُ آخِرُ الأمَمِ وَأوَّلُ مَن یُحَاسَبُ......) (۱) ترجمہ:(ہم تمام امتوں میں سے آخری امت ہیں، البتہ ہمارا حساب سب سے پہلے ہوگا)

☆......''حقوق اللہ'' میں سب سے پہلے ''نماز'' کے بارے میں حساب ہوگا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(أوَّلُ مَا یُحَاسَبُ عَلَیهِ العَبدُ یَومَ القِیَامَةِ الصَّلَاۃ......) (۲) ترجمہ: (سب سے پہلے بندے سے جس چیز کا حساب لیا جائیگا وہ نماز ہے)

☆......جبکہ ''حقوق العباد'' میں سب سے پہلے ''خون'' یعنی ''قتل'' کا حساب ہوگا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(أوَّلُ مَا یُقضیٰ بَینَ النَّاسِ یَومَ القِیَامَةِ فِي الدِّمَاءِ) (۳) ترجمہ:(قیامت کے روز لوگوں میں سب سے پہلے ''خون'' سے متعلق معاملات کا فیصلہ کیا جائے گا)

☆......جس طرح انسانوں میں باہمی ناانصافیوں اور ظلم وزیادتی کا حساب ہوگا، اسی طرح حیوانات میں سے بھی جس کسی پر دنیا میں کوئی ظلم ہوا ہوگا' اس کے ساتھ انصاف کیا جائے گا اور اسے ظالم سے بدلہ نیز اس کا حق دلایا جائے گا،، اس کے بعد ان حیوانات کو کہا جائے گا: (کُونِي تُرَاباً) یعنی:''اب تم دوبارہ خاک ہوجاؤ''۔ جس پر وہ حیوانات دوبارہ مرجائیں گے اور خاک میں مل جائیں گے۔ یہ منظر دیکھ کر کافر سوچے گا کہ مجھ سے تو یہ جانور

(۱) ابن ماجہ [۴۲۹۰]

(۲) ترمذی [۴۱۳] نسائی [۲۳۲/۱] مسند احمد [۴۲/۵، ۳۷۷] حاکم [۲۶۳/۱] جامع الاصول [۷۹۶۴]۔

(۳) بخاری [۶۵۳۳] مسلم [۱۶۷۸] عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

ہی اچھے ہیں جو دوبارہ خاک میں مل گئے، اور تب وہ حسرت وتمنا کرے گا کہ: ''اے کاش! میں بھی خاک ہو جاؤں......'' جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَالَيْتَنِي كُنتُ تُرَاباً﴾ (۱) ترجمہ: (اور کافر کہے گا کہ کاش! میں مٹی ہو جاتا)۔

☆صراط:

''صراط'' کے لفظی معنیٰ ہیں: راستہ۔ جبکہ یہاں اس کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے روز جہنم کے اوپر ایک پل نصب کیا جائے گا جس کے اوپر سے ہر انسان کو ضرور گذرنا پڑے گا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَ اِنْ مِّنكُم اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلىٰ رَبِّكَ حَتماً مَّقضِيّاً ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقُوا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيّاً﴾ (۲) ترجمہ: (تم میں سے ہر ایک وہاں ضرور وارد ہونے والا ہے، یہ تیرے رب کے ذمے قطعی، فیصل شدہ امر ہے۔ پھر ہم پرہیزگاروں کو تو بچا لیں گے اور نافرمانوں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے)

صحیح احادیث میں اس آیت کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جہنم کے اوپر ایک پل بچھایا جائے گا جس پر سے ہر مؤمن و کافر کو گذرنا ہوگا، مؤمن تو اپنے اپنے اعمال کے مطابق جلد یا بدیر اس پر سے گذر جائیں گے، کچھ تو پلک جھپکتے میں، کچھ بجلی اور ہوا کی طرح، کچھ پرندوں کی طرح اور کچھ عمدہ گھوڑوں اور دیگر سواریوں کی طرح گذر جائیں گے، یوں کچھ بالکل صحیح سالم، کچھ زخمی، کچھ لڑکھڑاتے ہوئے...... یہ پل عبور کر ہی لیں گے، البتہ ان میں سے کچھ جہنم میں گر پڑیں گے جنہیں بعد میں شفاعت کے ذریعے وہاں سے نکال لیا جائیگا۔

(۱) النبأ [۴۰] (۲) مریم [۷۱-۷۲]

جبکہ کافر اس پل کو عبور کرنے میں کامیاب نہیں ہوں گے اور نیچے جہنم میں گر پڑیں گے۔(۱)

☆......یہاں یہ بات بھی ذہنوں میں رہنی چاہئے کہ پل صراط پر سے گذرنا درحقیقت انسان کیلئے یہاں اس دنیاوی زندگی میں ''راہِ حق'' اور ''صراطِ مستقیم'' پر عزم وثبات اور پختگی کے ساتھ گامزن رہنے کے ساتھ مشروط ہے، لہٰذا جو یہاں ''صراطِ مستقیم'' پر قائم ودائم اور رواں دواں رہا انشاء اللہ تعالیٰ اسے وہاں پل صراط پر بھی ثابت قدمی وکامیابی نصیب ہوگی، اور جس کسی کے قدم یہاں ڈگمگائے وہ وہاں بھی ڈگمگائے گا یا پھسل جائے گا۔(۲)

☆حوضِ کوثر:

اہلِ حق کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قیامت کے روز رسول اللہ ﷺ کیلئے ایک مخصوص حوض ہوگا، جس کا پانی جنت میں موجود ''کوثر'' نامی نہر سے آرہا ہوگا، جوکہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا، اس کی خوشبو مشک سے بڑھ کر ہوگی، اس پر موجود پیالوں کی تعداد آسمان کے ستاروں کے برابر ہوگی، جس کسی کو اس حوض میں سے ایک بار پانی پینا

(۱) ملاحظہ ہو: ''اردو ترجمہ وتفسیر قرآن کریم''۔ ازمطبوعات: شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس۔ مدینہ منورہ۔صفحہ:۸۴۸۔ نیز ملاحظہ ہو: تفسیر ابن کثیر۔

(۲) ثمّ فصّل الشيخ (أحمد بن تيميّة) رحمه اللّٰه أحوال النّاس في المرور علىٰ الصّراط فقال: (فمنهم من يمرّ كلمح البصر) ألخ ۔ أي أنهم يكونون في سُرعة المرور وبُطئهِ على حسب ايمانهم و أعمالهم الصّالحة التي قدّموها في الدّنيا ، فبحسب استقامة الانسان علىٰ دين الاسلام و ثباته عليه يكون ثباتهٗ و مرورهٗ علىٰ الصّراط ، فمن ثبت علىٰ الصّراط المعنوي وهوالاسلام ثبت علىٰ الصّراط الحسّي المنصوب علىٰ متن جهنّم، ومن زلّ عن الصّراط المعنوي زلّ عن الصّراط الحسّي ۔ (شرح العقيدة الواسطيّة ، تأليف: صالح بن فوزان ، صفحة :١٥٣، من مطبوعات : الرئاسة العامّة لادارات البحوث العلميّة والافتاء والدّعوة والارشاد بالمملكة العربيّة السعوديّة) (١٤١١هـ) ۔

نصیب ہو جائے گا اس کے بعد اسے کبھی پیاس نہیں ستائے گی (۱)
رسول اللہ ﷺ اس حوض سے اپنے دستِ مبارک سے اپنے اُمتیوں کو اس روز پانی پلائیں گے، جن کی نشانی اس وقت یہ ہوگی کہ ان کے اعضائے وضوء خوب روشن اور چمک رہے ہوں گے۔ (۲) (۳) (۴)

❁❁❁

(۱) لہٰذا ''کوثر'' سے پانی پینے کے بعد اہلِ ایمان جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو وہاں وہ محض ''تلذذ''، یعنی لذت حاصل کرنے کی غرض سے پانی پیا کریں گے، نہ کہ پیاس بجھانے کی غرض سے۔

(۲) سورۃ الکوثر میں جس ''کوثر'' کا تذکرہ ہے اگرچہ متعدد مفسرین کی رائے کے مطابق اس سے مراد ''خیرِ کثیر'' ہے، تاہم اہلِ علم کی ایک بڑی جماعت کے نزدیک اس سے مراد یہی ''حوضِ کوثر'' ہی ہے۔ اس بارے میں حق بات تو یہ ہے کہ ''خیرِ کثیر'' کے مفہوم میں ہی یقیناً ''حوضِ کوثر'' بھی شامل ہے۔

(۳) ملاحظہ ہو حدیث: (تَرِدُ عَلَيَّ أُمَّتِي الحَوض......) مسلم [۲۴۷]

''اعضائے وضوء'' سے انسانی جسم کے وہ اعضاء مراد ہیں جنہیں وضوء کے دوران دھویا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو روزِ قیامت رسول اللہ ﷺ کی شفاعت اور آپؐ کے دستِ مبارک سے کوثر کا پانی پینے کی تمنا ہے تو اسے چاہئے کہ نماز کی خوب پابندی کرے اور خوب اچھی طرح وضوء کیا کرے تا کہ قیامت کے روز اس کے اعضائے وضوء خوب روشن اور چمکدار ہوں اور اس طرح رسول اللہ ﷺ اسے پہچان لیں کہ یہ میرا امتی ہے اور اسے بھی پانی پلانا ہے۔

(۴) اس حوض کا تذکرہ تمام تفاسیر و کتبِ حدیث و عقیدہ میں موجود ہے مزید مطالعہ کیلئے ان کی طرف رجوع کیا جائے۔ خصوصاً صحیح بخاری میں حدیث [۶۵۹۳] (بـاب فـي الـحـوض وقـول الـلّـه تعـالـیٰ : اِنَّـا أعـطَـيـنَـاكَ الكوثر) نیز صحیح مسلم میں حدیث [۲۲۹۲] (بـاب اثبـات حـوض نبـيّـنـا محمّد ﷺ) کا مطالعہ کیا جائے۔

شفاعت:

قیامت کے روز شفاعت (یعنی: سفارش) برحق ہے اور اس پر ایمان ضروری ہے، البتہ اس کی کچھ شرائط ہیں جن کا تذکرہ درجِ ذیل ہے:

(۱) ''شافع'' کیلئے اللہ کی طرف سے اجازت:

شافع (یا: شفیع) یعنی قیامت کے روز جو کوئی کسی کیلئے شفاعت کرے گا اس کیلئے اللہ کی طرف سے اس شفاعت کی اجازت ضروری ہے، اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی شفاعت کا مجاز نہیں ہوگا، کیونکہ شفاعت صرف اللہ ہی کی ملک ہے اور یہ محض اللہ ہی کی مرضی پر موقوف ہے کہ وہ کسی کو شفاعت کی اجازت مرحمت فرمائے یا نہ فرمائے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿قُل لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعاً لَهُ مُلكُ السَّمٰوَاتِ وَالأَرضِ ثُمَّ اِلَيهِ تُرجَعُونَ﴾ (۱) ترجمہ: (کہہ دیجئے! کہ تمام سفارش کا مختار اللہ ہی ہے، تمام آسمانوں اور زمین کی حکومت اسی کیلئے ہے، تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿مَن ذا الَّذِي يَشفَعُ عِندَهُ اِلَّا بِاِذنِهٖ﴾ (۲) ترجمہ: (کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے)

(۲) ''مشفوع'' کیلئے اللہ کی رضامندی:

یعنی جس کسی کو اللہ کی طرف سے شفاعت کی اجازت مرحمت ہوگی اس کیلئے بھی یہ اجازت عام نہیں ہوگی کہ وہ اپنی مرضی سے جس کیلئے چاہے شفاعت کرے، بلکہ اسے صرف اسی کی

(۱) الزمر [۴۴] (۲) البقرۃ [۲۵۵] (آیۃ الکرسی)

شفاعت کی اجازت ہوگی کہ جس کیلئے شفاعت خود اللہ کو منظور ہو۔

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿وَكَم مِن مَّلَكٍ فِي السَّمٰوَاتِ لَاتُغنِي شَفَاعَتُهُم شَيئاً اِلَّامِن بَعدِ أن يَّأذنَ اللّٰهُ لِمَن يَّشَآء وَيَرضَىٰ﴾ (۱) ترجمہ:(اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی شفاعت کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی مگر یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خوشی اور اپنی چاہت سے جس کیلئے چاہے اجازت دے دے)

نیز ارشاد ہے:﴿وَلَا يشفَعُونَ اِلَّا لِمَنِ ارتَضَىٰ﴾ (۲) ترجمہ:(وہ[فرشتے] کسی کی بھی شفاعت نہیں کرتے بجز ان کے جن سے اللہ خوش ہو)

یعنی یہ فرشتے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مقرب ترین مخلوق ہیں ان کو بھی اللہ کی طرف سے صرف انہی لوگوں کیلئے شفاعت کی اجازت ملے گی کہ جن کیلئے شفاعت خود اللہ کو منظور ہوگی، ان کے سوا وہ کسی اور کی شفاعت کے مجاز نہیں ہوں گے۔

نیز ارشاد ہے:﴿مَا لِلظَّالِمِينَ مِن حَمِيمٍ وَّلَاشَفِيعٍ يُّطَاعُ﴾ (۳) ترجمہ:(ظالموں کا نہ کوئی دلی دوست ہوگا نہ سفارشی کہ جس کی بات مانی جائے گی)

نیز ارشاد ہے:﴿فَمَا تَنفَعُهُم شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ﴾ (۴) ترجمہ:(پس انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی)

نیز ارشاد ہے:﴿وَيَعبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ مَالَايَضُرُّهُم وَلَايَنفَعُهُم وَيَقُولُونَ هٰؤلَآءِ شُفَعَاؤنَا عِندَاللّٰهِ قُل أتُنَبِّؤنَ اللّٰهَ بِمَالَايَعلَمُ فِي السَّمٰوَاتِ وَلَافِي الأرض سُبحَانَهٗ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشرِكُونَ﴾ (۵) ترجمہ:(اور یہ لوگ اللہ کے سوا

(۱) النجم[۲۶] (۲) الانبیاء[۲۸] (۳) غافر/مؤمن[۱۸]
(۴) المدثر[۴۸] (۵) یونس[۱۸]

ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ کو معلوم ہی نہیں' نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں' وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے)

☆ خلاصہ: یہ کہ قیامت کے روز شفاعت برحق ہے، البتہ اس کی مذکورہ بالا دو شرائط ہیں جن کا محقق ہونا ضروری ہے۔ یعنی:

(۱) صرف وہی شفاعت کا مجاز ہوگا جسے اللہ کی طرف سے اس کی اجازت مرحمت کی جائیگی۔

(۲) شفاعت کا مجاز شخص بھی صرف اسی کی شفاعت کر سکے گا جس کیلئے شفاعت خود اللہ کو منظور ہوگی۔ واللہ اعلم۔

شفاعت کی اقسام:

قیامت کے روز مختلف مواقع پر مختلف انواع واقسام کی شفاعت ہوگی اور شفاعت کرنے والی ہستیاں بھی متعدد ہوں گی، ان مواقع میں سے دو ایسے مواقع ہوں گے جو صرف رسول اللہ ﷺ کیلئے مخصوص ہوں گے، اس بارے میں تفصیل درجِ ذیل ہے:

(۱) شفاعتِ عظمیٰ: (شفاعة في أهل الموقف)

قیامت کے روز جب محشر کی ہولناکیوں کی وجہ سے تمام انسان انتہائی حیران وپریشان اور تھکاوٹ سے چور ہوں گے، اس وقت وہ یکے بعد دیگرے مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کی خدمت میں شفاعت کی غرض سے حاضر ہوں گے، تا کہ یہ انبیائے کرام اللہ سبحانہ

وتعالیٰ کی بارگاہ میں تمام انسانوں کیلئے اس بات کی شفاعت کریں کہ اب حساب وکتاب کا سلسلہ شروع کیا جائے تاکہ اس طویل ترین اور ہولناک ترین مرحلہ کا جلد اختتام ہو سکے، اس موقع پر صورتِ حال کی شدید نزاکت کے پیشِ نظر وہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام (اپنے تمامتر مقام ومرتبے کے باوجود) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں اس شفاعت سے معذرت کا اظہار کردیں گے، بالآخر سب ہی انسان اپنی یہی غرض اور فریاد لئے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے، چنانچہ آپؐ اللہ کی اجازت سے تمام انسانوں کیلئے اس مقصد کیلئے ''شفاعت'' فرمائیں گے، جس کے نتیجے میں محاسبہ (یعنی تمام انسانوں کے حساب وکتاب) کے مرحلہ کا آغاز کیا جائے گا۔

اس شفاعت کے بارے میں درجِ ذیل امور قابلِ ذکر ہیں:

☆ ......قیامت کے روز یہ سب سے پہلی نیز سب سے اہم ترین شفاعت ہوگی۔

☆ ......اسی شفاعت کو ''شفاعتِ عظمیٰ'' یا: ''شفاعتِ کبریٰ'' کہا جاتا ہے۔

☆ ......یہ شفاعت تمام انسانوں کیلئے ہوگی تاکہ سب ہی کیلئے حساب وکتاب کا سلسلہ جلد شروع کیا جائے اور تمام انسانوں کو محشر کی ہولناکیوں سے جلد چھٹکارا نصیب ہو سکے۔

☆ ......اس سب سے پہلی اور اہم ترین شفاعت کا شرف صرف رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہوگا، لہٰذا اس موقع پر تمام انسانوں کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا عنداللہ اصل مقام ومرتبہ ظاہر ومنکشف ہوگا اور سب ہی لوگ بشمول حضرات انبیاء ورسل علیہم السلام آپ ﷺ کو رشک کی نگاہ سے دیکھیں گے، کیونکہ وہ کام جس کی جسارت جلیل القدر اور اولوالعزم انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام نہ کر سکے (یعنی شفاعتِ عظمیٰ) وہ کام رسول اللہ ﷺ نے سرانجام دیا، جو کہ یقیناً بہت ہی بلند ترین رتبہ ومقام اور انتہائی اعلیٰ ترین اعزاز ہے، جس پر سب ہی

لوگ آپ ﷺ کی مدح وتعریف بیان کریں گے۔قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کیلئے جس ''مقامِ محمودْ'' کا تذکرہ ہے اس اس سے یہی اعزاز ورتبہ مراد ہے۔(۱)

(۲)اہلِ جنت کیلئے جنت میں داخلہ کی شفاعت:

رسول اللہ ﷺ جنت کا دروازہ کھولے جانے کی غرض سے شفاعت فرمائیں گے تاکہ اہلِ جنت کو جنت میں داخلہ نصیب ہوسکے،چنانچہ آپ ﷺ کی شفاعت پر ہی جنت کا دروازہ کھولا جائے گا،جس پر سب سے پہلے خود آپ ﷺ اور پھر آپؐ کے امتی جنت میں داخل ہوں گے۔

☆ **فائدہ:** جیسا کہ اس سے قبل یہ وضاحت کی جاچکی ہے کہ مذکورہ دونوں مواقع پر شفاعت صرف رسول اللہ ﷺ کیلئے مخصوص ہوگی،کسی اور ہستی کو یہ شرف حاصل نہیں ہوگا۔

(۳)اہلِ توحید میں سے گناہگاروں کیلئے جنت میں داخلہ کی شفاعت:

یعنی اہلِ توحید میں سے بہت سے ایسے لوگ جو دنیا میں اپنی خطاؤں اور گناہوں کے باعث

(۱)اس شفاعت کا تذکرہ کتبِ حدیث میں ''حدیث الشفاعۃ'' کے نام سے معروف طویل اور مفصل حدیث میں موجود ہے،جس کی ابتداء(اکثر روایات میں)اس طرح ہے:(أنا سيّد ولد آدم يوم القيامة ، يجمع اللّه الأوّلين و الآخرين في صعيد واحد......) ملاحظہ ہو: ☆ صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب: ذرّیۃ من حملنا مع نوح انہ کان عبداً شکورا[۴۴۳۵] نیز: باب قول اللہ تعالیٰ ''لما خلقت بیدی''[۶۹۷۴] نیز: باب کلام الرب عزوجل یوم القیامۃ مع الانبیاء وغیرہم[۷۰۷۲] ☆ صحیح مسلم: باب ادنیٰ اہل الجنۃ منزلۃ فیہا[۱۹۳][۱۹۴] ☆ ابن حبان: ذکر الاخبار بأن المصطفیٰ ﷺ انما یشفع فی القیامۃ عند عجز الانبیاء عنہا فی ذلک الیوم[۶۴۶۴] ☆ ترمذی،باب ماجاء فی الشفاعۃ[۴۲۳۴] ☆ مسند احمد[۱۵][۲۵۴۶][۲۶۹۲][۹۶۲۱][۱۲۱۷۴][۱۳۶۱۵] ☆ الترغیب والترہیب: کتاب البعث واہوال یوم القیامۃ،فصل فی الشفاعۃ وغیرہا[۵۵۰۶] [۵۵۱۰] ☆ نیز کتبِ تفسیر(خصوصاً تفسیر ابن کثیر)میں:﴿عَسىٰ أن يَّبعَثَكَ رَبُّكَ مَقاماً مَّحمُوداً﴾ [بنی اسرائیل/الاسراء:۷۹] کی تفسیر ملاحظہ ہو۔

جہنم کے مستحق قرار دیئے جا چکے ہوں گے ان کیلئے شفاعت، تاکہ انہیں جہنم میں ڈالے بغیر ہی جنت میں داخل کر دیا جائے، نیز ان میں سے بہت سے ایسے افراد جنہیں جہنم میں ڈالا جا چکا ہوگا ان کیلئے شفاعت، تاکہ انہیں جہنم کے عذاب سے نجات عطاء کی جائے اور جنت میں داخل کیا جائے۔

(۴) اہلِ جنت کیلئے رفعِ درجات کی شفاعت:

یعنی جنت میں بہت سے افراد کے بارے میں اس بات کی شفاعت کی جائے گی کہ انہیں ان کی حیثیت اور ان کے اعمال کے مطابق جو مقام و رتبہ دیا گیا ہے اس سے بڑھ کر انہیں مقام و رتبہ عطاء کیا جائے۔

(۵) ''اعراف'' والوں کیلئے جنت میں داخلہ کی شفاعت:

یعنی وہ لوگ جن کے اچھے اور برے اعمال برابر ہونے کی وجہ سے انہیں جنت اور جہنم کے مابین ''اعراف'' نامی مقام پر رکھا گیا ہوگا، جہاں نہ عذاب ہوگا اور نہ ہی نعمتیں ہوں گی، ان کے بارے میں اس بات کی شفاعت کہ انہیں بھی جنت میں داخل فرما لیا جائے۔

☆ **فائدہ:** جیسا کہ اس سے قبل وضاحت ہو چکی ہے کہ شفاعت کی مذکورہ اقسام میں سے پہلی دو اقسام (یعنی شفاعتِ عظمیٰ اور اس کے بعد جنت میں داخلہ کی شفاعت) صرف رسول اللہ ﷺ کیلئے مخصوص ہوں گی، جبکہ باقی اقسام عام ہیں، یعنی رسول اللہ ﷺ کے علاوہ دیگر حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی اس شفاعت کی اجازت ہوگی۔

☆......رسول اللہ ﷺ نیز دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ بھی مزید ایسی چند ہستیاں ہوں گی جنہیں قیامت کے روز شفاعت کی اجازت دی جائے گی، اس بارے میں درج

ذیل تفصیل ملاحظہ ہو:

☆ اہلِ ایمان: یعنی مؤمنین میں سے بہت سے افراد کو اس بات کی اجازت دی جائے گی کہ وہ جہنم میں بھیجے گئے اہلِ توحید کیلئے شفاعت کریں، تاکہ انہیں جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کرلیا جائے۔

☆ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اِنَّ مِن أُمَّتِي مَن يَشفَعُ لِلفِئَامِ مِنَ النَّاسِ، وَمِنهُم مَن يَشفَعُ لِلقَبِيلَةِ، وَمِنهُم مَن يَشفَعُ لِلعَصبَةِ، وَمِنهُم مَن يَشفَعُ لِلرَّجُلِ حَتَّىٰ يَدخُلُوا الجَنَّة) (۱) ترجمہ: (میری امت میں سے کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کیلئے شفاعت کریں گے، کچھ ایسے ہوں گے جو پورے قبیلے کیلئے شفاعت کریں گے، کچھ [قبیلے کی کسی] شاخ کیلئے شفاعت کریں گے، اور کچھ ایسے بھی ہوں گے جو صرف کسی ایک انسان کیلئے شفاعت کرسکیں گے، حتیٰ کہ یہ سب [جن کیلئے مذکورہ بالا افراد شفاعت کرینگے] جنت میں داخل ہوجائیں گے) یعنی ان کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

☆ ملائکہ: قیامت کے روز اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اجازت سے ملائکہ بھی بہت سے اہلِ ایمان کیلئے شفاعت کریں گے۔

☆ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَكَم مِن مَّلَكٍ فِي السَّمٰوَاتِ لَاتُغنِي شَفَاعَتُهُم شَيئاً اِلَّا مِن بَعدِ أن يَّأذنَ اللّٰهُ لِمَن يَّشَاء وَيَرضَىٰ﴾ (۲) ترجمہ: (اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی شفاعت کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی مگر یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خوشی اور اپنی چاہت سے جس کیلئے چاہے اجازت دے)

(۱) ترمذی [۲۴۴۰] باب ماجاء فی الشفاعۃ۔ (۲) النجم [۲۶]

اس سے معلوم ہوا کہ ملائکہ بھی (اللہ کی اجازت سے) بہت سے اہلِ ایمان کی شفاعت کریں گے۔

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: يقول اللّه تعالىٰ : (شَفَعَتِ المَلَائِكَةُ ، وَشَفَعَ النَّبِيُّونَ ، وَشَفَعَ المُؤمِنُونَ، وَلَم يَبقَ اِلّا أرحَمُ الرَّاحِمِينَ، فَيَقبِضُ قَبضَةً مِنَ النَّارِفَيُخرِجُ مِنهَا قَوماً لَم يَعمَلُواخَيراً قَطُ) (۱)

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ملائکہ بھی شفاعت کر چکے، انبیاء بھی شفاعت کر چکے، مؤمنین بھی شفاعت کر چکے، اب صرف ارحم الراحمین [یعنی خود اللہ تعالیٰ] ہی باقی رہ گیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ [جہنم کی] آگ میں سے مٹھی بھر کر ایسے لوگوں کو نکالیں گے جنہوں نے کبھی کوئی اچھا عمل انجام نہ دیا ہوگا)۔

یعنی بہت سے ایسے لوگ بھی ہوں گے جنہیں قیامت کے روز کسی کی شفاعت کے بغیر ہی اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم اور اپنی رحمت سے جہنم سے نجات عطاء فرمائیں گے' حالانکہ انہوں نے (اپنی دنیاوی زندگی میں) کبھی کوئی اچھا عمل بھی انجام نہ دیا ہوگا۔

نیز اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ قیامت کے روز ملائکہ' انبیاءِ کرام علیہم السلام' نیز اہلِ ایمان شفاعت کریں گے' جس کی بناء پر جہنم میں موجود بہت سے اہلِ توحید خطا کاروں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

☆ <u>حافظِ قرآن:</u> رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (مَن قَرَأَ القُرآنَ فَاستَظهَرَهُ فَأَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ ، أَدخَلَهُ اللّهُ بِهِ الجَنَّةَ ، وَشَفَّعَهُ فِي عَشرَةٍ مِن أَهلِ بَيتِهِ ، كُلُّهُم قَد وَجَبَت لَهُمُ النَّارَ) (۲) ترجمہ: (جس نے قرآن پڑھا اور

(۱) مسلم [۱۸۳] باب اثبات رؤیۃ المؤمنین فی الآخرۃ ربہم سبحانہ وتعالیٰ۔ (۲) ترمذی [۲۹۰۵]

اسے زبانی یاد بھی کیا، جس چیز کو قرآن نے حلال قرار دیا ہے اس نے بھی اسے حلال، اور جس چیز کو قرآن نے حرام قرار دیا ہے اس نے بھی اسے حرام ہی سمجھا (۱) اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائیں گے، نیز اسے اپنے گھر والوں میں سے دس ایسے افراد کی شفاعت کی اجازت بھی مرحمت فرمائیں گے کہ جن کے جہنمی ہونے کا فیصلہ صادر ہو چکا ہوگا)

☆ **فوت شدہ نابالغ بچے:** یعنی ایسے بچے جو کم سنی اور بچپن میں فوت ہو گئے ہوں، قیامت کے روز وہ اپنے والدین کی شفاعت کریں گے۔ جیسا کہ درجِ ذیل حدیث میں ہے کہ جب انہیں اللہ کی طرف سے جنت میں جانے کا حکم دیا جائے گا تو وہ اس بات کی ضد کریں گے کہ وہ اپنے والدین کو بھی اپنے ہمراہ جنت میں ہی لے کر جائیں گے، چنانچہ ان کی اس مسلسل ضد اور اصرار کی وجہ سے ان کے والدین کو بھی جنت میں جانے کی اجازت دیدی جائے گی۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (مَـامِن مُسلِمَینِ یَمُوتُ لَهُمَا ثَلَاثَةُ أولَادٍ لَم یَبلُغُوا الـحِـنـثَ اِلَّا أدخَلَهُمُ اللّٰهُ وَاِیَّاهُم بِفَضلِ رَحمَتِهِ الجَنَّةَ ، یُقَالُ لَهُم : اُدخُلُو الـجَـنَّةَ ، فَیَقُولُونَ : حَتَّیٰ یَجِیٔ أبوَانَا ، قَالَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، فَیَقُولُونَ مِثلَ ذٰلِكَ ، فَیُـقَـالُ لَهُـم:((اُدخُـلُوا الجَنَّةَ أنتُم وَ أبوَاکُمْ)) (۲) ترجمہ: (ایسے دو مسلمان [والدین] جن کے تین نابالغ بچے فوت ہو گئے ہوں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے انہیں [یعنی ان بچوں اور ان کے والدین کو بھی] جنت میں داخل فرمائیں گے۔ انہیں [یعنی بچوں کو] کہا جائے گا کہ: ''جنت میں داخل ہو جاؤ''۔ وہ کہیں گے کہ: ''ہمارے والدین بھی ہمارے ساتھ ہی آئیں''۔ انہیں تین بار یہی حکم دیا جائیگا، اور ہر بار وہ یہی

(۱) یعنی وہ حافظِ قرآن جس کا عمل بھی قرآن کے مطابق ہو۔ (۲) احمد [۱۰۶۳۰] عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔

جواب دیں گے۔ تب انہیں کہا جائے گا کہ: ''تم اپنے والدین سمیت جنت میں داخل ہو جاؤ)۔

اسبابِ شفاعت:

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مسلمان کیلئے چند ایسے اعمال ہیں جن کا اہتمام والتزام اس کیلئے ان شاء اللہ تعالیٰ جہنم سے نجات اور دخولِ جنت کا سبب وذریعہ بن جائے گا، بلکہ اللہ کی قدرت واجازت سے یہ اعمال خود بندے کیلئے دخولِ جنت کی شفاعت کریں گے اور بندے کے حق میں ان کی شفاعت عند اللہ مقبول ہوگی، لہٰذا ان اعمال کا خوب ذوق وشوق، ہمت وکوشش اور دل جمعی کے ساتھ اہتمام والتزام کرنا چاہئے، اس بارے میں تفصیل درجِ ذیل ہے:

☆ تلاوتِ قرآن:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اِقْـرَؤُوْا الْـقُـرْآنَ فَاِنَّهُ يَأتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعاً لِأَصْـحَـابِـه) (۱) ترجمہ: (قرآن کریم کی [خوب زیادہ] تلاوت کیا کرو، کیونکہ یہ [قرآن] قیامت کے روز اپنے ساتھیوں [یعنی قرآن کی تلاوت کرنے والوں] کیلئے شفیع [یعنی سفارش کرنے والا] بن کر آئیگا)

لہٰذا تلاوتِ قرآن کریم کا زیادہ سے زیادہ اہتمام والتزام ہونا چاہئے، نیز اس موقع پر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ تلاوتِ قرآن کے وقت آدابِ تلاوت کی پابندی ورعایت بھی از حد ضروری ہے......خصوصاً قرآن کریم کے معانی ومفاہیم میں فکر وتدبر، قرآن کریم میں

(۱) مسلم [۸۰۴]

موجود اوامر ونواہی کی پابندی وتعمیل، قرآن کریم کی تعلیمات پر مکمل صدقِ دل اور اخلاصِ نیت کے ساتھ عمل کا اہتمام والتزام اوران تعلیمات کواپنی روزمرہ کی عملی زندگی میں جاری وساری کرنا، کیونکہ نزولِ قرآن کا اصل اور بنیادی مقصد تو یقیناً یہی ہے۔

☆ روزہ:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اَلصِّيَامُ وَالقُرآنُ يَشْفَعَانِ لِلعَبدِ يَومَ القِيَامَةِ ، يَقُولُ الصِّيَامُ : أي رَبِّ مَنَعتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعنِيْ فِيهِ ، وَيَقُولُ القُرآنُ : مَنَعتُهُ النَّومَ بِاللَّيلِ فَشَفِّعنِي فِيهِ ، [قَال] : ((فَيُشَفَّعَانِ)) (۱) ترجمہ: (روزے اورقرآن قیامت کے روز بندے کیلئے شفاعت کریں گے۔روزے یوں کہیں گے:''اے میرے رب! میں نے اسے دن کے وقت کھانے [پینے] اورشہوتوں سے روکے رکھا، لہٰذا اس کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما''۔اورقرآن یوں کہے گا:''میں نے اسے رات میں سونے سے روکے رکھا(۲) لہٰذا اس کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما'' [آپ ﷺ نے] فرمایا:''تب ان دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی'')۔

☆ مدینہ منورہ میں قیام:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (لا يَصبِرُ عَلَىٰ لَأوَاءِ المَدِينَةِ وَشِدَّتِهَا أَحَدٌ مِن أُمَّتِي اِلّا كُنتُ لَهُ شَفِيعاً يَومَ القِيَامَةِ أو شَهِيداً) (۳) ترجمہ: (میری امت

(۱) احمد [٦٦٢٦] (۲) یعنی جو کوئی رمضان میں یا اور کسی بھی مہینے یا موسم میں بوقتِ شب نفل نماز کے دوران یا کسی بھی شکل میں تلاوتِ قرآن کریم کا اہتمام کرتا ہو اس کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

(۳) مسلم [۱۳۷۸] ابن حبان [۳۷۴۰] ترمذی [۳۹۲۴] احمد [۷۸۵۲]

میں سے جو کوئی بھی مدینہ کی سختیوں پر صبر کرے گا قیامت کے روز میں اس کیلئے شفاعت کرنے والا یا گواہی دینے والا ہوں گا)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص مدینہ منورہ میں مستقل سکونت ورہائش اختیار کرے اور وہاں کی شدید ترین گرمی وسردی' موسم کی شدت وسختی' یا کسی بھی لحاظ سے ناموافق وتکلیف دہ حالات کے باوجود صبر وتحمل اور ثابت قدمی سے کام لیتے ہوئے وہیں مقیم رہے تو اس خوش نصیب انسان کیلئے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے قیامت کے روز شفاعت کی خوشخبری ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ کیلئے طلبِ ''وسیلہ'':

''الوسیلہ'' سے مراد جنت میں ایک خاص اور اعلیٰ ترین مقام ہے جو کہ تمام انسانوں میں صرف کسی ایک انسان کو عطاء کیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اِذاسَمِعتُمُ المُؤذِّنَ فَقُولُوا مِثلَ مَایَقُولُ، ثُمَّ صَلُّواعَلَيَّ، فَاِنَّہٗ مَن صَلَّیٰ عَلَيَّ صَلَاۃً صَلَّیٰ اللّٰہُ عَلَیہِ بِھَا عَشراً، ثُمَّ سَلُوا اللّٰہَ لِي الوَسِیلَۃَ، فَاِنَّھَا مَنزِلَۃٌ فِي الجَنَّۃِ لَاتَنبَغِي اِلّا لِعَبدٍ مِن عِبَادِ اللّٰہِ، وَ أرجُو أن أکُونَ أنا ھُوَ، فَمَن سَأَلَ اللّٰہَ لِيَ الوَسِیلَۃَ حَلَّتْ لَہُ الشَّفَاعَۃُ) (۱) ترجمہ: (جب تم مؤذن کو [اذان دیتے ہوئے] سنو' تو وہی کلمات دہراؤ جو وہ کہتا ہے، اس کے بعد مجھ پر درودوسلام پڑھو، کیونکہ جس کسی نے ایک بار مجھ پر سلام پڑھا' اللہ اس پر دس بار اپنی رحمتیں نازل فرمائے گا، پھر اللہ سے میرے لئے ''وسیلہ'' طلب کرو، جو کہ جنت میں ایسا [خاص] مقام ہے کہ جو اللہ کے تمام بندوں میں سے صرف کسی ایک کو ہی نصیب ہوگا، اور مجھے یہ امید ہے کہ وہ شخص

(۱) مسلم [۳۸۴] باب صفۃ الاذان۔ ترمذی [۳۶۱۲] کتاب المناقب۔

میں ہی ہوں گا، جو کوئی اللہ سے میرے لئے ''وسیلہ'' طلب کریگا' قیامت کے روز وہ [میری] شفاعت کا مستحق ہوگا) (۱)

''جنت'' اور ''جہنم'':

آخرت پر ایمان کے ضمن میں جنت اور جہنم پر مکمل یقین وایمان بھی شامل ہے۔

☆ جنت:

جنت سے مراد وہ مقام ہے جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اہلِ ایمان کیلئے تیار کر رکھا ہے، خواہ وہ اس دنیا میں امیر ہوں یا غریب، کالے ہوں یا گورے، ان کا تعلق خواہ کسی بھی قوم' نسل' ملک' برادری' طبقہ' یا خاندان سے ہو، اور وہ کوئی بھی زبان بولتے ہوں۔ اس جنت میں وہ ہمیشہ رہیں گے، نہ کبھی وہاں ان کی زندگی کا خاتمہ ہوگا اور نہ ہی کبھی وہاں کی نعمتیں فناء ہوں گی، لہٰذا وہاں کی زندگی اور وہاں کی نعمتیں لازوال اور ابدی ودائمی ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُم خَيرُ البَرِيَّةِ جَزَآؤُهُم عِندَ رَبِّهِم جَنَّاتُ عَدنٍ تَجرِي مِن تَحتِهَا الأَنهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبداً رَضِيَ اللّهُ عَنهُم وَرَضُوا عَنهُ ذٰلِكَ لِمَن خَشِيَ رَبَّهُ﴾ (۲) ترجمہ: (بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہ لوگ بہترین خلائق ہیں، ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور یہ اس سے راضی

(۱) لہٰذا اذان کے بعد جو مسنون دعاء پڑھی جاتی ہے اس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے رسول اللہ ﷺ کیلئے روزِ قیامت ''مقامِ محمود'' نیز ''وسیلہ'' کی دعاء مانگی جاتی ہے۔ (۲) البینۃ [۷-۸]

ہوئے، یہ ہے اس کیلئے جو اپنے رب سے ڈرے)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُم جَنَّاتُ النَّعِيمِ خَالِدِينَ فِيهَا وَعدَاللّٰهِ حَقّاً وَّهُوَالعَزِيزُ الحَكِيمُ﴾ (۱) ترجمہ:(بیشک جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور کام بھی اچھے کئے' ان کیلئے نعمتوں والی جنتیں ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے' اللہ کا وعدہ سچا ہے' وہ بہت بڑی عزت وغلبہ والا اور کامل حکمت والا ہے)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَت لَهُم جَنَّاتُ الفِردَوسِ نُزُلًا خَالِدِينَ فِيهَا لَايَبغُونَ عَنهَا حِوَلًا﴾ (۲) ترجمہ:(جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی اچھے کئے یقیناً ان کیلئے الفردوس کے باغات کی مہمانی ہے، جہاں وہ ہمیشہ رہا کریں گے جس جگہ کو بدلنے کا کبھی بھی ان کا ارادہ ہی نہ ہوگا)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿مَاعِندَكُم يَنفَدُ وَمَا عِندَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾ (۳) ترجمہ:(تمہارے پاس جو کچھ ہے سب فانی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے باقی رہنے والا ہے)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿بَل تُؤثِرُونَ الحَيَاةَ الدُّنيَا وَالآخِرَةُ خَيرٌ وَّأَبقَىٰ﴾ (۴) ترجمہ:(لیکن تم تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو[حالانکہ] آخرت تو بہت بہتر اور بہت بقاء والی ہے)

نیز ارشاد ہے:﴿عَطَاءً غَيرَمَجذُوذٍ﴾ (۵) ترجمہ:(یہ بے انتہاء بخشش ہے) یعنی کبھی نہ ختم ہونے والی۔

(۱) لقمان[۸۔۹] (۲) الکہف[۱۰۷۔۱۰۸] (۳) النحل[۹۶] (۴) الأعلیٰ[۱۶۔۱۷]
(۵) ہود[۱۰۸]

نیز ارشاد ہے:﴿لَا يَمَسُّهُم فِيهَا نَصَبٌ وَّمَا هُم مِنهَا بِمُخرَجِينَ﴾ (۱) ترجمہ: (نہ تو انہیں وہاں کوئی تکلیف چھوسکتی ہے اور نہ ہی وہ کبھی وہاں سے نکالے جائیں گے)

☆...... جنت میں ایسی نعمتیں ہیں کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے کوئی انسان نہ تو کبھی اپنی آنکھ سے ایسی کوئی نعمت دیکھ سکتا ہے، نہ اپنے کان سے ان نعمتوں کے بارے میں کچھ سن سکتا ہے، اور نہ ہی اپنے دل ودماغ سے ان کے بارے میں کچھ سوچ سکتا ہے، یعنی اس دنیا میں رہتے ہوئے کوئی انسان جنت کی نعمتوں کے بارے میں تصور بھی نہیں کرسکتا۔

جیسا کہ اس حدیث قدسی میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ: أعدَدتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِينَ مَا لَا عَينٌ رَأت، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَت، وَلَا خَطَرَ عَلىٰ قَلبِ بَشَر، وَاقرَؤوا اِنْ شِئتُمْ قَولَ اللّٰهِ تَعَالىٰ: فَلَا تَعلَمُ نَفسٌ مَّا أُخفِيَ لَهُم مِنْ قُرَّةِ أعيُنٍ) (۲)

ترجمہ: (اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''میں نے اپنے نیک بندوں کیلئے جنت میں ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں کہ جنہیں نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کبھی کسی کان نے [ان کے بارے میں] سنا ہے، اور نہ ہی کبھی ان کا تصور کسی انسان کے دل میں آیا ہے'' [اس کے بعد آپؐ نے فرمایا]: اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: ﴿فَلَا تَعلَمُ نَفسٌ مَّا أُخفِيَ لَهُم مِنْ قُرَّةِ أعيُنٍ﴾ یعنی: ''کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کیلئے پوشیدہ کر رکھی ہے'') (۳)

(۱) الحجر [۴۸]

(۲) متفق علیہ، ملاحظہ ہو: مشکاۃ المصابیح [۵۶۱۲] باب صفۃ الجنۃ واہلہا۔

(۳) یہ سورہ سجدہ کی آیت [۱۷] ہے۔ اس کا مفہوم یہی ہے کہ اللہ نے جنت میں اہلِ ایمان کیلئے جو نعمتیں چھپا رکھی ہیں انہیں اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

☆ **جنت میں سب سے کم رُتبہ انسان کیلئے نعمتیں:**

جنت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان کیلئے جو عظیم الشان اور نا قابلِ بیان' بلکہ نا قابلِ تصور نعمتیں تیار کی گئی ہیں' ان کا اندازہ اس درجِ ذیل حدیث سے کیا جا سکتا ہے جس میں اس شخص کی صورتِ حال کا تذکرہ ہے کہ جس کا درجہ اور مقام ورتبہ تمام اہلِ جنت میں سب سے کم اور ادنیٰ ہوگا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (رَجُلٌ يَجِئُ بَعدَمَا دَخَلَ أهلُ الجَنَّةِ الجَنَّةَ، فَيُقَالُ لَهٗ: اُدخُلِ الجَنَّةَ، فَيَقُولُ: رَبِّ كَيفَ وَقَدنَزلَ النَّاسُ مَنَازِلَهُم وَأخَذُوا أخَذاتِهِم؟ فَيُقَالُ لَهٗ: أتَرضىٰ أن يَكُونَ لَكَ مِثلَ مَلِكٍ مِن مُلُوكِ الدُّنيَا؟ فَيَقُولُ: رَضِيتُ رَبِّ، فَيقُولُ لَهٗ: لَكَ ذٰلِكَ وَمِثلُهٗ وَمِثلُهٗ وَمِثلُهٗ، فَقَالَ فِي الخَامِسَة: رَضِيتُ رَبِّ، فَيَقُولُ: هٰذا لَكَ وَعَشرَةُ أمثَالِهٖ، وَلَكَ مَااشتَهَت نَفسُك، وَلَذّت عَينُكَ) (۱)

ترجمہ: (اہلِ جنت جب جنت میں داخل ہوچکیں گے' تب ایک شخص آئے گا، اسے کہا جائے گا کہ: ''جنت میں داخل ہوجاؤ''۔ وہ عرض کرے گا کہ: ''اے میرے رب! سب ہی لوگ تو جنت میں اپنی اپنی جگہوں پر قبضہ کر چکے ہیں اور وہاں کی نعمتیں سمیٹ چکے ہیں'' (۲) اسے کہا جائے گا: ''کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ تمہیں دنیا کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کے برابر نعمتیں دے دی جائیں؟''۔ وہ کہے گا: ''ہاں میرے رب! میں اس پر راضی ہوں''۔ تب اسے کہا جائے گا: ''تمہیں یہ بھی دیا جائے گا' اور اس جیسا مزید' پھر اس

(۱) مسلم [۱۸۹] باب أدنیٰ اہل الجنۃ منزلۃ فیہا۔

(۲) یعنی جنت میں سب ہی لوگ تو قبضہ جما چکے ہیں' اب میرے لئے جگہ کہاں ہے......؟

جیسا مزید‘ اور پھر اس جیسا مزید بھی دیا جائے گا‘‘۔ پانچویں بار وہ کہے گا: ’’میرے رب! میں راضی ہو گیا‘‘ تب اسے کہا جائے گا: ’’یہ سب کچھ تمہارے لئے ہے‘ اور اس سے دس گنا مزید پھر تمہارے لئے ہے‘ بلکہ تمہارے لئے ہر وہ چیز ہے جس کی تمہیں تمنا ہو‘ اور جس سے تمہاری آنکھوں کو لذت نصیب ہو سکے)

جنت میں رؤیتِ باری تعالیٰ (یعنی: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دیدار):

جنت میں اہلِ ایمان کیلئے سب سے عظیم اور اہم ترین نعمت ’’رؤیتِ باری تعالیٰ‘‘ ہوگی، یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے خاص فضل وکرم سے انہیں اپنے دیدار کی نعمت سے سرفراز فرمائیں گے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وُجُوهٌ يَّومَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ (۱) ترجمہ: (اُس روز بہت سے چہرے تر وتازہ ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے)

اسی طرح قرآن کریم میں اہلِ جنت کیلئے وہاں موجود نعمتوں کے تذکرہ کے ضمن میں ارشاد ہے: ﴿لَهُم مَّا يَشَآؤُونَ فِيهَا وَ لَدَينَا مَزِيدٌ﴾ (۱) ترجمہ: (وہاں وہ جو چاہیں گے انہیں ملے گا [بلکہ] ہمارے پاس تو [ان کیلئے] اور زیادہ بھی ہے)

اس آیت میں ﴿مَـزِيدٌ﴾ (یعنی: اور زیادہ) سے مراد اہلِ جنت کیلئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دیدار کی نعمت اور اس سے انہیں حاصل ہونے والی فرحت ومسرت ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے ایک بار دریافت کیا گیا کہ: هَل نَرىٰ رَبَّنَا يَومَ القِيَامَة؟ یعنی کیا قیامت کے روز ہم اپنے رب کا دیدار کر سکیں گے؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: (هَل تُمَارُونَ فِي القَمَرِ لَيلَةِ البَدرِ لَيسَ دُونَهُ حِجَاب؟ قَالُوا: لَا يَا

(۱) القیامۃ [۲۲-۲۳] (۲) ق [۳۵]

رَسُولَ اللّٰہ، قَال: فَھَل تُمَارُونَ فِي الشَّمسِ لَیسَ دُونَھَا سَحَاب؟ قَالُوا: لَا، قَال: فَاِنَّکُم تَرَونَہٗ کَذٰلِکَ) (۱) ترجمہ:(کیا تمہیں چودھویں رات کا چاند دیکھنے میں کوئی شک وشبہہ ہوتا ہے جبکہ کوئی آڑ [یا رکاوٹ] بھی نہ ہو؟ عرض کیا گیا کہ: نہیں اے اللہ کے رسول، پھر آپؐ نے فرمایا: ''کیا تمہیں سورج نظر آنے میں کوئی شک وشبہہ ہوتا ہے جبکہ کوئی بادل وغیرہ بھی حائل نہ ہو؟ عرض کیا گیا کہ: نہیں، تب آپؐ نے فرمایا: ''تم اپنے رب کا بھی اسی طرح دیدار کروگے'')

اسی طرح ایک بار جب ''بدر'' یعنی چودھویں رات کا چاند پوری آب وتاب کے ساتھ آسمان پر چمک رہا تھا تب رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:(اِنَّکُم سَتَرَونَ رَبَّکُم کَمَا تَرَونَ ھٰذا القَمَرَ لَاتُضَامُونَ فِي رُؤیَتِہٖ) (۲) ترجمہ:(عنقریب تم اپنے رب کا اسی طرح دیدار کروگے جس طرح تم اس چاند کو کسی شک وشبہہ کے بغیر دیکھتے ہو)

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(اِذا دَخَلَ أھلُ الجَنَّۃِ الجَنَّۃَ یَقُولُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ: تُرِیدُونَ شَیئاً أزِیدُکُم؟ فَیَقُولُون: بَیَّضتَ وُجُوھَنَا، أَلَم تُدخِلنَا الجَنَّۃَ؟ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ؟ قَال: فَیُکشَفُ الحِجَابُ، فَمَا أُعطُوا شَیئاً أَحَبَّ اِلَیھِم مِنَ النَّظَرِ اِلیٰ رَبِّھِم، ثُمّ تَلَا ھٰذہِ الآیَۃَ: ﴿لِلَّذینَ أحسَنُوا الحُسنیٰ وَزِیَادَۃٌ﴾ (۳)

(۱) بخاری [۷۷۳] نیز: مسلم [۱۸۲] کتاب الایمان، باب اثبات رؤیۃ المؤمنین لربہم فی الآخرۃ۔

(۲) بخاری، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿وُجُوہٌ یَّومَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلیٰ رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ﴾ [۶۹۹۷] مسلم [۶۳۳] نیز: ترمذی، باب ماجاء فی رؤیۃ الرب تبارک وتعالیٰ [۲۵۵۱] نیز: ۲۵۵۴]

(۳) مسلم [۱۸۱] کتاب الایمان، باب اثبات رؤیۃ المؤمنین لربہم فی الآخرۃ۔

ترجمہ: (اہلِ جنت جب جنت میں داخل ہوچکیں گے، تب اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرمائیں گے: کیا تمہیں مزید کسی چیز کی تمنا ہے؟ وہ عرض کریں گے: [اے اللہ!] آپ نے تو ہمیں [پہلے ہی] سرخ رو فرما دیا ہے، کیا آپ ہی نے ہمیں جنت میں داخل نہیں فرمایا؟ کیا آپ ہی نے ہمیں جہنم سے نجات عطاء نہیں فرمائی؟ اس کے بعد حجاب ہٹا دیا جائے گا، تب اہلِ جنت کیلئے اپنے رب کے دیدار کی لذت سے بڑھ کر اور کوئی لذت نہیں ہوگی، اس کے بعد [نبی ﷺ نے] یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿لِلَّذِينَ أحسَنُوا الحُسنىٰ وَزِيَادَةٌ﴾ (۱) یعنی: (جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے واسطے خوبی ہے، اور مزید برآں بھی) اس آیت میں ﴿وَزِيَادَةٌ﴾ (یعنی: مزید) سے مراد اہلِ جنت کیلئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دیدار کی نعمت اور اس سے انہیں حاصل ہونے والی فرحت ومسرت ہے۔

اس کے علاوہ یہ کہ خود رسول اللہ ﷺ، اللہ سے اس کے دیدار کی نعمت طلب کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ؐ سے ثابت ایک دعاء میں یہ الفاظ منقول ہیں: وَ اَسأَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ اِلَىٰ وَجهِكَ ، وَ الشَّوقَ اِلىٰ لِقَائِكَ ۔ یعنی: ''[اے اللہ!] میں مانگتا ہوں تجھ سے لذت تیرے دیدار کی، اور تڑپ تیرے وصال کی'' (۲)

☆ جہنم:

جنت کے برعکس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کفار ومشرکین، نیز اہلِ ایمان میں سے خطاکاروں کیلئے جہنم اور وہاں کا دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اہلِ ایمان میں سے جن خطاکاروں وگنہگاروں کو جہنم کی آگ میں ڈالا گیا ہوگا انہیں تو وہاں اپنی خطاؤں کی سزا بھگتنے اور پاک وصاف ہوجانے کے بعد جہنم سے نکال لیا جائے گا اور اہلِ ایمان میں سے ہر ایک کا آخری

(۱) یونس [۲۶] (۲) نسائی [۱۳۰۵]

ٹھکانہ یقیناً جنت میں ہی ہوگا۔

جبکہ کفار ومشرکین ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے اور انہیں وہاں سے کبھی نجات نصیب نہیں ہوگی۔جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿وَمَاهُم بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ﴾ (۱)
ترجمہ:(اور وہ ہرگز آگ سے نہ نکلیں گے)

نیز ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُم كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيهِمْ لَعنَةُ اللّٰهِ وَالمَلَآئِكَةِ وَالنَّاسِ أجمَعِينَ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنهُمُ العَذَابُ وَلَا هُم يُنظَرُونَ﴾ (۲) ترجمہ:(یقیناً جو کفار اپنے کفر[کی حالت] میں ہی مرجائیں' ان پر اللہ تعالیٰ کی' فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے' نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ہی انہیں ڈھیل دی جائے گی)

☆ جنت اور جہنم واقعۃً معرضِ وجود میں آچکی ہیں:

جنت اور جہنم کے بارے میں یہ یقین وایمان ضروری ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے ان دونوں مقامات کو پیدا فرما چکا ہے اور اس وقت یہ دونوں مقامات عملی اور واقعی شکل میں موجود ہیں۔جیسا کہ جنت کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿أُعِدَّتْ لِلمُتَّقِينَ﴾ (۳) ترجمہ:(جو کہ پرہیز گاروں کیلئے تیار کی گئی ہے)

اسی طرح جہنم کے بارے میں ارشاد ہے:﴿أُعِدَّتْ لِلكَافِرِينَ﴾ (۴) ترجمہ:(جو کہ کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے)

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(إِنَّ أَحَدَكُم إِذا مَاتَ عُرِض عَلَيهِ مَقعَدُهٗ بِالغَدَاةِ وَ العَشِيّ، إِن كَانَ مِن أَهلِ الجَنَّةِ فَمِن أَهلِ الجَنَّةِ ، وَإِن كَانَ مِن

(۱)البقرۃ[۱۶۷] (۲)البقرۃ[۱۶۱۔۱۶۲] (۳)آل عمران[۱۳۳] (۴)البقرۃ[۲۴]

أهلِ النّارِ فَمِن أهلِ النّارِ ، فَيُقَالُ : هذا مَقعَدُكَ حَتّىٰ يَبعَثَكَ اللّٰهُ يَومَ القِيَامَةِ) (۱) ترجمہ:(تم میں سے کوئی شخص جب مرجاتا ہے تو اسے صبح وشام اس کے ٹھکانے کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے، اگر وہ جنت والوں میں سے ہو' تو جنت میں اس کیلئے مخصوص ٹھکانہ' اور اگر جہنم والوں میں سے ہو' تو جہنم میں اس کیلئے مخصوص ٹھکانہ اسے دکھایا جاتا ہے، اور یوں کہا جاتا ہے کہ: ''قیامت کے روز جب اللہ تمہیں دوبارہ زندہ کریگا اسوقت تمہارا یہی [مستقل] ٹھکانہ ہوگا'')

اس حدیث سے یہ بات واضح وثابت ہوگئی کہ جنت اور جہنم دونوں واقعۃً معرضِ وجود میں آچکی ہیں، اسی لئے قبر میں میت کو ہر روز صبح وشام جنت میں یا جہنم میں اس کیلئے تیار کئے گئے اس کے آخری اور دائمی وابدی ٹھکانے کا نظارہ ومشاہدہ کرایا جاتا ہے، اور یہ چیز مؤمن کیلئے اس کی قبر میں ہی غیر معمولی لذت ومسرت' جبکہ کافر ومنافق کیلئے انتہائی رنج وغم کا سبب ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنا خاص فضل وکرم فرمائیں' تاکہ قبر کی زندگی ہمارے لئے باعثِ راحت ومسرت ہو، نیز اس کے بعد کے تمام مراحل میں بھی سہولت وراحت ہو۔آمین۔

وماذلك علىٰ اللّٰه بعزيز ۔

۞۞۞

(۱) بخاری[۱۳۷۹] مسلم[۲۸۶۶] باب عرض مقعد الميّت من الجنّة أوالنّارعليه واثبات عذاب القبروالتعوّذمنه ۔

''آخرت'' پر ایمان کے فوائد وثمرات:

(۱) عظیم اجروثواب:

آخرت اوراس میں پیش آنے والے تمام حالات وواقعات پر غیر متزلزل اور مستحکم یقین وایمان درحقیقت ''ایمان بالغیب'' کی قبیل سے ہے، کیونکہ اس دنیا میں رہتے ہوئے کبھی کسی انسان نے اپنی آنکھوں سے آخرت میں پیش آنے والے واقعات وحالات کا مشاہدہ نہیں کیا، نہ کبھی کسی نے اپنی آنکھوں سے جنت اور وہاں کی لازوال نعمتوں کو دیکھا، نہ ہی کسی نے جہنم اور وہاں کے دردناک عذاب کو دیکھا، اس کے باوجود جس کسی نے محض اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کی مکمل تصدیق کرتے ہوئے آخرت اوراس میں پیش آنے والے واقعات پر ''غائبانہ'' ایمان قبول کیا اوراس ایمان کے تقاضوں کی تکمیل کے طور پر صدقِ دل اور مکمل اخلاص کے ساتھ صراطِ مستقیم کو اپنایا اور بدی کے راستے سے اپنا دامن بچایا...... تو اس کا یہ اندازِ فکر اور یہ رویہ یقیناً اس کے دل میں موجود ''ایمان بالغیب'' کا ثبوت ہے۔

قرآن کریم میں ایسے خوش نصیب افراد کیلئے ہدایت، فلاح، نیز عظیم اجروثواب کی خوشخبری دی گئی ہے، جیسا کہ قرآن کریم کے شروع میں سورۃ البقرۃ کی ابتداء میں ہی ارشاد ہے:
﴿الَّذِينَ يُؤمِنُونَ بِالغَيبِ......﴾ یعنی: (جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں......)
اور پھر انہی آیات میں ان اہلِ ایمان کے مزید چند اوصاف کے تذکرہ کے بعد آخر میں فرمایا: ﴿أولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِم وأولَٰئِكَ هُمُ المُفلِحُونَ﴾(۱)

(۱) البقرہ [۳-۵]

یعنی: (یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں)۔

(۲) اعمالِ صالحہ کا اہتمام اور برائیوں سے اجتناب:

انسان جب صدقِ دل سے اس بات کو قبول کر لیتا ہے کہ دنیا کی زندگی اور یہاں کی تمام راحتیں عارضی اور فانی ہیں، جبکہ اس کے برعکس آخرت کی زندگی ابدی اور وہاں کی نعمتیں دائمی و لازوال ہیں، نیز یہ کہ وہاں کی ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی راحت و کامیابی اور سعادت مندی کا تمامتر دارومدار صرف اور صرف ایمان اور عملِ صالح پر ہے۔ آخرت میں کسی سے اس کے حسب نسب، خاندان، زبان، رنگ و نسل، شکل وصورت، یا قومیت اور برادری کے بارے کوئی سوال نہیں پوچھا جائے گا، بلکہ وہاں صرف اور صرف عقیدہ و ایمان اور پھر عمل کے بارے میں حساب ہوگا، اور اس کے بعد انجام یہ ہوگا کہ: ﴿فَأَمَّا مَن ثَقُلَت مَوَازِينُهُ فَهُوَفِي عِيشَةٍ رَّاضِيَة، وَأَمَّا مَن خَفَّت مَوَازِينُهُ فَأُمُّهُ هَاوِيَة، وَمَاأَدرَاكَ مَاهِيَه، نَارٌحَامِيَة﴾ (۱) یعنی: (پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے وہ تو دل پسند آرام کی زندگی میں ہوگا۔ اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے۔ اور تم کیا جانو کہ وہ ہاویہ کیا ہے۔ وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے) لہٰذا اسی عقیدہ و ایمان کی وجہ سے انسان کے دل میں عملِ صالح کا شوق و اہتمام جبکہ بدی سے اجتناب کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

(۳) تقویٰ:

قرآنِ کریم میں جا بجا تقویٰ و پرہیزگاری کو اختیار کرنے کی تاکید و تلقین کی گئی ہے، اور اس

(۱) القارعۃ [۶۔۱۱]

کی اہمیت کی طرف توجہ دلانے کیلئے ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے تقویٰ اور پرہیزگاری کا راستہ اپنانے کا حکم تو گذشتہ امتوں کو بھی دیا گیا تھا۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلَقَد وَصَّینَا الَّذِینَ أوتُوا الکِتَابَ مِن قَبلِکُم وَاِیَّاکُم أنِ اتَّقُوا اللّٰہَ﴾ (۱) ترجمہ: (اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے تھے اور تم کو بھی یہی حکم کیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو)

نیز قرآن کریم میں تقویٰ کا راستہ اختیار کرنے کے حکم کے ساتھ ساتھ متقین کیلئے عظیم اجر وثواب، گناہوں سے معافی، اللہ کی معیت وتائید، فضلِ عظیم، صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق، حق وباطل میں فرق وتمیز کی صلاحیت وبصیرت، نیز دنیا وآخرت میں آفات ومشکلات اور پریشانیوں سے نجات نیز وسعتِ رزق کی خوشخبری بھی دی گئی ہے۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿یَا أیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا اِن تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجعَل لَکُم فُرقَاناً وَّیُکَفِّر عَنکُم سَیِّئَاتِکُم وَیَغفِر لَکُم وَاللّٰہُ ذوالفَضلِ العَظِیمِ﴾ (۲) ترجمہ: (اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہوگے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا اور تم سے تمہارے گناہ دور فرمادے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿وَاعلَمُوا أنَّ اللّٰہَ مَعَ المُتَّقِینَ﴾ (۳) ترجمہ: (اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿وَمَن یَتَّقِ اللّٰہَ یَجعَل لَہٗ مَخرَجاً وَّیَرزُقہُ مِن حَیث لَایَحتَسِب﴾ (۴) ترجمہ: (اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کیلئے چھٹکارے کی

(۱) النساء [۱۳۱] (۲) الانفال [۲۹] (۳) التوبہ/براءۃ [۳۶] (۴) الطلاق [۲-۳]

شکل نکال دیتا ہے، اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿وَمَن يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْراً﴾ (۱)
ترجمہ: (اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا اللہ اس کے کام میں آسانی کر دے گا)

نیز ارشاد ہے:﴿وَمَن يَتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْراً﴾ (۲)
ترجمہ: (اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے گناہ مٹا دے گا اور اسے بڑا بھاری اجر دے گا)

نیز ارشاد ہے:﴿يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْداً وَّنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْداً﴾ (۳) ترجمہ: (جس دن ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کی طرف بطور مہمان کے جمع کریں گے، اور گناہ گاروں کو سخت پیاس کی حالت میں جہنم کی طرف ہانک لے جائیں گے)

نیز ارشاد ہے:﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَّعُيُونٍ﴾ (۴) ترجمہ: (بیشک تقویٰ والے لوگ بہشتوں اور چشموں میں ہوں گے)

نیز ارشاد ہے:﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَّنَعِيمٍ فَاكِهِينَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَاهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ﴾ (۵) ترجمہ: (یقیناً پرہیزگار لوگ جنتوں میں اور نعمتوں میں ہیں، جو انہیں ان کے رب نے دے رکھی ہیں اس پر خوش خوش ہیں، اور ان کے رب نے انہیں جہنم کے عذاب سے بھی بچا لیا ہے)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَّنَهَرٍ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِندَ مَلِيكٍ

(۱) الطلاق[۴] (۲) الطلاق[۵] (۳) مریم[۸۵-۸۶] (۴) الذاریات[۱۵]
(۵) الطّور[۱۷-۱۸]

مُّقتَدِرٍ﴾ (۱) ترجمہ: (یقیناً ہمارا ڈر رکھنے والے جنتوں اور نہروں میں ہوں گے، راستی اور عزت کی بیٹھک میں قدرت والے بادشاہ کے پاس)

☆......مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں تقویٰ کی اہمیت' نیز متقین کیلئے عظیم اجر وثواب اور دنیا وآخرت میں نجات وفلاح کی خوشخبری کے بعد اب مزید یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ قرآن کریم میں اکثر وبیشتر مواقع پر جہاں تقویٰ' پرہیزگاری وخوفِ خدا کا حکم دیا گیا ہے وہاں اس کے ساتھ ہی قیامت کی تباہ کاریوں اور اس دن کے ہوش ربا حالات وواقعات کا تذکرہ بھی ہے۔مثلاً قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النّاسُ اتَّقُوارَبَّكُم اِنَّ زَلزَلَةَالسَّاعَةِ شَيءٌ عَظِيمٌ﴾ (۲) ترجمہ: (اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو! بلاشبہہ قیامت کا زلزلہ بہت ہی بڑی چیز ہے)

نیز ارشاد ہے: ﴿يَاأَيُّهَا النّاس اتَّقُوارَبَّكُم وَاخشَوا يَوماًلَّايَجزِي وَالِدٌ عَن وَّلَدِهٖ، وَلَامَولُودٌ هُوَجَازٍ عَن وَّالِدِهٖ شَيئاً اِنَّ وَعدَ اللّٰهِ حقٌّ فَلاتَغُرَّنَّكُمُ الحَياةُ الدُّنيَا وَلَايَغُرَّنَّكُم بِاللّٰهِ الغَرُورِ﴾ (۳) ترجمہ: (اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس دن باپ اپنے بیٹے کو کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کا ذرہ سا بھی نفع کرنے والا ہوگا، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے [دیکھو] تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ دھوکے باز [شیطان] تمہیں دھوکے میں ڈال دے)

نیز ارشاد ہے: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي اِلَيهِ تُحشَرُونَ﴾ (۴) ترجمہ: (اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے)

☆......اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کے دل میں تقویٰ وخوفِ خدا پیدا کرنے

(۱) القمر [۵۴-۵۵] (۲) الحج [۱] (۳) لقمان [۳۳] (۴) المجادلۃ [۹]

کیلئے آخرت پر مکمل یقین وایمان ازحد ضروری ہے۔ یایوں سمجھ لیا جائے کہ آخرت پر ایمان کے فوائد وثمرات اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات میں سے ایک انتہائی اہم فائدہ اور اثر یہ ہے کہ اس کی بدولت انسان میں تقویٰ وپرہیزگاری اور خوفِ خدا کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ جب اس کے ذہن اور دل و دماغ میں یہ بات پختہ ہوجاتی ہے کہ آخرت تو ضرور آنی ہی ہے۔ اور یہ کہ اس روز اللہ کے سامنے حاضر ہوکر اپنے ہر قول وفعل، ہر چھوٹے بڑے اور اچھے برے عمل کا جواب دینا ہے، اور یہ کہ اس حساب وکتاب سے کسی صورت چھٹکارا ممکن نہیں ہے، وہاں مال ودولت، آل واولاد، عزیز واحباب، شان وشوکت اور جاہ ومنصب وغیرہ کوئی چیز کسی کام آنے والی نہیں ہے......! اس اندازِ فکر کی وجہ سے انسان میں تقویٰ وخشیتِ الٰہیہ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور یہی جذبہ برائی کی طرف اٹھتے ہوئے اس کے قدموں کیلئے زنجیر بن جاتا ہے۔

(۴) مایوسی کا خاتمہ:

اس دنیا میں یہ بات عام مشاہدے میں آتی رہتی ہے کہ بہت سے لوگ شرافت کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہمیشہ غیر انسانی کارروائیوں میں مشغول رہتے ہیں، مگر اپنے اثر ورسوخ اور جاہ ومنصب کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ ہر قسم کی گرفت سے بالاتر اور محفوظ ومامون رہتے ہیں، بلکہ انہیں ان کے زر اور زور کی وجہ سے معاشرے میں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اور ان کی قصیدہ خوانی بھی کی جاتی ہے۔ اسی طرح بہت سے وحشی ودرندہ صفت اور سماج دشمن عناصر علی الاعلان ظلم وستم اور ناانصافی وزیادتی کا بازار گرم کئے رکھتے ہیں، جن کی درندگی وسفاکی کے سامنے بے بس ومجبور انسانیت بس سسکتی ہی رہ جاتی ہے، مگر کوئی انہیں لگام دینے والا یا روکنے ٹوکنے والا نہیں ہے۔

جبکہ اس کے برعکس بہت سے متقی و پارسا اور شریف وایماندار قسم کے لوگ ایسی طاغوتی قوتوں کے سامنے بےبس ومجبور نظر آتے ہیں اور بس آنسو ہی بہاتے رہ جاتے ہیں' حالانکہ وہ عبادت گذار اور اللہ کے مطیع وفرمانبردار بھی ہوتے ہیں، مگر اس دنیا میں انہیں ان کی شرافت ودیانت' ان کی دینداری وعبادت گذاری' اور نیکی و پارسائی کا کوئی صلہ نہیں ملتا، بلکہ ایسے افراد کو بسا اوقات جائز صلہ وانعام کی بجائے مختلف قسم کی جسمانی ونفسیاتی سزاؤں اور ناانصافیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بعض اوقات تو قتل بھی کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ سب کچھ تو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ بھی ہوتا رہا' حالانکہ ان سے بڑھ کر عنداللہ اور کس کا مقام ومرتبہ ہوسکتا ہے......؟

ایسے میں عقیدۂ آخرت پر غیر متزلزل ایمان اور اللہ کے نظامِ عدل پر پختہ یقین کی بدولت انسان کو ذہنی راحت محسوس ہوتی ہے اور وہ سوچتا ہے کہ یہ دنیا تو امتحان گاہ ہے' جزا وسزا کی جگہ تو آخرت ہے، دنیا کی زندگی تو محض ایک وقتی تماشہ ہے، اس کے بعد اللہ کی عدالت میں یقیناً حقیقی انصاف ہوجائے گا، جہاں ظالموں اور بدکاروں کو دردناک سزا' جبکہ ایمان داروں ونیکوکاروں کو وہ صلہ وانعام دیا جائے گا جس کے وہ مستحق ہوں گے۔ لہٰذا آخرت پر ایمان کی بدولت یہ اندازِ فکر مؤمن کیلئے روحانی وقلبی تقویت کا ذریعہ' نیز مایوسی کے خاتمے کا سبب بن جاتا ہے۔

(۵) باعثِ راحت واطمینان:

اس دنیا میں بسا وقات انسان کسی چیز کی تمنا وآرزو کرتا ہے' مگر انسان کی ہر تمنا پوری نہیں ہوتی' جس کی وجہ سے اسے بسا اوقات رنج وصدمہ کی اذیت اور احساسِ محرومی جیسی تکلیف دہ چیز کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

لیکن اس موقع پر آخرت پر مستحکم یقین وایمان رکھنے والے شخص کا اندازِ فکر یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے ہر فیصلے میں یقیناً کوئی حکمت ومصلحت پوشیدہ ہے جسے وہی بہتر جانتا ہے' ہم نہیں جانتے کیونکہ اس کا علم کامل اور ہمارا علم ناقص ہے۔لہٰذا اس فانی دنیا میں اگر ہماری خواہش وتمنا پوری نہ ہوسکی تو کوئی بات نہیں......اللہ نے اپنے فضل وکرم اور لطف وعنایت سے آخرت کی زندگی میں اگر جنت میں داخلہ نصیب فرمایا تو یہ نعمت جو یہاں نہیں مل سکی انشاء اللہ تعالیٰ وہاں نصیب ہوجائے گی، بلکہ اس سے بہت زیادہ بہتر اور بھی بہت کچھ وہاں مل جائے گا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ انسان کے فوت شدہ والدین' عزیز واحباب وغیرہ سے وہاں ملاقات بھی نصیب ہوجائے گی۔

جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿جَنّاتُ عَدنٍ يَدخُلُونَهَا وَمَن صَلَحَ مِن آبَائِهِم وَأزوَاجِهِم وَذُرِّيَّاتِهِم وَالمَلآئِكَةُ يَدخُلُونَ عَلَيهِم مِّن كُلِّ بَابٍ، سَلَامٌ عَلَيكُم بِمَا صَبَرتُم فَنِعمَ عُقبَىٰ الدّارِ﴾ (۱) ترجمہ:(ہمیشہ رہنے کے باغات' جہاں یہ خود جائیں گے' اوران کے باپ دادوں اور بیویوں اوراولادوں میں سے بھی جو نیکوکار رہوں گے' ان کے پاس فرشتے ہر ہر دروازے سے آئیں گے، کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو' صبر کے بدلے' کیا ہی اچھا بدلہ ہے اس دارِ آخرت کا)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتهُم ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ ألحَقنَا بِهِم ذُرِّيَّتَهُم﴾ (۲) ترجمہ:(اور جو لوگ ایمان لائے اوران کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی' ہم ان کی اولاد کوان تک پہنچادیں گے)

نیز ارشاد ہے:﴿إِنّ أَصحَابَ الجَنَّةِ اليَومَ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ، هُم وَأَزوَاجُهُم

(۱)الرعد[۲۳۔۲۴] (۲)الطّور[۲۱]

فِي ظِلَالٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَّكِئُونَ، لَهُم فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُم مَّا يَدَّعُونَ سَلَامٌ قَولًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ﴾ (۱) ترجمہ: (جنتی لوگ آج کے دن اپنے [دلچسپ] مشغلوں میں ہشاش بشاش ہیں، وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے، ان کیلئے جنت میں ہر قسم کے میوے ہوں گے اور [ہر] وہ [چیز] بھی جو وہ طلب کریں، مہربان پروردگار کی طرف سے انہیں ''سلام'' کہا جائے گا)

نیز ارشاد ہے: ﴿أُدخُلُوا الجَنَّةَ أَنتُم وَ أَزوَاجُكُم تُحبَرُونَ﴾ (۲) ترجمہ: (تم اور تمہاری بیویاں راضی خوشی جنت میں چلے جاؤ)

لہٰذا آخرت پر مستحکم ایمان ویقین رکھنے والا شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس عارضی وفانی دنیا میں اگر اس کی کوئی تمنا پوری نہ ہوسکی' یا اسے اپنی کسی پسندیدہ چیز سے محرومی ودوری کے صدمہ سے دوچار ہونا پڑا' یا کسی قریبی عزیز کی موت کی صورت میں اس کے فراق کا دکھ جھیلنا پڑا' تو ان تمام تر محرومیوں اور دوریوں کا یہ صدمہ اور یہ تکلیف محض عارضی اور وقتی ہے، کیونکہ جنت میں انشاء اللہ پھر سب ایک ساتھ ہوں گے......! نیز یہ کہ وہاں اللہ کے فضل وکرم سے انسان کی ہر خواہش وتمنا پوری ہوجائیگی' اور اسے کوئی احساسِ محرومی نہیں ستائیگا......!!

لہٰذا آخرت پر ایمان کی بدولت یہ تصور اور یہی اندازِ فکر مؤمن کیلئے باعثِ راحت واطمینان بن جاتا ہے اور اسے احساسِ محرومی کی اذیت اور صدمے سے نجات نصیب ہوجاتی ہے۔

☆☆☆

(۱) یٰس [۵۵-۵۸] (۲) الزخرف [۷۰]

پانچواں رکن:

''تقدیر'' پر ایمان

❁❁❁

رکن (۵)

تقدیر پر ایمان:

☆ ''تقدیر'' کا مفہوم:

''تقدیر'' کے لفظی معنیٰ ہیں:(الاحاطة بمقادير الأمور) یعنی: تمام امور کی مقدار کا علم ہونا۔

جبکہ اس کے شرعی واصطلاحی معنیٰ ومفہوم یہ ہیں: النّظام المُحكم الّذي وضعه اللّه لهذا الوجود، والقوانين العامّة ، والسّنن التي ربط اللّه بها الأسباب بمُسبّباتها(۱) یعنی: ''اس کائنات کیلئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے وضع کردہ منظّم ومستحکم نظام' اور ایسے عام قوانینِ قدرت جن کے ذریعہ (اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے) اسباب کو مسببات کے ساتھ مربوط کر دیا گیا ہے''۔

نیز ''تقدیر'' کی تعریف اس طرح بھی بیان کی گئی ہے:

(علم اللّه تعالىٰ بالأشياء وكتابتهٖ لها قبل كونها ، علىٰ ماهي عليه، ووجودها علىٰ ماسبق بهٖ علمهٗ وكتابتهٗ بمشيئتهٖ و خلقهٖ) (۲) یعنی: تمام اشیاء کے وجود میں آنے سے قبل ہی ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا پیشگی علم' اور پھر تمام اشیاء کے موجودہ کیفیت وحالت میں وقوع پذیر ہونے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے

(۱) العقائد الاسلامیۃ۔از: سید سابق۔

(۲) بیان اصول الایمان۔از: عبداللہ بن صالح القصیر۔نیز: الارشاد الیٰ صحیح الاعتقاد۔از: صالح بن فوزان۔

انہیں تحریری شکل میں محفوظ کرلینا' اور پھر تمام اشیاء کا اللہ کے اس پیشگی علم' اس کے ارادے اور مشیت کے مطابق ہی وجود میں آنا۔

''قضاء'' و''قدر'' سے مراد:

''تقدیر'' کیلئے قرآن وسنت نیز اُمہات الکتب میں عموماً ''قضاء'' اور ''قدر'' کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، اور یہ دونوں الفاظ تقریباً ہم معنیٰ ہی ہیں۔

البتہ متعدد اہلِ علم نے ان دونوں میں دقیق سا فرق اس طرح بیان کیا ہے کہ ''قدر'' (یا: ''تقدیر'') سے مراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ازلی وپیشگی علم ہے۔ جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس ازلی وپیشگی علم کے مطابق اس کی طرف سے صادر شدہ اور نافذ کردہ فیصلوں کو ''قضاء'' کہا جاتا ہے۔(۱) واللہ اعلم۔

''تقدیر'' پر ایمان کی اہمیت:

''تقدیر'' پر ایمان ان بنیادی عقائد میں سے ہے کہ جن پر صدقِ دل سے مکمل اور پختہ یقین واعتقاد ضروری ولازمی ہے، اور اسی وجہ سے ان عقائد کو ''ارکانِ ایمان'' کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ''تقدیر'' کا تذکرہ موجود ہے۔ مثلاً ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ﴾ (۲) ترجمہ: (اور ہر چیز اس [اللہ] کے پاس [خاص] اندازے سے ہے)

نیز ارشاد ہے: ﴿وَاِن مِّن شَيْءٍ اِلَّا عِندَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَانُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعلُومٍ﴾ (۳) ترجمہ: (اور جتنی بھی چیزیں ہیں ان سب کے خزانے ہمارے پاس ہیں' اور ہم ہر

(۱) بیان اصول الایمان۔ از: عبداللہ بن صالح القصیر، صفحہ: ۸۲۔

(۲) الرعد [۸] (۳) الحجر [۲۱]

چیز کو اس کے مقررہ اندازے سے ہی اتارتے ہیں)

نیز ارشاد ہے:﴿ اِنّـا کُـلَّ شَیءٍ خَـلَـقـنَـاهُ بِـقَـدَرٍ﴾ (۱) ترجمہ:(بیشک ہم نے ہر چیز کو ایک [مقررہ] اندازے پر پیدا کیا ہے)

نیز ارشاد ہے:﴿وَخَـلَـقَ کُـلَّ شَیءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقدِیراً﴾ (۲) ترجمہ:(اور ہر چیز کو اس [اللہ] نے پیدا کر کے ایک مناسب اندازہ ٹھہرا دیا ہے)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اَلْاِیـمَـانُ اَنْ تُـؤمِـنَ بِـاللّٰهِ وَمَلَائِکَتِهٖ وَ کُتُبِهٖ وَ رُسُـلِهٖ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَ تُؤمِنَ بِالْقَدَرِ خَیْرِهٖ وَ شَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالَیٰ) (۳) ترجمہ:(ایمان [سے مراد] یہ ہے کہ تم ایمان قبول کرو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، قیامت کے دن پر، اور اس بات پر کہ اچھی اور بُری تقدیر اللہ ہی کی طرف سے ہے) یعنی ان مذکورہ باتوں کو درست اور برحق سمجھا جائے اور خلوصِ دل کے ساتھ ان کی مکمل اور قطعی تصدیق کی جائے۔

تقدیر کے درجات ومراتب:

ابتداء میں (صفحہ:۲۵۹ پر) ''تقدیر'' کی جو تعریف بیان کی گئی ہے، اس کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تقدیر کے درجِ ذیل چار درجات ومراتب ہیں:

☆ اول:

اس کائنات کی ہر ہر چیز کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو پیشگی اور ازلی علم ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿أَلَم تَعلَم أَنَّ اللّٰهَ یَعلَمُ مَافِي السَّمَآءِ وَالأَرضِ اِنَّ

(۱) القمر [۴۹] (۲) الفرقان [۲]

(۳) بخاری [۵۰] عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔ نیز: مسلم [۸] عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

ذٰلِكَ فِي كِتَابٍ اِنَّ ذٰلِكَ عَلىٰ اللّٰهِ يَسِيرٌ﴾ (۱) ترجمہ: (کیا آپ نے نہیں جانا کہ آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے، یہ سب لکھی ہوئی کتاب میں محفوظ ہے، اللہ تعالیٰ پر تو یہ امر بالکل آسان ہے)

☆دوم:

زمین وآسمان وتمام کائنات کی تخلیق سے قبل ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ''لوحِ محفوظ'' میں سب کچھ لکھ دیا گیا ہے، جیسا کہ گذشتہ آیت ﴿اِنَّ ذٰلِكَ فِي كِتَابٍ﴾ (۲) میں اس بات کا تذکرہ ہے۔

نیز قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَكُلُّ شَيءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَّكَبِيرٍ مُّستَطَرٌ﴾ (۳) ترجمہ: (جو کچھ انہوں نے [اعمال] کئے ہیں، سب نامۂ اعمال میں لکھے ہوئے ہیں، [اسی طرح] ہر چھوٹی بڑی بات بھی لکھی ہوئی ہے)

نیز ارشاد ہے: ﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الأَرضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُم اِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبلِ أَن نَبرَأَهَا﴾ (۴) ترجمہ: (نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے، نہ خاص تمہاری جانوں میں، مگر اس سے پہلے کہ ہم اسے پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے)

☆سوم:

اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ: یعنی اللہ جو چاہے گا وہی ہوگا، اور جو وہ نہیں چاہے گا وہ نہیں ہوگا، اس کائنات میں چھوٹی بڑی ہر ہر چیز اس کی مرضی اور اس کی مشیت وارادے (یا بالفاظِ دیگر اس کی بنائی ہوئی تقدیر) کے تابع ہے۔

(۱) الحج [۷۰] (۲) الحج [۷۰] (۳) القمر [۵۲-۵۳] (۴) الحدید [۲۲]

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿وَمَاتَشَاؤونَ اِلّاأن یَّشَاءَ اللّٰہُ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیماً حَکِیماً﴾ (۱) ترجمہ:(اورتم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی چاہے، بیشک اللہ تعالیٰ علم والا باحکمت ہے)

نیز ارشاد ہے:﴿وَمَاتَشَاءُ ونَ اِلّاأن یَّشَاءَ اللّٰہُ رَبُّ العَالَمِینَ﴾ (۲) ترجمہ:(اورتم بغیر پروردگارِعالم کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے)

نیز ارشاد ہے:﴿اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَایُرِیدُ﴾ (۳) ترجمہ:(اللہ جوارادہ کرے اسے کرکے رہتا ہے)

☆ چہارم:

صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی تمام کائنات کا خالق ہے ،اوراس کے سوا باقی ہر ہر چیز مخلوق ہے۔جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیءٍ وَّھُوَ عَلیٰ کُلِّ شَیءٍ وَّکِیلٌ﴾(۴) ترجمہ:(اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اوروہی ہر چیز پر نگہبان ہے)

''تقدیر'' کی اقسام:

''تقدیر'' کی مندرجہ ذیل دوقسمیں ہیں:

☆ تقدیر عام:

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اس کائنات کی تخلیق سے قبل ہی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تمام کائنات کی تقدیر ''لوحِ محفوظ'' میں لکھ لی گئی ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اِنَّ أوّلَ مَاخَلَقَ اللّٰہُ القَلَمَ ، فَقَالَ لَہٗ:

(۱) الدہر/الانسان[۳۰] (۲) التکویر[۲۹] (۳) الحج[۱۴] (۴) الزمر[۶۲]

أُكتُب، قَالَ: مَا أكتب؟ قَال: أُكتُب مَا هُوَ كَائِنٌ اِلیٰ يَومِ القِيَامَةِ) (۱)

ترجمہ: (اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا، اور اسے حکم دیا کہ: ''لکھو''۔ اس نے عرض کیا: ''کیا لکھوں؟'' فرمایا: ''وہ سب ہی کچھ لکھو جو قیامت تک ہونے والا ہے'')۔

☆ تقدیرِ مفصل:

اس سے مراد یہ ہے کہ اس کائنات میں ہر ہر چیز کی اپنی ایک جدا اور مستقل تقدیر ہے، جو کہ دراصل اس پہلی قسم یعنی ''تقدیر عام'' سے ہی ماخوذ ہے۔

اس ''تقدیرِ مفصل'' کی پھر مزید اقسام ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے:

(۱) ''تقدیرعمری'':

اس سے مراد یہ ہے کہ ہر انسان پیدائش سے قبل جب شکمِ مادر میں ہوتا ہے تب اللہ کے حکم سے اس میں روح پھونکتے وقت ہی اس کی عمر' رزق' عمل' نیز یہ بات لکھ دی جاتی ہے کہ بالآخر وہ ''شقی'' یعنی بدبخت ہوگا، یا ''سعید'' یعنی نیک بخت ہوگا۔

(۲) ''تقدیرحولی'':

اس سے مراد یہ ہے کہ ''لوحِ محفوظ'' میں لکھی گئی تقدیر میں سے ہر سال ''لیلۃ القدر'' کے موقع پر آئندہ سال بھر کیلئے طے شدہ فیصلے فرشتوں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں، تاکہ وہ ان کے مطابق عملدرآمد اور کارروائی کر سکیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿فِيهَا يُفرَقُ كُلُّ أمرٍ حَكِيمٍ﴾ (۲) ترجمہ: (اسی رات میں ہر ایک مضبوط کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے)

(۱) ابوداؤد [۴۷۰۰] (۲) الدخان [۴]

(۳) ''تقدیرِ یومی'':

اس سے مراد ہر روز پیش آنے والے حالات وواقعات اور حوادث وغیرہ کے بارے میں (تقدیرِ حولی کے مطابق) طے شدہ فیصلے ہیں، ارشادِ ربانی ہے: ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ (۱) ترجمہ: (ہر روز وہ ایک شان میں ہے)

یعنی ہر روز اللہ کے حکم سے اس کائنات میں کوئی نہ کوئی کام جاری ہے، کسی مریض کو تندرست یا تندرست کو مریض، امیر کو فقیر اور فقیر کو امیر بنایا جارہا ہے، کسی کو رفعت وبلندی پر فائز کیا جارہا ہے جبکہ کسی کو پستیوں میں گرایا جارہا ہے، کسی کو ہست سے نیست اور کسی کو نیست سے ہست کیا جارہا ہے، اور اس کائنات میں روزمرہ کے یہ تمام کام اور یہ تصرفات اللہ ہی کی مشیت ومرضی سے ہورہے ہیں۔

''تقدیر'' اور ''توحید''

''تقدیر'' پر ایمان اور ''توحید'' پر ایمان باہم لازم وملزوم ہیں، کیونکہ تقدیر پر ایمان دراصل توحید پر ایمان ہی کا حصہ ہے، یا یوں سمجھ لیا جائے کہ اس کا لازمی ثمرہ ونتیجہ ہے۔

اس کی تفصیل یوں سمجھ لینی چاہئے کہ جو شخص تمام فطری وبشری کمزوریوں کے باوجود محنت ومشقت اور جدوجہد کر کے نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج ودیگر تمام جسمانی ومالی عبادات انجام دیتا ہے، نیز تمام منکرات اور غیر شرعی امور سے اجتناب کی کوشش کرتا ہے، اس کا یہ عمل اور سعی وکوشش اور اس راہ میں مختلف قسم کی تکالیف برداشت کرنا، مثلاً نماز میں جسمانی محنت ومشقت، نیز آرام وراحت کی قربانی، حج میں جسمانی مشقت، نیز روپے پیسے کی قربانی،

(۱) الرحمٰن [۲۹]

روزے میں بھوک اور پیاس کی تکلیف' نیز بہت سی خواہشات سے پرہیز کی مشقت' اور زکوٰۃ میں مالی قربانی وغیرہ......اس کی یہ تمامتر محنت وکوشش یقیناً صرف اس لئے ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے اس ''تقدیر'' اوراس فیصلے کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کرتا ہے کہ اللہ نے توانسان کو پیدا ہی صرف اسی مقصد کیلئے کیا ہے کہ انسان ہر قسم کے شرک سے دامن بچاتے ہوئے صرف اللہ وحدہ لاشرک لہ کی عبادت کیا کرے' ہمیشہ اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کرے اوراس کی نافرمانی سے بچا کرے، یعنی انسان کا مقصدِ تخلیق ہی یہی ہے۔اوراسی عقیدہ اورسوچ کا نام ''توحیدالوہیت'' یا ''توحیدعبادت'' ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیلٌ﴾ (۱) ترجمہ:(اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہےاوروہی ہر چیز پرنگہبان ہے)

نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسماء وصفات میں: الخَالِق (پیدا کرنے والا) الرّازِق (رزق دینے والا) المُحیِي (زندہ کرنے والا) المُمِیت (مارنے والا) الخَافِض (گرانے والا) الرّافِع (بلندی دینے والا) المُعِزّ (عزت دینے والا) المُذِلّ (ذلت ورسوائی دینے والا) وغیرہ شامل ہیں۔

مثلاً قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿ھُوَ الَّذِي یُحیِي وَیُمِیتُ﴾ (۲) ترجمہ:(وہی ہے جو جلاتا ہےاور مارڈالتا ہے)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِکَ المُلکِ تُؤتِي المُلکَ مَن تَشَآءُ وَتَنزِعُ المُلکَ مِمَّن تَشَآءُ وَتُعِزُّمَن تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَآءُ بِیَدِکَ الخَیرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیرٌ﴾ (۳) ترجمہ:(آپ کہہ دیجئے کہ اے اللہ! اے تمام جہان کے مالک! تو

(۱) الزمر[۶۲] (۲) المؤمن رغافر[۶۸] (۳) آل عمران[۲۶]

جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے' تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں' بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے)

نیز ارشاد ہے:﴿اَللّٰہُ یَبسُطُ الرِّزقَ لِمَن یَّشَآءُ وَیقدِرُ﴾ (۱) ترجمہ:(اللہ تعالیٰ جس کی روزی چاہتا ہے بڑھاتا ہے اور گھٹاتا ہے)

لہٰذا جو کوئی ''توحید ربوبیت'' پر ایمان رکھتا ہو' یعنی اللہ ہی کو اپنا اور تمام جہاں کا رب' خالق و مالک اور رازق تسلیم کرتا ہو، نیز ''توحید اسماء وصفات'' پر ایمان رکھتا ہو' یعنی اس بات پر صدقِ دل سے پختہ یقین و ایمان رکھتا ہو کہ زندگی اور موت' عزت و ذلت' خوشی اور غم' خوشحالی و تنگدستی' نیز ہر قسم کا نفع یا نقصان' سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے، ایسا شخص جب کبھی خود ان حالات و کیفیات سے دوچار ہوگا تو اپنی ہر کیفیت کو وہ اللہ ہی کی بنائی ہوئی ''تقدیر'' اور اس کا فیصلہ سمجھ کر قبول کرے گا اور خالق و مالک کی مشیت و مرضی کے سامنے سرِ تسلیم خم کردے گا، اور اسی عقیدہ اور سوچ کا نام ہے ''تقدیر پر ایمان''۔

''تقدیر'' اور ''انسان کی جدوجہد''

انسان کے دل میں بعض اوقات یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ جب تقدیر تو پہلے ہی لکھی جا چکی ہے تو اب محنت ومشقت کی کیا ضرورت ہے......؟ اور پھر اسی سوچ کی وجہ سے بہت سے لوگ محنت اور کام کاج سے جی چرانے لگتے ہیں اور راہِ فرار اختیار کرتے ہیں۔ اسی طرح بہت سے لوگ اپنی اسی غلط سوچ کو بہانہ بنا کر اللہ پر توکل کا دعویٰ کرتے ہیں اور محنت ومشقت سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں کہ بس ہمیں اللہ پر توکل ہے' لہٰذا اب کام کاج یا محنت و

(۱) الرعد[۲۶]

مشقت کی قطعاً کوئی ضرورت ہی نہیں۔

یہ اندازِ فکر اور یہ زاویۂ نگاہ اسلامی تعلیمات کی رو سے یکسر غلط اور نا قابلِ قبول ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسم ''الحکیم'' یعنی ''حکمت والا'' بھی ہے، لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کوئی حکم یا فیصلہ حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کسی حکمت و مصلحت کی بناء پر ہی تمام ''مسبّبات'' کو ''اسباب'' پر موقوف فرما دیا ہے، یعنی کسی بھی مقصد کے حصول کیلئے اللہ پر مکمل توکل اور اس سے دعاء کے ساتھ ساتھ ہر اس ظاہری سبب کو اختیار کرنا بھی شرعاً ضروری ولازمی ہے جو اس مقصد کیلئے مفید اور معاون ہو۔ مثلاً کسان اگر غلہ اگانا چاہتا ہے یا عمدہ فصل حاصل کرنا چاہتا ہے تو پہلے زمین میں بیج تو ڈالے' اس کے بعد اچھی فصل کی توقع کرے، اگر کسی کو اولاد کی تمنا ہے تو پہلے شادی تو کرے اس کے بعد اولاد کی امید رکھے، اسی طرح مثلاً یہ کہ جہنم سے نجات اور جنت میں داخلہ تو یقیناً اللہ کی مشیت و مرضی اور اس کے فضل واحسان سے ہی نصیب ہوگا' لیکن اس مقصد کیلئے ظاہری اسباب کا اختیار کرنا مثلاً اعمالِ صالحہ کا اہتمام اور تمام منکرات وسیئات سے اجتناب بھی ضروری ہے۔ لہٰذا اگر کوئی جنت کا طلبگار ہے تو اس کیلئے تمام ظاہری اسباب کو اختیار کرنا ضروری ہے، یعنی اس مقصد کیلئے عقیدہ وایمان کی درستی' اعمالِ صالحہ کا اہتمام والتزام' نیز تمام فاسد و باطل عقائد اور معاصی ومنکرات سے مکمل اجتناب ضروری ہے۔ اپنی طرف سے اس کوشش وجدوجہد کے ساتھ ساتھ اللہ سے دعاء اور توبہ واستغفار کا سلسلہ بھی جاری رکھے' اور اس کے بعد اپنے مقصد (یعنی جنت میں داخلہ اور جہنم سے حفاظت ونجات) کے حصول اور خواہش کی امید رکھے۔

ورنہ یہ کہ اگر نہ تو اصلاحِ عقیدہ وعمل کی فکر ہو' نہ ہی اس سلسلے میں کوئی کوشش وجدوجہد ہو، اور

انسان محض جھوٹی اور موہوم امیدوں پر تکیہ کئے بیٹھا رہے، اور یوں فقط بیٹھے بٹھائے ہی جنت کی آرزو کرتا رہے...... یہ چیز یقیناً اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف اور منافی ہے، کسی کا شعر ہے:

ترجو النّجاة ولم تَسلُك مَسالِكها   انّ السّفينة لا تجري علىٰ اليَبَسِ

یعنی تم نجات کی امید لگائے بیٹھے ہو حالانکہ نجات کے راستے پر تو تم چلتے ہی نہیں، خشکی پر رکھی ہوئی کشتی تو کبھی تیر نہیں سکتی۔ لہٰذا اگر دریا کے اس پار جانے کی خواہش ہے تو پہلے کشتی کو خشکی سے اٹھا کر پانی میں ڈالا جائے اور اس کے بعد یہ امید کی جائے کہ یہ کشتی اب ہمیں اُس پار پہنچا دے گی۔ جس شہر کی طرف جانے کی خواہش ہے پہلے اس شہر تک پہنچانے والا راستہ اختیار کیا جائے، وہاں تک پہنچانے والی سواری پکڑی جائے اور اس کے بعد وہاں پہنچنے کی توقع کی جائے...... اسی طرح اگر آخرت میں فلاح ونجات کی آرزو ہے تو پہلے نجات کا راستہ تو اختیار کیا جائے اس کے بعد نجات کی امید قائم کی جائے۔

اسی طرح مثلاً جو پریشانی نصیب میں لکھی ہوئی ہے وہ تو آ کر ہی رہیگی، لیکن اپنی طرف سے ہر ممکن احتیاطی تدبیر کا اہتمام شرعاً ضروری ہے۔ نصیب میں لکھی ہوئی بیماری تو ضرور آئیگی، مگر احتیاطی تدابیر نیز ہر ممکن علاج ودیگر تمام ظاہری اسباب اور وسائل وذرائع کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ ہر انسان کا رزق اگرچہ مقرر ہے، لیکن اس کے حصول کیلئے کوشش، محنت ومشقت، عملِ پیہم، اور جہدِ مسلسل ضروری ہے، بلکہ حرام سے بچنے اور حلال روزی کمانے کیلئے جد وجہد تو بہت ہی افضل اور پسندیدہ ترین عمل ہے۔ اسی طرح ہر انسان کی زندگی

اگرچہ مقرر ومحدود ہے، مگر اس کے باوجود اس کیلئے ضروری ہے کہ اپنی زندگی کی حفاظت اور عافیت وسلامتی، نیز بربادی وہلاکت سے بچنے کیلئے ہر ممکن کوشش کرے، اور اس مقصد کیلئے شرعی تعلیمات کے مطابق ہر جائز وممکن تدبیر اختیار کرے، نیز والدین اور عزیز واقارب کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کا خوب اہتمام کرے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق یہ عمل درازئ عمر نیز رزق میں وسعت وفراخی کیلئے انتہائی اہم اور مفید ترین ذریعہ اور وسیلہ ہے۔(۱)

لہٰذا یہ بات ہمیشہ ذہن میں رہنی چاہئے کہ اسباب کو اختیار کرنا تقدیر پر ایمان کے منافی ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس اسلامی تعلیم یہی ہے کہ ''تقدیر'' پر مستحکم ایمان اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر مکمل توکل واعتماد کے ساتھ ساتھ بندے کیلئے ''اسباب'' کو اختیار کرنا، محنت وکوشش، جدوجہد، مسلسل عمل، اور فکر وجستجو شرعاً ضروری ولازمی ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَقُلِ اعمَلُوا فَسَيَرَىٰ اللّٰهُ عَمَلَكُمْ﴾ (۲)

ترجمہ: (کہہ دیجئے کہ تم عمل کئے جاؤ، تمہارے عمل اللہ خود دیکھ لے گا)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اِحرِص عَلىٰ مَايَنفَعُكَ وَاستَعِن بِاللّٰهِ وَلَا تَعجِز، فَإِن أَصَابَكَ شَيءٌ فَلَا تَقُل: لَو أَنِّي فَعَلتُ كَذا لَكَانَ كَذا، وَلٰكِن قُل: قَدَّرَ اللّٰهُ وَمَا شَاءَ فَعَل) (۳) ترجمہ: (ہر وہ چیز جو تمہارے لئے نافع ومفید ہو اس کی فکر وجستجو کرو، اللہ سے مدد طلب کرو، اور عاجز وبے بس بن کر بیٹھے نہ رہو، اگر تمہیں کوئی

(۱) (مَن سَرَّهُ أن يُبسَطَ لَهُ فِي رِزقِهِ وَأن يُنسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَليَصِل رَحِمَهُ)[البخاري:۵۶۳۹][مسلم:۲۵۵۷] أبوداود:۱۶۹۳] یعنی: (''جس کسی کی یہ خواہش ہو کہ اس کے رزق میں وسعت وکشادگی اور عمر میں درازی ہو اسے چاہئے کہ خوب صلہ رحمی کیا کرے'')

(۲) التوبۃ [۱۰۵] (۳) مسلم [۲۶۶۴] عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔

[ناپسندیدہ] چیز پہنچے تو یوں نہ کہو: ''اگر میں یوں کر لیتا تو یوں ہو جاتا'' بلکہ یوں کہو: ''اللہ نے جو چاہا مقدر فرمایا اور اس نے جو چاہا وہی کیا'') (۱)

یعنی انسان اللہ پر توکل و اعتماد اور اس سے استعانت کا راستہ اپنائے رکھے، اور اس کے ساتھ ہی عمل، محنت و کوشش و دیگر تمام ظاہری اسباب و وسائل کو اختیار کرنے کی فکر و جستجو بھی کرے۔

رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر خالص و صادق مؤمن اور متوکل علی اللہ کون ہو سکتا ہے؟ مگر اس کے باوجود سب ہی جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نے خود بھی ہمیشہ ظاہری اسباب کو اختیار فرمایا نیز اپنے اصحاب کو بھی اسی کی تاکید و تلقین فرمائی، چنانچہ آپؐ نے غزوات کے موقع پر ہمیشہ ہر ممکن جنگی تدبیر اختیار فرمائی، آپؐ کی ہدایت اور آپؐ کے حکم پر ہی سامانِ حرب جو میسر ہو سکتا تھا اسے حاصل کرنے کی غرض سے تمام ممکن وسائل اختیار کئے گئے، اپنے دفاع کی غرض سے ہر ممکن حفاظتی تدبیر اختیار کی گئی، غزوۂ خندق کے موقع پر اسی نقطۂ نظر کے تحت خندق کھودی گئی، جنگ کے موقع پر حفاظتی تدبیر کے طور پر ہی آپؐ نے ہمیشہ مخصوص

(۱) یعنی انسان غور و فکر کے بعد جس چیز کو اپنے لئے مفید سمجھتا ہو اسے چاہئے کہ اللہ پر توکل و اعتماد کرتے ہوئے اس چیز کے حصول کیلئے اپنی حیثیت اور وسائل کے مطابق ہر ممکن کوشش اور جد و جہد کرے، اس کے بعد نتیجہ اللہ پر چھوڑ دے، اگر حسبِ منشاء نتیجہ برآمد ہو تو اللہ کا شکر ادا کرے، بصورتِ دیگر تقدیر کے خلاف شکوہ و شکایت نہ کرے، اور یوں نہ کہے کہ: ''اگر میں یوں کر لیتا تو شاید یوں ہو جاتا''۔ اس ''اگر مگر'' سے بچے اور یوں کہے کہ: ''اللہ نے جو چاہا وہ ہو گیا''۔ یعنی اللہ کی مرضی، اس کی بنائی ہوئی تقدیر اور اس کے فیصلے کو دل و جان سے قبول کرے اور یہ عقیدہ و ایمان رکھے کہ یقیناً اسی میں میرے لئے کوئی بہتری ہو گی۔

''لو'' یعنی ''اگر مگر'' سے بچنے کے بارے میں مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: فتح المجید شرح کتاب التوحید [باب ما جاء فی ''اللَّو''] از: عبدالرحمٰن بن حسن آل الشیخ۔ از مطبوعات: الرئاسة العامة لادارات البحوث العلمية والافتاء والدعوة والارشاد بالمملكة العربية السعودية (۱۴۱۱ھ)۔

جنگی لباس زیب تن فرمایا، آپ ﷺ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے تمام دنیا والوں کیلئے رہبر و رہنما بنا کر بھیجا گیا تھا، مگر اس کے باوجود سفرِ ہجرت کے موقع پر آپؐ نے ایک رہبر کی خدمات حاصل کیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی بخوبی سب ہی کے علم میں ہے کہ آپؐ نے معاش اور روزگار کے معاملہ میں بھی ہمیشہ ظاہری اسباب کو اختیار فرمایا، مختلف تجارتی سفر بھی کئے، صحابہ کرام کو بھی اس سلسلہ میں محنت ومشقت اور جاں فشانی سے کام لینے کی تاکید وتلقین فرمائی۔(۱)

لہٰذا اسلامی تعلیمات کی رو سے تمام ظاہری اسباب کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ البتہ توکل واعتماد ان ظاہری اسباب پر نہو' بلکہ صرف اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر ہو جو کہ ''مسبب الاسباب'' ہے، یعنی جس کے قبضے میں یہ تمام ظاہری اسباب ہیں، ان تمام ظاہری اسباب میں تاثیر بھی اللہ ہی کے حکم اور اس کی مشیت ومرضی سے پیدا ہوگی، اللہ کو اگر منظور ہوگا تب ہی یہ ظاہری اسباب ووسائل اپنا اثر دکھا سکیں گے اور نافع ومفید ثابت ہو سکیں گے، ورنہ تمام اسباب دھرے کے دھرے رہ جائیں گے، کیونکہ درحقیقت ''سبب ساز'' بھی فقط وہی ہے اور ''سبب سوز'' بھی وہی ہے۔ لہٰذا یہی عقیدہ وایمان ہونا چاہئے کہ بہر حال وہی ہوگا جو اللہ کو منظور ہوگا، ظاہری اسباب تو محض اس لئے اختیار کئے جاتے ہیں کہ دینِ اسلام کا حکم اور تعلیم یہی ہے۔ اور پھر اس کے بعد نتیجہ جو بھی ظاہر ہوا سے اللہ کی بنائی ہوئی ''تقدیر'' اور

(۱)(وقد ظنّ بعض النّاس أنّ التوكّل ينافي الاكتساب وتعاطي الأسباب، وأنّ الأموراذاكانت مقدّرة فلا حاجة الىٰ الأسباب! وهذا فاسد...... وقدكان النّبيّ ﷺ أفضل المتوكّلين ،يلبس لامةَ الحرب ،ويمشي في الأسواق للاكتساب......)

ملاحظہ ہو: ''شرح الطحاویۃ''[صفحہ: ۲۴۵] از مطبوعات: الرئاسۃ العامۃ لادارات البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد بالمملکۃ العربیۃ السعودیۃ (۱۴۱۳ھ)

اس کا ''فیصلہ'' سمجھ کر قبول کرے اور اس پر راضی ہو جائے۔

''تقدیر'' اور ''انسان کے اعمال'':

اس کائنات میں ہر ہر چیز کا خالق صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے، تمام انسانوں کا خالق بھی وہی ہے، بلکہ انسانوں سے صادر ہونے والے تمامتر افعال واعمال کا خالق بھی وہی اللہ ہی ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُم وَمَا تَعمَلُونَ﴾ (۲) ترجمہ: (اللہ نے ہی تمہیں اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو اسے پیدا کیا ہے)

☆ ''تقدیر'' کے بارے میں ایک شبہہ اور اس کا جواب:

اکثر وبیشتر یہ سوال سننے میں آتا ہے کہ جب بندوں کے اعمال کا خالق بھی خود اللہ ہی ہے اور انسان ہر اچھا یا برا عمل اللہ کی مرضی اور اس کے ارادے سے ہی انجام دیتا ہے تو پھر کسی جرم یا گناہ کے مرتکب انسان کیلئے عذاب اور سزا کا کیا جواز ہے؟ کیونکہ اس نے تو وہی کام کیا ہے جو اس کے نصیب میں لکھا ہوا تھا، اور نصیب سے فرار کسی کیلئے ممکن ہی نہیں، لہٰذا وہ تو اس گناہ کے ارتکاب پر مجبور تھا، اور جب وہ مجبور تھا تو پھر اس کیلئے سزا اور عذاب کس لئے ہے......؟

اس شبہہ یا اشکال کے جواب میں درجِ ذیل تفصیل ملاحظہ ہو:

☆ پہلی بات یہ کہ:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو قوتِ ارادی اور قوتِ فیصلہ عطاء فرمائی، خیر اور شر میں تمیز اور

(۱) الصافات [۹٦]

تفریق کے شعور سے نوازا، اور پھر اسے مکمل قدرت وخودمختاری عطاء فرمائی تا کہ وہ مکمل آزادی، اپنی مرضی وخواہش اور اپنے ارادے کے مطابق خیر اور شر میں سے جو راستہ چاہے اختیار کرلے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ﴾ (۱) ترجمہ: (اور ہم نے دکھا دیئے اسے دونوں راستے)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ اِمَّا شَاكِراً وَّاِمَّا كَفُوراً﴾ (۲) ترجمہ: (ہم نے اسے راہ دکھائی، اب خواہ وہ شکر گذار بنے خواہ ناشکرا)

نیز ارشاد ہے: ﴿وَقُلِ الحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَن شَآءَ فَلْيُؤْمِن وَّمَن شَآءَ فَلْيَكفُرْ﴾ (۳) ترجمہ: (اور کہہ دیجئے کہ یہ سراسر برحق قرآن تمہارے رب کی طرف سے ہے، اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿مَن عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفسِهٖ وَمَن أَسَآءَ فَعَلَيهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلعَبِيدِ﴾ (۴)

ترجمہ: (جو شخص نیک کام کرے گا وہ اپنے نفع کیلئے، اور جو برا کام کرے گا اس کا وبال بھی اسی پر ہے، اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں)

نیز ارشاد ہے: ﴿لِيَجزِيَ الَّذِينَ أَسَآؤوا بِمَاعَمِلُوا وَيَجزِيَ الَّذِينَ أَحسَنُوا بِالحُسنىٰ﴾ (۵) ترجمہ: (تا کہ [اللہ تعالیٰ] برے عمل کرنے والوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے اور نیک کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ عنایت فرمائے)

---

(۱) البلد [۱۰] (۲) الدہر/الانسان [۳] (۳) الکہف [۲۹] (۴) حٰم السجدۃ [۴۶]
(۵) النجم [۳۱]

نیز ارشاد ہے: ﴿اَلَّذِي خَلَقَ المَوتَ وَالحَيَاةَ لِيَبلُوَكُم أَيُّكُم أَحسَنُ عَمَلاً﴾ (۱) ترجمہ: (جس نے موت اور حیات کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ انسان آزاد و خودمختار ہے، کیونکہ اگر وہ مجبورِ محض اور مطلقاً مسلوب الارادہ ہوتا تو پھر اللہ کی طرف سے اس کی آزمائش کی کیا ضرورت تھی......؟

لہٰذا ہر انسان اپنے لئے خیر یا شر کا راستہ منتخب کرنے اور اچھے یا برے اعمال انجام دینے میں مکمل آزاد اور خودمختار ہے۔

☆...... البتہ چونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بندوں کا خالق ہے، اور بندے اچھے یا برے اعمال انجام دینے کے بارے میں اللہ ہی کے دیئے ہوئے دل ودماغ کے ذریعہ اس بارے میں غور وفکر کرتے ہیں' اور اللہ ہی کی عطاء کردہ قوتِ ارادی کے ذریعہ خیر یا شر کا ارادہ کرتے ہیں' اور پھر بالآخر اللہ ہی کے بنائے ہوئے ہاتھ پاؤں یا دیگر اعضاء کے ذریعہ اپنا وہ اچھا یا برا عمل انجام دیتے ہیں، یعنی چونکہ اللہ اس سبب (یعنی انسان کی قوتِ فکر' قوتِ فیصلہ' نیز اس کے اعضاء وغیرہ) کا خالق ہے جس کے ذریعہ وہ مسبَّب (یعنی انسان کا عمل) وجود میں آیا، لہٰذا گویا محض اس معنیٰ میں اس مسبَّب یعنی انسان کے اعمال کا خالق بھی اللہ ہی ہے۔(۲)

☆ <u>دوسری بات یہ کہ:</u>

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَخفىٰ عَلَيهِ شَيءٌ فِي الأَرضِ وَلَا فِي

(۱) الملک [۲]

(۲) ملاحظہ ہو: شرح العقیدۃ الواسطیۃ۔ از: ابن عثیمین۔ نیز: بیان اصول الایمان۔ از: عبداللہ بن صالح القصیر۔

السَّمَآءِ﴾(۱) ترجمہ:(یقیناً اللہ تعالیٰ پر زمین وآسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں)
اسی طرح ارشاد ہے:﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيءٍ عَلِيماً﴾ (۲) ترجمہ:(اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا[بخوبی] جاننے والا ہے)
اسی طرح ارشاد ہے:﴿اَللّٰهُ الَّذي خَلَقَ سَبعَ سَمٰوَاتٍ وَّمِنَ الأرضِ مِثلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الأمرُ بَينَهُنَّ لِتَعلَمُوا أنَّ اللّٰهَ عَلىٰ كُلِّ شَيءٍ قَدِيرٌ وَّأنَّ اللّٰهَ قَد أحَاطَ بِكُلِّ شَيءٍ عِلماً﴾ (۳) ترجمہ:(اللہ ہی ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل زمینیں بھی،اس کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے' تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو بہ اعتبار علم گھیر رکھا ہے)
یعنی اس تمام کائنات کے وجود میں آنے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ کو ہر ہر چیز کا علم تھا،کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت کاملہ ہے،نیز اس کا علم ازلی ہے اور کامل ہے،لہٰذا اس کے علم سے باہر کوئی چیز نہیں ہے،زمین وآسمان میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اس سے پوشیدہ ہو،لہٰذا بندوں کے تمام اعمال کے بارے میں بھی اللہ کو پیشگی علم ہے،ہر ہر انسان آج تک جو کچھ کر چکا ہے' اور جو کچھ وہ اس وقت کر رہا ہے' نیز جو کچھ وہ آئندہ کرنے والا ہے' وہ سب اللہ کو معلوم ہے' غرضیکہ ہر ہر انسان کے ہر ہر عمل کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو مکمل علم ہے،اور اسی چیز کا نام ہے''اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ازلی[یا پیشگی]علم''۔
☆......البتہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس ازلی اور پیشگی علم کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ نے انسان کو اچھے یا برے کام پر مجبور کر دیا ہے اور یہ کہ بندہ بیچارہ تو بس مجبورِ محض اور قطعی بے بس ہے۔کیونکہ کسی شخص کے بارے میں کسی بات کا محض پیشگی علم الگ چیز ہے،جبکہ اسے

(۱) آل عمران[۵] (۲) الاحزاب[۴۰] (۳) الطلاق[۱۲]

اس بات پر مجبور کر دینا بالکل الگ چیز ہے۔

فرض کیجئے کہ کسی ڈاکٹر نے کسی مریض کا معائنہ کیا' معائنے کے بعد ڈاکٹر کے علم اور تجربہ کی روشنی میں اس پر یہ بات ظاہر و منکشف ہوگئی کہ اب اس شخص کا بچنا محال ہے اور اب یہ بس دو چار دن کا ہی مہمان ہے، اور اس کے بعد واقعۃً وہ مریض چل بسا، تو ایسی صورتِ حال میں ہرگز یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ ڈاکٹر اس مریض کا قاتل ہے، یا یہ کہ اس ڈاکٹر نے اسے مرنے پر مجبور کر دیا۔

بعینہٖ اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو بندے کے اچھے یا برے ہر عمل کے بارے میں ازلی اور پیشگی علم تو یقیناً ہے' لیکن اللہ نے کسی کو کسی بھی اچھے یا برے عمل پر مجبور ہرگز نہیں کیا، بلکہ اس کے برعکس انسان کو عقل وشعور کی نعمت سے نوازا، فہم وبصیرت عطاء فرمائی، قوتِ ارادہ اور قوتِ فیصلہ عطاء فرمائی، خیر وشر میں فرق اور تمیز کی طاقت اسے دی، اچھائی اور برائی کو دیکھنے اور پھر اسے پرکھنے اور جانچنے' اور اس کے بعد ان دونوں راستوں میں سے کسی ایک کو اپنا لینے اور دوسرے سے کنارہ کشی واجتناب کیلئے اسے فہم وفراست اور بصیرت وبصارت عطاء فرمائی، اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ دنیا وآخرت میں اس کی ہدایت وسعادت کیلئے آسمانی کتابیں نازل فرمائیں، انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، بار بار ترغیب وترہیب کے ذریعے راستی ونیکی کو اپنانے اور خرابی وبدی سے باز رہنے کی تاکید وتلقین فرمائی، جنت اور وہاں کی ابدی نعمتوں کے حصول کا شوق دلایا، جبکہ جہنم اور اس کے عذاب سے ڈرایا، اور اس کے بعد اسے امتحان وآزمائش کیلئے چھوڑ دیا کہ وہ اب خود اپنی مرضی وخواہش سے دونوں راستوں میں سے کس کا انتخاب کرتا ہے۔

اب اگر کوئی شخص کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہے اور عذر یہ پیش کرتا ہے کہ وہ مجبور تھا' کیونکہ یہ

برائی تو اس کے نصیب میں لکھی ہوئی تھی' یا فرض کیجئے کہ کوئی شخص چوری کرنے جارہا ہے اور جواز یہ پیش کرتا ہے کہ کیا کروں بس میں تو مجبور ولاچار ہوں' کیونکہ یہ چوری تو میرے نصیب میں ہی لکھی ہوئی ہے' لہٰذا میں تو نصیب کے سامنے بے بس ہوں ...... ایسے بے ہودہ انسان سے کوئی یہ پوچھے کہ تمہیں یہ بات کس طرح معلوم ہوگئی کہ یہ حرکت تمہارے نصیب میں لکھی ہوئی ہے؟ کیا تم نے اللہ کے پاس موجود ''لوحِ محفوظ'' (یعنی تقدیر کی کتاب) میں خود جھانک کر دیکھا ہے؟ جس کی وجہ سے یہ بات تم پر ظاہر و منکشف ہوگئی کہ تمہاری تقدیر میں کیا کیا لکھا ہوا ہے......؟

اور اگر برائی کا مرتکب انسان بالفرض اس برائی پر مجبور ہے تو پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے بندے کیلئے امتحان و آزمائش کا کیا مقصد ہوا؟ جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ﴿لِيَبلُوَكُم أَيُّكُم أَحسَنُ عَمَلاً﴾ (۱) یعنی: ''تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے'' جبکہ اگر انسان مجبور و بے بس ہو تو پھر یہ آزمائش کیسی......؟ جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے:

ألقاهُ في اليَمّ مَكتوفاً ثمّ قال لهُ   ايّاكَ ايّاكَ أن تَبتَلّ بالمَاءِ

یعنی اگر کسی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے دریا میں پھینک دیا جائے اور پھر اوپر سے یہ حکم بھی دیا جائے کہ: ''خبردار جو تم پانی میں بھیگے......'' مقصد یہ کہ یہ تو بالکل ہی نامعقول اور قطعاً ناقابلِ قبول بات ہے۔

اور اگر انسان مجبورِ محض اور مطلقاً مسلوب الارادہ ہوتا تو پھر مؤمن وکافر' اطاعت گذار اور نافرمان' نیکوکار اور بدکاران سب میں کیا فرق باقی رہ جاتا؟ کیونکہ اچھے کام کرنے والا

(۱) الملک [۲]

بھی (ان اچھے اعمال کی انجام دہی پر) مجبور ولاچار ہوتا، اور برائی کا مرتکب بھی (برائی کے ارتکاب پر) مجبور و بےبس ہوتا تو پھر یہ کیسا امتحان ؟ اور کیسی یہ جزاوسزا......؟ اور پھر یہ کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت' ایمان اور خیر کی طرف دعوت' نیز ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کا کیا فائدہ ہوتا اور اس کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی......؟

بلکہ یہ تو کفار ومشرکین کا شیوہ ہے کہ قیامت کے روز وہ اپنے کفر اور دیگر خرابیوں کا تمامتر الزام خود اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی تقدیر پر ڈال دیں گے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿سَیَقُولُ الَّذِینَ أشرَکُوا لَوشَآءَ اللّٰهُ مَاأشرَکنَا......﴾ (۱) ترجمہ: (یہ مشرکین یوں کہیں گے کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ہم شرک نہ کرتے ......) (۲)

☆ ......اور پھر یہاں یہ بات بھی تو قابلِ ذکر ہے کہ قرآن کریم میں جابجا اہلِ جنت کے جنت میں نیز اہلِ جہنم کے جہنم میں داخلہ کا سبب خود ان کے اپنے ہی اعمال کو قرار دیا گیا ہے، بالفاظِ دیگر انسان کے اچھے یا برے تمام اعمال کی نسبت خود اس انسان ہی کی طرف کی گئی ہے۔

مثلاً قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَنُودُوا أن تِلکُمُ الجَنَّةُ اُورِثتُمُوهَا بِمَا کُنتُم تَعمَلُونَ﴾ (۳) ترجمہ: (اور ان سے پکار کر کہا جائے گا کہ اس جنت کے تم وارث بنائے گئے ہو اپنے اعمال کے بدلے)

نیز ارشاد ہے: ﴿سَلَامٌ عَلَیکُم اُدخُلُوا الجَنَّةَ بِمَا کُنتُم تَعمَلُونَ﴾ (۴)

(۱) الانعام [۱۴۸]

(۲) اس بارے میں مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: ''العقائد الاسلامیۃ'' [صفحہ: ۱۰۱-۱۰۴] از: سید سابق۔

(۳) الاعراف [۴۳] (۴) النحل [۳۲]

ترجمہ:(تمہارے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے، جاؤ جنت میں اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے)

نیز ارشاد ہے:﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئاً بِّمَا كُنتُم تَعْمَلُونَ﴾ (۱) ترجمہ:(تم مزے سے کھاتے پیتے رہو ان اعمال کے بدلے جو تم کیا کرتے تھے)

نیز ارشاد ہے:﴿هذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنتُم تُوعَدُونَ اِصلَوهَا اليَومَ بِمَاكُنتُم تَكفُرُونَ﴾ (۲) ترجمہ:(یہی جہنم ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا، اپنے کفر کا بدلہ پانے کیلئے آج اس میں داخل ہو جاؤ)

نیز ارشاد ہے:﴿كُلُّ امْرِئٍ بِّمَا كَسَب رَهِينٌ﴾ (۳) ترجمہ:(ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا گروی ہے)

نیز ارشاد ہے:﴿لَهَا مَاكَسَبَتْ وَ عَلَيهَا مَا اكتَسَبَتْ﴾ (۴) ترجمہ:(جو نیکی وہ کرے وہ اس کیلئے، اور جو برائی وہ کرے وہ اس پر ہے)

☆......تقدیر کے معاملہ میں انسان کے ''مجبور'' یا ''با اختیار'' ہونے کے سلسلہ میں مزید وضاحت کیلئے یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ انسان کے کچھ معاملات ایسے ہیں جن کا تعلق ''تکوینی'' امور سے ہے، مثلاً انسان کا خوش شکل یا بد شکل ہونا، مرد یا عورت ہونا، دراز قد یا پستہ قد ہونا، ایسے تمام امور میں انسان یقیناً مجبورِ محض ہے۔

جبکہ دیگر کچھ امور ایسے ہیں جن کا تعلق ''تکوینی امور'' سے نہیں، بلکہ اس کے اپنے عمل یا ''کسب'' سے ہے، مثلاً نیک یا بد ہونا، خوش اخلاق یا بد اخلاق ہونا، ایسے امور میں انسان با اختیار اور خود مختار ہے۔

(۱) الطّور [۱۹] (۲) یٰس [۶۳-۶۴] (۳) الطّور [۲۱] (۴) البقرۃ [۲۸۶]

لہٰذا خوش شکل یا بدشکل ہونے کے معاملہ میں تو انسان یقیناً مجبورِ محض ہے، لیکن خوش عمل یا بدعمل، اسی طرح باکردار یا بدکردار ہونے کے معاملہ میں وہ مجبورِ محض نہیں، بلکہ خودمختار و بااختیار ہے۔

☆......اسی ضمن میں مزید تفصیل وتوضیح کے طور پر یہاں یہ تذکرہ بھی مناسب رہیگا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مشیت اور ارادے کی درحقیقت دو قسمیں ہیں۔اس بارے میں درجِ ذیل تفصیل ملاحظہ ہو:

’’اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مشیت وارادہ‘‘:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مشیت ومرضی یا اس کے ارادے کی درجِ ذیل دو قسمیں ہیں:

(۱)ارادہ کونیہ:

اس سے مراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا وہ ارادہ ومشیت ہے جس کا تعلق ’’کون‘‘ یعنی اس کائنات سے ہو، زمین وآسمان اور ان دونوں کے مابین جمادات، نباتات، حیوانات وغیرہ، غرضیکہ جو کچھ بھی اس کائنات میں موجود ہے، اس سے متعلق قدرت کی کوئی کارروائی۔مثلاً بارش برسانا، یا اس کے برعکس قحط اور خشک سالی، سردی یا گرمی ودیگر موسمی تبدیلیاں، طوفان، سیلاب زلزلہ ودیگر قدرتی مصائب وآفات، نیز انسان سمیت تمام مخلوقات کیلئے ’’تکوینی امور‘‘ مثلاً: زندگی اور موت کا معاملہ، راحت یا زحمت کا کوئی سامان، کسی کا خوش شکل اور خوبصورت ہونا، یا اس کے برعکس بدصورت ہونا، کسی کا صاحبِ اولاد ہونا، اور کسی کا بے اولاد ہونا، اسی طرح عمر یا رزق کی کمی بیشی، صحت وتندرستی یا بیماری وبے چارگی، خوشحالی وفراوانی، یا مفلسی وتنگدستی، خوشی اور بےفکری، یا غم اور بےاطمینانی، وغیرہ......(۱)

(۱) ﴿وَأَنَّهُ هُوَ أَضحَكَ وأَبكىٰ، وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحيى...﴾ [النجم:۴۳ـ۴۴] ترجمہ:(اور یہ کہ

(۲) ارادہ شرعیہ:

اس سے مراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا وہ ارادہ ومشیت ہے جس کا تعلق بندے کے کسی عمل سے ہو۔ مثلاً: ایمان قبول کرنا یا اس کے برعکس کفر کو اختیار کرنا، اچھے یا برے اعمال انجام دینا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری یا معصیت ونافرمانی وغیرہ۔

☆ ''ارادہ کونیہ'' اور ''ارادہ شرعیہ'' میں فرق:

گذشتہ تفصیل کی روشنی میں یہ بات واضح وثابت ہوگئی کہ ''ارادہ کونیہ'' اور ''ارادہ شرعیہ'' میں فرق درجِ ذیل دو حیثیتوں سے ہے:

☆ اول:

''ارادہ کونیہ'' کا تعلق خالصۃً اور کلی طور پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے افعال واعمال سے ہے، بندے کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں، مثلاً: بارش ہونا اور غلہ واناج کی کثرت وفراوانی' یا قحط اور خشک سالی' نیز سیلاب' زلزلہ اور دیگر قدرتی آفات' یا اسی طرح انسان کے وہ تمام معاملات جن کا تعلق تکوینی امور سے ہو، اور اس وجہ سے وہ معاملات انسان کی اپنی مرضی' اپنی قدرت اور اختیار سے باہر ہوں، مثلاً: انسان کی زندگی اور موت' اس کی خوبصورتی یا بدصورتی' مرد یا عورت ہونا' کالا یا گورا ہونا' دراز قد یا پستہ قد ہونا...... وغیرہ۔

جبکہ ''ارادہ شرعیہ'' کا تعلق بندے کے اپنے افعال واعمال سے ہے، یا بالفاظِ دیگر وہ اعمال جن کا تعلق بندے کیلئے شرعی تعلیمات واحکام سے ہو (نہ کہ تکوینی امور سے) مثلاً: نیکی یا بدی کا انتخاب' خوش اخلاق یا بداخلاق ہونا' نمازی یا بے نمازی ہونا' اطاعت گذار یا نافرمان ہونا وغیرہ......۔

وہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے، اور وہی مارتا ہے وہی جِلاتا ہے......)۔

☆ دوم:

''ارادہ کونیہ'' کا تحقق اور پورا ہونا یقیناً اور بہرصورت ضروری ولازمی ہے، کیونکہ اس بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ: ﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئاً أَن يَّقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ (۱) ترجمہ: (وہ جب کبھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے اتنا فرما دینا کافی ہے کہ: ''ہوجا'' پس وہ اسی وقت ہوجاتی ہے)

جبکہ اس کے برعکس ''ارادہ شرعیہ'' کا تحقق یا پورا ہونا ضروری نہیں، یعنی کبھی وہ پورا ہوتا ہے اور کبھی نہیں بھی ہوتا۔

مثلاً اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن کریم میں سچ بولنے کا حکم دیا' اب کوئی سچ بولتا ہے اور کوئی جھوٹ' اللہ نے نماز پڑھنے کا حکم دیا' مگر کوئی نماز پڑھتا ہے اور کوئی بے نمازی ہے، اللہ نے روزہ رکھنے کا حکم دیا' مگر سب ہی لوگ تو روزہ نہیں رکھتے، اللہ نے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا' مگر کوئی اس حکم کی تعمیل کرتا ہے اور کوئی نہیں کرتا، اللہ کو غیبت پسند نہیں' لہٰذا اللہ نے اس سے منع فرمایا ہے' مگر کوئی غیبت سے باز رہتا ہے اور کوئی خوب غیبت کرتا ہے' اللہ انصاف کو پسند فرماتا ہے اور ناانصافی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا، مگر اس کے باوجود انسانوں میں سے کوئی انصاف پسند ہے اور کوئی ظالم اور دوسروں کا حق دبا لینے والا......۔

اسی طرح مثلاً قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿إِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنكُم وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَإِن تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ﴾ (۲) ترجمہ: (اگر تم ناشکری کرو تو [یاد رکھو کہ] اللہ تعالیٰ تم [سب سے] بے نیاز ہے' اور وہ اپنے بندوں کی

(۱) یٰس [۸۲] (۲) الزمر [۷]

ناشکری سے خوش نہیں' اور اگر تم شکر کرو تو وہ اسے تمہارے لئے پسند کرے گا)

نیز ارشاد ہے:﴿وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَينَاهُم فَاستَحَبُّوا العَمَىٰ عَلَىٰ الهُدَىٰ فَأَخَذتهُم صَاعِقَةُ العَذابِ الهُونِ بِمَاكَانُوايَكسِبُونَ﴾ (۱) ترجمہ:(رہے ثمود' سو ہم نے تو ان کی بھی رہبری کی' پھر بھی انہوں نے ہدایت پر اندھے پن کو ترجیح دی، جس بناء پر انہیں سراپا ذلت کے عذاب کی کڑک نے ان کے کرتوتوں کے باعث پکڑ لیا)

نیز ارشاد ہے:﴿وَلَو آمَنَ أَهلُ الكِتَابِ لَكَانَ خَيراً لَّهُمْ﴾ (۲) ترجمہ:(اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کیلئے بہتر تھا)

☆ خلاصۂ کلام:

اس بارے میں (یعنی ارداہ کونیہ اور ارادہ شرعیہ میں فرق کے بارے میں) خلاصہ کلام یہ ہے کہ:

☆......''ارادہ کونیہ'' سے مراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا وہ ارادہ ہے جس کا تعلق کسی ''تکوینی'' معاملے سے ہو (مثلاً: بارش برسانا یا قحط سالی ......یا انسان کا خوبصورت یا بدصورت ہونا......وغیرہ)

☆......جبکہ ''ارادہ شرعیہ'' سے مراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا وہ ارادہ ہے جس کا تعلق بندے کے کسی عمل سے ہو (مثلاً: بندے کے ذمے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری' شرعی احکام کی تعمیل اور پابندی' مختلف عبادات کی انجام دہی......وغیرہ)

☆......''ارادہ کونیہ'' کا تعلق اللہ کے افعال واعمال سے ہے، یعنی ایسے کام جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے انجام دیئے جاتے ہیں (مثلاً: بارش' قحط سالی' زندگی' موت' کسی کا

(۱) حم السجدة [۱۷] (۲) آل عمران [۱۱۰]

خوبصورت ہونا یا اس کے برعکس......)

☆......جبکہ ''ارداہ شرعیہ'' کا تعلق ان افعال واعمال سے ہے جن کی ادائیگی بندے کے ذمے ہے (یعنی جو بندے کے کرنے کے کام ہیں)

☆......''ارادہ کونیہ'' کا محقق (یعنی پورا) ہونا ضروری ولازمی ہے، کیونکہ اس کا تعلق ان افعال سے ہے جو اللہ کی طرف سے انجام دیئے جاتے ہیں۔ مثلاً اگر اللہ کی طرف سے بارش کا حکم ہو تو بارش ضرور ہوگی۔

☆......جبکہ ''ارادہ شرعیہ'' کا محقق ہونا ضروری نہیں، کیونکہ اس کا تعلق بندے کے اپنے افعال سے ہے۔(۱)

''مسئلۂ تقدیر'' کی نزاکت:

''مسئلۂ تقدیر'' کے بارے میں عمومی صورتِ حال یہ ہے کہ انسان اس بارے میں جس قدر سوچتا ہے یا گہرائی میں جاتا ہے اسی قدر اس کا ذہن الجھنوں کا شکار ہوتا چلا جاتا ہے، اور یوں انسان کے ازلی دشمن یعنی شیطان کو اس کے دل میں نئے نئے وساوس اور شکوک وشبہات پیدا کرنے' اسے دینِ حق سے بدگمان اور راہِ حق سے برگشتہ کرنے کا موقع ہاتھ لگ جاتا ہے، جس کا نتیجہ انسان کیلئے اس کے عقیدہ وایمان کی بربادی اور پھر دنیا وآخرت میں اس کیلئے حسرت ونامرادی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

''مسئلۂ تقدیر'' کی اسی نزاکت کے پیشِ نظر اسلافِ امت نے ہمیشہ اس بارے میں زیادہ تعمق اور غور وخوض سے اجتناب کیا' نیز دوسروں کو بھی ہمیشہ اسی بات کی تلقین کی، کیونکہ

(۱) بعض اہلِ علم نے اپنی تصنیفات میں ''ارادہ کونیہ'' کیلئے ''ارادہ قدریہ'' اسی طرح بعض نے ''ارادہ شرعیہ'' کیلئے ''ارادہ دینیہ'' کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔

تقدیر دراصل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پاس ایک راز ہے، لہٰذا جس چیز کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں سے پوشیدہ اور صیغۂ راز میں رکھا ہو' بندوں کیلئے یقیناً بہتری وسلامتی اسی میں ہے کہ وہ بھی اسے راز ہی رہنے دیں اور اسے جاننے کے درپے نہ ہوں۔

مؤمن کی سوچ یہ ہونی چاہئے کہ قیامت کے روز اس سے یہ سوال نہیں پوچھا جائے گا کہ اس نے اپنی دنیاوی زندگی میں جو کچھ بھی اچھا یا برا عمل انجام دیا' وہ اپنی مرضی وخودمختاری اور اپنے ذاتی ارادے اور خواہش کی بناء پر انجام دیا' یا یہ کہ محض اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر کی وجہ سے مجبور ولاچار اور بے بس ہو کر اس نے ایسا کیا؟ بلکہ وہاں تو صرف اور صرف اچھے اور برے اعمال کے بارے میں حساب وکتاب ہوگا' اعمال کا وزن ہوگا' اور پھر اسی کے مطابق اچھا یا برا بدلہ ہوگا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ أن يَّهدِيَهٗ يَشرَح صَدرَهٗ لِلاسلَامِ وَمَن يُّرِد أن يُّضِلَّهٗ يجعَلْ صَدرَهٗ ضَيِّقاً حَرَجاً كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ﴾ (۱) ترجمہ: (جس شخص کو اللہ تعالیٰ [سیدھے] راستے پر ڈالنا چاہے اس کے سینہ کو اسلام کیلئے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو بے راہ رکھنا چاہے اس کے سینہ کو بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہے) (۲)

نیز رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا بھی یہی مفہوم اور یہی تقاضا ہے: (مِن حُسنِ اِسلَامِ المَرءِ تَركُهٗ مَالَا يَعنِيهِ) (۳) ترجمہ: (انسان کیلئے بہتر مسلمان ہونے کی علامات میں

(۱) الانعام [۱۲۵]

(۲) یعنی جس طرح اگر کسی کو آسمان پر چڑھنے کیلئے مجبور کیا جائے تو وہ آسمان پر کس طرح چڑھ سکتا ہے؟ بس پریشانی وبے چینی کے عالم میں کڑھتا اور تڑپتا ہی رہے گا...... اسی طرح جس شخص کے سینہ کو اللہ تعالیٰ تنگ کر دے اس میں ایمان کا داخلہ ممکن نہیں۔

(۳) ترمذی [۲۳۱۷] احمد [۱۷۳۲] ابن حبان [۲۲۹]

سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ وہ ہر اس چیز سے کنارہ کشی اختیار کرے جس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہ ہو)

☆......لہٰذا مؤمن کو چاہئے کہ تقدیر کے مسائل سے بے نیاز ہو جائے اور اس بارے میں ضرورت سے زیادہ غور و فکر چھوڑ دے اور بس خود کو اللہ کے حوالے کر دے' تاکہ اسے ذہنی الجھنوں' وسوسوں' اندیشوں' اور تنگدلی کے عذاب کی بجائے ’’شرحِ صدر‘‘ جیسی انمول اور اہم ترین نعمت نصیب ہو سکے اور اس طرح وہ خود کو ان خوش نصیب انسانوں کی صف میں شامل کر لے کہ جن کیلئے خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ہدایت مقصود ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا آیت ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَّهدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلاِسْلَامِ......﴾ کا مفہوم ہے۔

نیز مسئلۂ تقدیر کی باریکیوں میں الجھنے کی بجائے اپنے عمل اور اخلاق و کردار کو شرعی و دینی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کی فکر و جستجو کرے' زیادہ سے زیادہ شرعی احکام و مسائل سیکھنے اور جاننے کی کوشش کرے' اعمال صالحہ کا اہتمام و التزام اور تمام برائیوں سے بچنے کی مکمل کوشش کرے، اللہ سے ہمیشہ اپنے لئے نیز اپنے اہل و عیال اور متعلقین کیلئے دنیا و آخرت میں خیر و خوبی اور عافیت و سلامتی طلب کرے، حسنِ انجام کی فکر' اور خاتمہ بالایمان کیلئے اپنے رب کریم سے ہمیشہ گڑگڑا کر' خوب دل لگا کر' گریہ و زاری اور عجز و انکساری کے ساتھ دعاء و فریاد کرتا رہے...... (۱)

(۱)(وأصل القدر سرّ اللّٰه تعالىٰ ...... والتعمّق والنّظر في ذلك ذريعة الخذلان......)
یعنی: (تقدیر تو دراصل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پاس اپنی مخلوقات کے بارے میں ایک سربستہ راز ہے...... جس میں زیادہ غور و فکر کرنا اور گہرائی میں جانے کی کوشش کرنا انسان کیلئے بربادی و رسوائی کا ذریعہ ہے......) ملاحظہ ہو: الطحاویۃ [صفحہ: ۲۲۵] نیز ملاحظہ ہو: والقدر سرّ من أسرار اللّٰه تعالىٰ لم يطّلع عليه ملكاً مقرّباً ولا نبيّاً مُرسلاً...... ،(تیسیر العزیز الحمید) [صفحة: ٦٢٠] از: سلیمان بن عبداللہ۔

تقدیر پرایمان کے فوائد وثمرات:

(۱) عمل صالح کواپنانے اور برائیوں سے بچنے کا جذبہ:

''تقدیر'' پرایمان کے ضمن میں جب یہ بات انسان کے ذہن اوردل ودماغ میں ثابت وراسخ ہوجاتی ہے کہ خالقِ کائنات کا قانون اوردستور یہ ہے کہ اس نے مسببات (یعنی وہ مطلوب ومقصود جسے حاصل کرنے کی انسان کوطلب اورخواہش وآرزوہو) کے حصول کواسباب پرموقوف ومنحصر فرمادیاہے' یعنی مثلاً اگرکسی کوبھوک اورپیاس نے ستارکھاہے اوروہ اس اذیت وتکلیف سے نجات حاصل کرناچاہتاہے تواس کیلئے کچھ کھاناپیناضروری ہے، کسان اگرغلہ واناج حاصل کرنے کاخواہشمندہے تواس کیلئے زمین میں بیج بوناضروری ہے، کسی کواولادکی تمناہے تواس کیلئے شادی ضروری ہے......یافرض کیجئے کسی کی یہ خواہش ہوکہ کاش میں نمازی بن جاؤں' اوراس مقصدکیلئے وہ دن بھردعاء مانگتارہے کہ: ﴿رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِن ذُرِّيَّتِي ......﴾ (۱) یعنی: (اے میرے رب! مجھے نمازکاپابندبنادے اورمیری اولادکوبھی......) مگریہ کہ اس دعاء کے ساتھ وہ عملی اقدام کچھ بھی نہ کرے' اذان سن لینے کے باوجودنہ تواپنی جگہ سے اٹھ کرنمازکیلئے کوئی حرکت یامحنت وکوشش کرے' اورنہ ہی وضوء وغیرہ کرے' بلکہ محض دعاء پرہی اکتفاء کئے بیٹھارہے' اورپھرشام کوکفِ افسوس ملناشروع کردے کہ میری دعاء توقبول ہی نہیں ہوئی......یااسی طرح اگرکوئی دن بھریہ دعاء اس نیت سے پڑھتارہے کہ اس کی اولادنمازی بن جائے' مگر

(۱) ابراہیم [۴۰]

نہ تو وہ اپنی زبان سے اولاد کو نماز کی تاکید و تلقین کرے' نہ ہی ترغیب و ترہیب یا کسی بھی مناسب طریقے سے اولاد کو اس طرف راغب و متوجہ کرنے کی کوشش کرے' بلکہ محض دعاء ہی مانگتا چلا جائے' تو یقیناً یہ بہت بڑی نادانی ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ خواہ کوئی دنیاوی ضرورت ہو' یا اُخروی نجات اور صلاح و فلاح کا معاملہ ہو' بہرصورت کامیابی و کامرانی کیلئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر مکمل توکل و اعتماد' اور اس سے استعانت اور دعاء و فریاد کے ساتھ ساتھ عملی کوشش' جدوجہد' اور محنت و مشقت ضروری ہے۔

اس قانونِ قدرت کو جان لینے اور سمجھ لینے کی بدولت انسان میں عمل' جدوجہد' اور محنت و مشقت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، لہٰذا انسان سستی و کاہلی اور غفلت و لاپرواہی کی بجائے عملِ پیہم' جہدِ مسلسل' اور محنت و جاں فشانی کو اپنا شیوہ اور شعار بنالیتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهدِيَنَّهُم سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ المُحسِنِينَ﴾ (۱) ترجمہ: (اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھادیں گے' یقیناً اللہ تعالیٰ تو نیکوکاروں کا ساتھی ہے)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَومٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأنفُسِهِم﴾ (۲) ترجمہ: (کسی قوم کی حالت اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اسے نہ بدلیں جو ان کے دلوں میں ہے) (۳)

(۱) العنکبوت[۶۹] (۲) الرعد[۱۱]

(۳) اس آیت کا دراصل وہی مفہوم ہے جو کہ سورہ انفال کی اس آیت کا ہے: ﴿ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ لَم يَكُ مُغَيِّراً نِّعمَةً أنعَمَهَا عَلىٰ قَومٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوامَا بِأنفُسِهِم وَأَنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ [الأنفال:۵۳] ترجمہ: (یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ کسی قوم پر کوئی نعمت انعام فرما کر پھر بدل دے جب تک کہ وہ خود اپنی اس حالت کو نہ بدل دیں جو کہ ان کی اپنی تھی' اور یہ کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے) یعنی ان دونوں آیتوں کا اصل

نیز ارشاد ہے:﴿وَأن لَّیسَ لِلإنسَانِ اِلَّا مَا سَعَیٰ﴾ (۱) ترجمہ:(اور یہ کہ ہر انسان کیلئے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی)

نیز ارشاد ہے:﴿وَیَھْدِي اِلَیہِ مَن أنَابَ﴾ (۲) ترجمہ:(اور جو کوئی اس[اللہ] کی طرف جھکے اسے وہ راستہ دکھا دیتا ہے)

نیز ارشاد ہے:﴿وَمَنْ یُؤمِنْ بِاللّٰہِ یَھْدِ قَلبَہٗ﴾ (۳) ترجمہ:(اور جو کوئی اللہ پر ایمان

باقی از حاشیہ صفحہ گذشتہ:

مفہوم تو یہ ہے کہ جس قوم پر اللہ نے کوئی انعام فرمایا ہو تو جب تک وہ قوم خود ہی گناہوں اور کفرانِ نعمت کا راستہ اختیار نہ کرلے اس وقت تک اللہ بھی ان کے حال کو نہیں بدلتا' یعنی ان کیلئے اپنی نعمتوں کا سلسلہ جاری اور برقرار رکھتا ہے، لیکن اگر وہ قوم برائی کا راستہ اپنا لے تب اللہ ان کی حالت بدل دیتا ہے، یعنی اپنی نعمتیں سلب کرلیتا ہے اور خوشحالی وآسودگی کو پریشانی ومصیبت سے بدل دیتا ہے۔ البتہ اس آیت کا مفہوم عام ہے، اور دونوں قسم کی تبدیلیوں کو شامل ہے، یعنی تبدیلی ونتقلی خواہ خیر وخوبی سے مصیبت وبربادی کی جانب ہو' یا اس کے برعکس مصیبت وبربادی سے خیر وخوبی کی جانب (جیسا کہ ارشاد ہے:﴿یَأیُّھَاالنَّبِيُّ قُل لِمَن فِي أیدِیکُم مِّنَ الأسرَیٰ اِن یَّعلَمِ اللّٰہُ فِي قُلُوبِکُم خَیراً یُّؤتِکُم خَیراً مِّمَّا أُخِذَمِنکُم وَیَغفِرلَکُم وَاللّٰہُ غَفُورٌرَّحِیم﴾ [الأنفال:۷۰] یعنی:''اے نبیؐ! آپ ان قیدیوں سے کہہ دیجئے جو آپ کے قبضے میں ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں نیک نیتی دیکھے گا' تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا' اور پھر گناہ بھی معاف فرمائے گا' اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہی ہے)

بہرصورت خالقِ کائنات کا قانون اور اس کی سنت یہی ہے کہ اس نے اس تبدیلی کا انحصار بڑی حد تک خود انسان کی ہی اپنی نیت' اپنے ارادے' اور اس کی اپنی محنت وکوشش' جد وجہد اور سچی لگن پر رکھدیا ہے۔ لہٰذا اسی سیاقِ کلام کی مناسبت کی وجہ سے اس مضمون سے متعلق آیات کے ضمن میں مذکورہ آیت:﴿اِنَّ اللّٰہَ لَایُغَیِّرُمَابِقَومٍ...... ﴾ کا تذکرہ بھی مناسب سمجھا گیا۔ واللہ اعلم۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی ¦ نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

(۱) النجم[۳۹] (۲) الرعد[۲۷] (۳) التغابن[۱۱]

لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے)

نیز ارشاد ہے:﴿وَيَـزِيـدُ اللّٰهُ الَّذِينَ اهتَدَوا هُدًى﴾ (۱) ترجمہ:(اور ہدایت یافتہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت میں بڑھاتا ہے)

نیز ارشاد ہے:﴿وَالَّــذِيـنَ اهتَـدَوا زادَهُـم هُـدًى وَّآتَـاهُـم تَـقْـوَاهُـم﴾ (۲) ترجمہ:(اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ نے انہیں ہدایت میں اور بڑھا دیا ہے اور انہیں ان کی پرہیزگاری عطاء فرمائی ہے)

چنانچہ تقدیر پر ایمان کے ضمن میں اس حقیقت (یعنی خالقِ کائنات نے مسببات کے حصول کو اسباب پر' یا بالفاظِ دیگر انسان کیلئے اس کے کسی مطلوب ومقصود کے حصول کو اس کی اپنی عملی جدوجہد اور محنت وکوشش پر موقوف ومنحصر فرما دیا ہے) کے ادراک کی وجہ سے مؤمن یہ اندازِ فکر رکھتا ہے کہ دنیاوی ترقی وکامیابی کا معاملہ ہو یا اخروی نجات وفلاح کا' خالقِ کائنات نے آج اس کیلئے سعادت مندی ونیک بختی کا معاملہ خود اس کے اپنے اختیار میں دے رکھا ہے ،کل یہ اختیار اس کے ہاتھ میں نہیں رہے گا ،لہٰذا وہ جھوٹی امیدیں قائم کرنے یا محض خوابوں کی دنیا میں رہنے کی بجائے اللہ کا نام لے کر' اسی پر توکل واعتماد کرتے ہوئے' اور اسی سے توفیق طلب کرتے ہوئے' ہمت وکوشش' ذوق وشوق' جذبۂ خالص اور عزمِ صادق کے ساتھ واقعی اور عملی طور پر محنت وکوشش اور نیکی وتقویٰ کے راستے پر گامزن ہو جاتا ہے۔

☆......اس کے علاوہ مزید یہ کہ انسان کیلئے جس طرح دنیا وآخرت میں صلاح وفلاح کیلئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر توکل' دعاء' اور اس سے طلبِ توفیق کے ساتھ ساتھ خود محنت وکوشش اور

(۱) مریم[۷٦] (۲) محمد[۱۷]

عملی جدوجہد ضروری ہے، بعینہٖ اسی طرح دنیاوی واخروی آفات اور مصائب ومشکلات کو بھی انسان کے اپنے ہی برے اعمال' یا بالفاظِ دیگر برائی کے راستے میں اس کی اپنی ہی محنت وکوشش اور جدوجہد پر موقوف ومنحصر کر دیا گیا ہے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَمَا أَصَابَكُم مِن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيْكُم وَيَعْفُوعَن كَثِيرٍ﴾ (۱) ترجمہ: (تمہیں جو کچھ بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کا بدلہ ہی ہے' اور وہ [اللہ] تو بہت سی باتوں سے درگذر فرما دیتا ہے)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوبَهُم وَاللّٰهُ لَا يَهدِي القَومَ الفَاسِقِينَ﴾ (۲) ترجمہ: (پس جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ نے ان کے دلوں کو [مزید] ٹیڑھا کر دیا، اور اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا)

لہٰذا برائیوں کا مرتکب انسان گویا اپنے نصیب کو خود اپنے ہی ہاتھوں برباد کرتا ہے اور دنیا وآخرت میں اپنے لئے آفات ومصائب' خرابی وبربادی اور گمراہی وبدبختی کو خود ہی دعوت دیتا ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿فَأَمَّا مَن أَعطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالحُسنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِليُسرَىٰ وَأَمَّامَن بَخِلَ وَاستَغنَىٰ وَكَذَّبَ بِالحُسنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلعُسرَىٰ﴾ (۳)

ترجمہ: (جس نے دیا [اللہ کی راہ میں] اور ڈرا [اپنے رب سے] اور نیک بات کی تصدیق کرتا رہے گا' تو ہم بھی اسے آسان راستے کی سہولت دیں گے۔ لیکن جس کسی نے بخل کیا'

(۱) شوریٰ [۳۰] (۲) الصّف [۵] (۳) اللیل [۵-۱۰]

اور بے پرواہی برتی اور نیک بات کو جھٹلایا' تو ہم بھی اس کی تنگی ومشکل کے سامان میسر کردیں گے)

یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے رہنمائی ودستگیری صرف انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جنہیں اس کی حقیقی اور سچی طلب ہو اور اس چیز کے حصول کیلئے وہ بیتاب وبیقرار اور کوشاں وسرگرداں رہتے ہوں۔

جبکہ اس کے برعکس جو کوئی کفر ومعصیت اور برائی کا راستہ اختیار کرتا ہے اس کیلئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے خیر وسعادت کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں اور برائی کے راستے نیز اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر تنگی ومشکلات کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

اسی عقیدہ وایمان کی وجہ سے مؤمن کے دل میں عملِ صالح کو اپنانے اور برائیوں سے باز رہنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔(۱)

(۲) ذہنی سکون واطمینان:

تقدیر پر ایمان کی بدولت مؤمن کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوجاتی ہے کہ نصیب میں جو کچھ لکھا ہے وہ بہرصورت ہوکر ہی رہے گا، محنت وکوشش تو وہ محض اس لئے کرتا ہے کہ خود اس کے خالق ومالک نے اسے محنت وکوشش کا حکم دیا ہے(۲) اور پھر یہ کہ انسان کیلئے

(۱) اس بارے میں مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: "شفاء العليل فی مسائل القضاء والقدر والحكمة والتعليل" [باب: سبق المقادير بالسّعادة والشّقاوة لايقتضي ترك الأعمال بل يقتضى الاجتهاد والحرص] از: ابن القیم الجوزیہ۔ نیز تقریباً اسی موضوع سے متعلق چند مفید باتوں کا تذکرہ اس سے قبل ''تقدیر اور انسان کی جدوجہد'' کے عنوان سے صفحہ: ۲۶۶ پر بھی ملاحظہ ہو۔

(۲) ﴿وقُلِ اعمَلُوا فَسَيَرىٰ اللّٰهُ عَمَلَكُم﴾ یعنی: ''کہہ دیجئے کہ تم عمل کئے جاؤ' تمہارے عمل اللہ خود دیکھ لے گا'' [التوبۃ [۱۰۵]

اس کے نصیب میں لکھی ہوئی دنیاوی یا اخروی راحت و کامیابی کو بھی خالقِ کائنات نے کسی حکمت و مصلحت کے تحت خود انسان ہی کی محنت و کوشش پر موقوف فرما دیا ہے، لہٰذا مؤمن اپنی قدرت و اختیار کے مطابق محنت و کوشش تو کرتا ہے' مگر اس کے بعد نتیجہ اللہ کے حوالے کر دیتا ہے اور خود بے فکر اور بے غم ہو جاتا ہے' یا بالفاظِ دیگر وہ ظاہری اسباب تو اختیار کر لیتا ہے، مگر نتیجہ مسبب الاسباب کے حوالے کر دیتا ہے، کیونکہ اس کا یہ عقیدہ و ایمان ہے کہ ظاہری اسباب اختیار کر لینے اور اللہ کا نام لے کر اپنی طرف سے محنت و کوشش کر لینے کے بعد اب جو بھی نتیجہ ظاہر ہوگا یقیناً اس میں اس کیلئے بہتری کا سامان ہی ہوگا، اور یہی اندازِ فکر اس کیلئے ذہنی سکون و اطمینان کا باعث بن جاتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿قُل لَن يُصِيبَنَا اِلّامَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَمولَانَا وَعَلىٰ اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ المُؤمِنُونَ﴾ (۱) ترجمہ: (آپ کہہ دیجئے کہ ہمیں سوائے اللہ کے ہمارے حق میں لکھے ہوئے کے کوئی چیز پہنچ ہی نہیں سکتی' وہی ہمارا کارساز اور مولیٰ ہے' مؤمنوں کو تو بس اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (عَجَباً لِاَمرِ المُؤمِنِ اِنَّ اَمرَه كُلَّه لَه خَيرٌ وَلَيسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلّا لِلمُؤمِنِ، اِن اَصَابَتهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيراً لَه وَ اِن اَصَابَتهُ ضَرّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيراً لَه) (۲) ترجمہ: (مؤمن کا معاملہ تو بہت ہی عجیب ہے، کیونکہ اس کیلئے تو ہر صورت میں خیر ہی خیر ہے، اور یہ تو صرف مؤمن ہی کی شان ہے [کسی اور کو یہ نعمت نصیب نہیں] چنانچہ اگر اسے کوئی خوشی پہنچتی ہے تو وہ اس پر اللہ کا شکر

(۱) التوبۃ [۵۱]

(۲) احمد [۱۸۹۵۴] ابن حبان [۲۸۹٦] ذکر اثبات الخیر للمؤمن الصابر عند الضراء والشاکر عند السراء۔ ریاض الصالحین، باب (نمبر ۱۳) الصبر، حدیث: ۲۷۔ عن صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ۔

ادا کرتا ہے، یوں وہ خوشی اس کیلئے خیر بن جاتی ہے، اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر سے کام لیتا ہے، یوں وہ تکلیف اس کیلئے خیر بن جاتی ہے)

یعنی جب انسان کا یہ عقیدہ وایمان ہو کہ اسے جو بھی راحت یا مصیبت پہنچتی ہے وہ سب اللہ کی طرف سے ہے اور اسی کی بنائی ہوئی تقدیر کا حصہ ہے' اور یہ کہ اس تقدیرِ الٰہی سے بڑھکر اسے نہ تو کوئی نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی نقصان ، لہٰذا اسی اندازِ فکر کی بدولت اس کیلئے مصیبت وپریشانی کو برداشت کرنا آسان ہوجاتا ہے' نیز یہ چیز اس کے حوصلے اور ہمت میں اضافہ وتقویت کا سبب بنتی ہے اور کسی غم والم' یا صدمہ وپریشانی کے وقت' یا کسی قسم کے خوف اور اندیشے کے موقع پر تقدیر پر ایمان کی بدولت انسان کو اپنی مصیبت وپریشانی سے نجات نصیب ہوتی ہے اور اسے ذہنی سکون وراحت کا احساس ہوتا ہے۔(۱)

(۱) اسی لئے آج کے اس مادی اور سائنسی ترقی کے دور میں بھی بہت سے ذہنی ونفسیاتی امراض کے علاج کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ مریض کے دل میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر' یا بالفاظِ دیگر اللہ کی بنائی ہوئی ''تقدیر'' پر یقین وایمان کو مضبوط ومستحکم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور یہ ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ یہ طریقۂ علاج انتہائی کامیاب اور مؤثر ترین ثابت ہوتا ہے۔

☆☆☆

''تقدیر'' اور ''دعاء'':

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادعُونِي أستَجِبْ لَكُمْ﴾ (۱)
ترجمہ: (اور تمہارے رب کا فرمان [سرزد ہو چکا] ہے کہ مجھے پکارو' میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿وَاِذا سَألَكَ عِبَادِي عَنِّي فَاِنِّي قَرِيبٌ اُجِيبُ دَعوَةَ الدَّاعِ اِذا دَعَانِ﴾ (۲) ترجمہ: (اور جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں' ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے' قبول کرتا ہوں)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (مَن لَم يَسألِ اللّهَ يَغضَبْ عَلَيهِ) (۳)
ترجمہ: (جو کوئی اللہ سے دعاء نہیں مانگتا اللہ اس سے ناراض ہو جاتا ہے) (۴)

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (الدُّعَاءُ هُوَ العِبَادَةُ) (۵) ترجمہ: (اصل عبادت تو دعاء ہی ہے)

(۱) المؤمن رغافر [۶۰] (۲) البقرۃ [۱۸۶]

(۳) ترمذی [۳۳۷۳] کتاب الدعوات عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی فضل الدعاء۔

(۴) غور طلب بات ہے کہ کسی انسان سے اگر کوئی چیز مانگی جائے تو وہ خفا اور ناراض ہوتا ہے، جبکہ اس کے بالکل برعکس اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اگر کچھ مانگا جائے تو اللہ خوش ہوتا ہے' اور جو کوئی اللہ سے کچھ نہ مانگے تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے۔ مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ بہت سے لوگ اللہ سے کچھ مانگنے کی بجائے غیر اللہ سے ہی مانگنے اور ان کے سامنے خود کو ذلیل و رسوا کرنے کے درپے رہا کرتے ہیں......۔

(۵) ترمذی [۳۳۷۲] کتاب الدعوات، نیز: [۳۲۴۷] ابن ماجہ [۳۸۲۸] کتاب الدعاء۔ احمد [۱۸۳۷۸]۔

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (الدُّعَاءُ سِلَاحُ المُؤمِنِ) (۱) ترجمہ: (دعاء مؤمن کا ہتھیار ہے)

گذشتہ آیات واحادیث کی روشنی میں ''دعاء'' کی اس قدر اہمیت وفضیلت کو جاننے اور سمجھنے کے بعد یہاں ''تقدیر پر ایمان'' کے ضمن میں یہ تذکرہ ضروری ہے کہ مؤمن کیلئے ''دعاء'' ایسی مبارک ومؤثر چیز ہے کہ جس کی بدولت بعض اوقات اس کے نصیب میں لکھی ہوئی کسی آفت اور مصیبت کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم سے ٹال دیا جاتا ہے اور یوں ''دعاء'' کی برکت سے بندہ اس آفت ومصیبت سے محفوظ ومامون ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (لَا یَرُدُّ القَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاء) (۲) ترجمہ: (قضاء کو صرف دعاء ہی ٹال سکتی ہے)

اسی طرح ارشاد ہے: (لَا یُغْنِي حَذرٌ مِن قَدَرٍ ، وَ الدُّعَاءُ یَنفَعُ مِماَّ نَزلَ وَمِمَّا لَم یَنزِل) (۳) ترجمہ: (تقدیر کو تدبیر سے نہیں ٹالا جا سکتا، جبکہ دعاء تو نافع ومفید ہے اس مصیبت سے نجات کیلئے بھی جو کہ نازل ہو چکی ہو، اور اس مصیبت کو ٹالنے کیلئے بھی جو کہ ابھی تک نازل نہیں ہوئی) یعنی مؤمن کی دعاء ضائع ہونے والی چیز نہیں اور کسی نہ کسی شکل میں بندے کیلئے اس کی افادیت بہر صورت یقینی ہے، لہٰذا تدبیر کے ساتھ دعاء کا اہتمام نہایت ضروری ولازمی ہے۔

☆......البتہ یہ بات ذہن میں رہے کہ اسلامی تعلیمات کی رو سے دعاء کی قبولیت کیلئے چند شرائط ہیں جن کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ ان تعلیمات کا مختصر تذکرہ ملاحظہ ہو:

(۱) مجمع الزوائد، باب الاستنصار بالدعاء۔ الترغیب والترہیب (بحوالۂ حاکم) [۲۵۲۵]

(۲) ترمذی [۲۱۳۹] باب ماجاء: ''لا یرد القدر الا الدعاء''۔

(۳) مجمع الزوائد (بحوالۂ بزار) جلد: ۷، صفحہ: ۲۰۹، باب: ''لا ینفع حذر من قدر''۔ نیز: الترغیب والترہیب۔

قبولیتِ دعاء کی شرائط:

(۱) اخلاص (یعنی: دعاء صرف اللہ سے مانگی جائے):

تمام زمین وآسمان میں عبادت کا مستحق صرف اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ہے، لہٰذا ہر قسم کی عبادت کو صرف اللہ کیلئے خالص کر دینا ضروری ولازمی ہے، اور جیسا کہ اس سے قبل وضاحت کی جا چکی ہے کہ دعاء بھی عبادت میں شامل ہے، بلکہ اہم ترین عبادت ہے، لہٰذا دعاء بھی صرف اللہ ہی سے کی جائے، غیر اللہ سے دعاء وفریاد سے مکمل اجتناب کیا جائے، بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعاء کرتے وقت بھی اس بات کا خاص اہتمام والتزام ہو کہ اس میں دانستہ یا نادانستہ طور پر ایسی عبارات یا کلمات شامل نہ ہو جائیں جن میں استعانت بغیر اللہ کا شائبہ ہو۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَه الدّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ (۱) ترجمہ: (تم اللہ کو پکارتے رہو اس کیلئے دین کو خالص کر کے اگرچہ کافر برا مانیں)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ اَحَداً﴾ (۲) ترجمہ: (اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کیلئے خاص ہیں، پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿وَ لَاتَدْعُ مِن دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذاً مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ (۳) ترجمہ: (اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کو نہ پکارنا جو

(۱) غافر/مؤمن [۱۴] (۲) الجن [۱۸] (۳) یونس [۱۰۶]

تجھ کو کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ کوئی ضرر پہنچا سکے، پھر اگر ایسا کیا تو تم اس حالت میں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اِذاسَألتَ فَاسألِ اللّٰہَ وَ اِذا استَعَنتَ فَاستَعِن بِاللّٰہِ) (۱) ترجمہ: (جب تم کچھ مانگو تو صرف اللہ ہی سے مانگو، اور جب مدد طلب کرو تو صرف اللہ ہی سے طلب کرو)

(۲) استحضارِ قلب:

دعاء کی قبولیت کیلئے ''استحضارِ قلب'' انتہائی ضروری ہے، یعنی ایسا نہ ہو کہ انسان کسی توجہ والتفات اور فکر و تدبر کے بغیر محض چند رٹے رٹائے جملے یا کلمات بس اٹھتے بیٹھتے دہراتا رہے...... بلکہ دعاء کے آداب میں یہ بات شامل ہے نیز قبولیتِ دعاء کیلئے یہ شرط بھی ہے کہ انسان مکمل توجہ، خوب ذوق وشوق، اور خشوع وخضوع کے ساتھ، نیز جس قدر ممکن ہو سکے دل لگا کر اور گڑگڑا کر دعاء کا اہتمام والتزام کیا کرے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (وَاعلَمُوا أنَّ اللّٰہَ لَایَقبَلُ دُعَاءً مِن قَلبٍ غَافِلٍ لَاہٍ) (۲) ترجمہ: (جان لو کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی دعاء قبول نہیں فرماتے جو کہ غفلت اور بے توجہی کی کیفیت میں مانگی گئی ہو)

لہٰذا دعاء کے دوران ''استحضارِ قلب'' کا مکمل اہتمام اور کوشش انتہائی ضروری ولازمی ہے۔

(۳) حسنِ ظن:

دعاء مانگتے وقت دل میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اپنی دعاء کی قبولیت کے بارے میں حسنِ ظن یعنی اچھی امید رکھی جائے، اور یہ عقیدہ ہو کہ مؤمن کیلئے دعاء تو بہر حال مفید ہی ہے، خواہ وہ

(۱) ترمذی[۲۵۱۶] احمد[۲۶۶۹] (۲) ترمذی[۳۴۷۹]

کسی بھی شکل میں قبول ہو' یا اس کا نتیجہ کسی بھی صورت میں ظاہر ہو' بہرصورت دعاء خیر و برکت اور بہتری ہی کا ذریعہ اور سبب ہے، اور اس کی افادیت یقینی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (مَـاعَـلىٰ الأرضِ مُسلمٌ يَدعُو اللّٰهَ بِدَعوَةٍ اِلّا آتَاهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ اِيَّاهَا، أوصَرَفَ عَنهُ مِنَ السُّوءِ مِثلَهَا مَا لَمْ يَدعُ بِاِثمٍ أوقَطِيعَةِ رَحِمٍ)(۱)

ترجمہ: (اس زمین پر موجود کوئی بھی مسلمان جب بھی اللہ سے کوئی دعاء مانگتا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ یا تو اسے اس کی مطلوبہ چیز [جس کے حصول کیلئے اس نے اللہ سے دعاء مانگی ہے] اسے عطاء فرما دیتے ہیں' یا اس کے عوض اللہ تعالیٰ اس سے کسی مصیبت کو دور فرما دیتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ دعاء کسی گناہ کیلئے نہو' یا کسی قطع رحمی کی غرض سے نہو)

یعنی جب بھی کوئی بندہ اللہ سے دعاء مانگتا ہے' اور وہ دعاء کسی ناجائز مقصد کیلئے نہو (۲) اور نہ ہی اس میں کوئی قطع رحمی ہو (۳) تو ایسی دعاء اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ضرور مقبول ہوتی ہے، البتہ اس کی قبولیت کی شکلیں مختلف ہوا کرتی ہیں، اگر وہ مقصد جس کی خاطر بندہ دعاء کر رہا ہے' اللہ کے علم میں اس بندے کیلئے مفید و بہتر ہوگا تو بعینہٖ وہی چیز بندے کو عطاء کر دی جائے گی، لیکن اگر وہ چیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علم میں اس بندے کیلئے بہتر نہیں ہوگی تو اسے وہ چیز نہیں دی جائے گی، البتہ اسے اس کی دعاء کی افادیت اور خیر و برکت سے یکسر

(۱) ترمذی [۳۵۷۳]

(۲) یعنی مثلاً چوری گناہ ہے' اب اگر کوئی شخص چوری کرنا چاہتا ہے' اور اس مقصد کیلئے اللہ سے دعاء مانگتا ہے کہ یا اللہ میرا یہ مقصد بخیر و خوبی پورا ہو جائے......۔

(۳) مثلاً کوئی شخص ناحق اپنے کسی عزیز کیلئے بددعاء کرتا ہے' یا دو بھائیوں کے درمیان نفرت واختلاف کی دعاء کرتا ہے......۔

محروم بھی نہیں رکھا جائے گا' لہٰذا اسے اس دعاء کی برکت سے اس طرح فیضیاب کیا جائے گا کہ اس کے نصیب میں لکھی ہوئی کسی آفت ومصیبت کو اس دعاء کی برکت سے ٹال دیا جائے گا، اور درحقیقت اللہ کی طرف سے بندے کیلئے یہ بھی تو کتنا بڑا اکرم ہے کہ اللہ بندے کو وہ چیز عطاء نہیں فرماتا جو اس کے علم میں بندے کیلئے مضر ہو۔

(۴) جلد بازی سے گریز:

دعاء کی قبولیت کے بارے میں جلد بازی اور بے صبری کا مظاہرہ ہرگز نہیں کرنا چاہئے، اس کی بجائے یہ یقین وایمان ہونا چاہئے کہ اللہ تو یقیناً انتہائی رحیم وکریم ہے، اس کا علم بھی کامل ہے، خود بندے کیلئے کیا مفید ہے اور کیا مضر؟ اس چیز کا علم تو خود بندے سے بھی بڑھ کر اللہ کو ہے، لہٰذا بندے کا اندازِ فکر یہ ہونا چاہئے کہ: ''میرا کام ہے بس اس رب کریم سے مسلسل مانگتے ہی رہنا' اب اس رب کریم کے علم میں میرے لئے جو بہتر ہوگا وہی ہو جائے گا''۔
اور پھر یہ کہ دعاء جس شکل میں بھی قبول ہو' اور اس کا جو بھی نتیجہ ظاہر ہو' بہرحال دعاء تو بذاتِ خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت ہے، بلکہ انتہائی اہم ترین عبادت ہے، اور بندے کیلئے بہرصورت باعثِ خیر وبرکت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (يُستَجَابُ لِأَحَدِكُم مَا لَم يَعجَلُ ، يَقُولُ: دَعَوتُ فَلَم يُستَجَبُ لِيُ) (۱) ترجمہ (تم میں سے کوئی شخص جب دعاء مانگتا ہے تو اس کی دعاء قبول کی جاتی ہے' تاوقتیکہ وہ جلد بازی نہ کرے، یعنی: یوں نہ کہہ دے کہ: ''میں نے تو دعاء مانگی' مگر میری دعاء قبول نہیں ہوئی)

ہر مسلمان کیلئے اس حدیث کے معنیٰ ومفہوم میں غور کرنا ازحد ضروری ولازمی ہے، تاکہ اسے

(۱) بخاری [۵۹۸۱] باب یستجاب للعبد مالم یعجل۔ مسلم [۲۷۳۵] ترمذی [۳۳۸۷]

اس مسئلہ کی نزاکت واہمیت کا علم اور احساس ہو سکے، کیونکہ [اس حدیث کی رو سے] جب کوئی شخص خود اپنی زبان سے یہ الفاظ کہہ دیتا ہے کہ: ''میں نے تو دعاء مانگی، مگر وہ قبول ہی نہیں ہوئی''، تو یہ شخص اپنی اس حرکت کے ذریعہ خود اپنے آپ پر بہت ہی بڑا ظلم کر رہا ہے، کیونکہ اس طرح اس نے خود ہی اپنے لئے دعاء کی قبولیت کا دروازہ بند کر دیا۔ لہٰذا اس چیز سے بچنا انتہائی ضروری ہے۔

(۵) رزقِ حلال کا اہتمام:

دعاء کی قبولیت کیلئے رزقِ حلال کا اہتمام والتزام' اور تمام حرام ذرائعِ آمدنی مثلاً: سود' رشوت' ملاوٹ' بد دیانتی' مکروفریب اور دوسروں کی حق تلفی وغیرہ سے مکمل اجتناب نہایت ضروری ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (أَطِبْ مَطْعَمَكَ تَكُن مُستَجَابَ الدَّعوَةِ) (۱) ترجمہ: (اپنے کھانے کو پاکیزہ [حلال] بناؤ' نتیجہ یہ ہوگا کہ تم ''مستجاب الدعوات'' ہو جاؤ گے) یعنی: تمہاری دعائیں قبول کی جائیں گی۔

جبکہ حرام ذرائع سے حاصل کردہ رزق کے بارے میں (اسی حدیث میں آگے چل کر) آپ ﷺ کا ارشاد ملاحظہ ہو: (اِنَّ العَبدَ لَيَقذِفُ اللُّقمَةَ الحَرَامَ فِي جَوفِهٖ مَايُتَقَبَّلُ مِنهُ عَمَلُ أربَعِينَ يَوماً ، وَأَيُّمَا عَبدٍ نَبَتَ لَحمُهٗ مِن سُحتٍ فَالنَّارُ أولىٰ بِهٖ) (۲) ترجمہ: (انسان جب حرام کا ایک لقمہ اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے' اس کی وجہ سے چالیس روز تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں کیا جاتا، اور ہر وہ انسان جس کی پرورش حرام

(۱) مجمع الزوائد: باب فی من أکل طیباً حلالا۔ جلد: ۱۰، صفحہ: ۲۹۵۔

(۲) مجمع الزوائد، باب فی من أکل حلالاً أو حراماً، جلد: ۱۰ صفحہ: ۲۹۱۔ بحوالہ طبرانی فی الصغیر۔

سے ہوئی ہو' اس کیلئے [جہنم کی] آگ ہی بہتر ٹھکانہ ہے)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک بار قرآن کریم کی چند آیات تلاوت فرمائیں جن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے رزقِ حلال کے اہتمام والتزام کا حکم دیا گیا ہے(۱) اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: (الرَّجُلُ يُطِيلُ السَّفَر، أشعَثَ أغبَر، يَمُدُّ يَدَيهِ اِلیٰ السَّمَاءِ: يَارَبِّ يَارَبِّ، وَمطعَمُهٗ حَرَامٌ، وَ مَشرَبُهٗ حَرَامٌ، وَمَلبَسُهٗ حَرَامٌ، وَغُذِيَ بَالحَرَامِ، فَأَنَّىٰ يُستَجَابُ لَهٗ؟) (۲) ترجمہ: (بعض اوقات کوئی شخص جس نے طویل سفر کی مشقت برداشت کی ہوتی ہے' اس کے بال بکھرے ہوئے' اور جسم ولباس غبار آلود ہوتا ہے' وہ آسمان کی طرف دونوں ہاتھ بلند کر کے آہ وفریاد کرتا ہے کہ: ''اے میرے رب! اے میرے رب!'' جبکہ اس کا کھانا حرام سے ہے' اس کا پینا حرام سے ہے' اس کا لباس حرام سے ہے' اس کی پرورش حرام سے ہوئی ہے' لہٰذا اس کی دعاء کیسے قبول ہو......؟)

یعنی بظاہر وہ اس قدر مسکین ومفلوک الحال نظر آتا ہے' نیز اس کی پراگندگی وخستہ حالی ایسی ہے کہ ارحم الراحمین کی بارگاہ میں اس کی دعاء کو تو فوراً ہی شرفِ قبولیت نصیب ہو جانا چاہئے' خصوصاً جبکہ وہ دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر خوب دعاء وفریاد اور انتہائی آہ وزاری بھی کر رہا ہو' اور ''یارب! یارب!'' کہہ کر اللہ کو پکار رہا ہو' مگر اس کے باوجود اس کی دعاء قابلِ

(۱) ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعمَلُوا صَالِحاً......﴾ (المؤمنون:۵۱) یعنی: ''اے پیغمبرو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو......'' نیز: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقنَاكُم......﴾ (البقرۃ:۱۷۲) یعنی: ''اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ......''

(۲) مسلم [۱۰۱۵] (باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب) نیز: ترمذی [۲۹۸۹]

قبول نہیں، کیونکہ اس کا کھانا، پینا، لباس وغیرہ سب کچھ حرام ذرائع سے حاصل شدہ ہے۔

(٦) خوشحالی میں اللہ کو یاد رکھنا:

مؤمن کو یہ بات ہرگز زیب نہیں دیتی کہ وہ محض کسی آفت و پریشانی کے موقع پر ہی اپنے خالق و مالک کی طرف متوجہ ہو، اسے یاد کرے، اور اس سے دعاء وفریاد کرے، جبکہ عام حالات میں اس کا رویہ اس کے برعکس ہو، اور وہ اپنے خالق و مالک سے دور اور غافل رہے، اور محض لہو ولعب میں مشغول رہا کرے۔

ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے اور ایسی غفلت ولا پرواہی کی بجائے مؤمن کو تو ہمیشہ ہی اپنے ربِ کریم کے ساتھ خوشگوار رابطہ، نیز اس سے دعاء ومناجات کا سلسلہ قائم رکھنا چاہئے، بلکہ مروت کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس قدر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے بندے کیلئے خوشحالی وآسودگی، صحت وتندرستی، ودیگر مادی ومعنوی نعمتوں میں ترقی واضافہ ہو، اسی قدر اس منعم ومحسن کو زیادہ یاد کیا جائے، اسی قدر اس کی عبادت وبندگی کا اہتمام والتزام ہو، اس کی نافرمانی سے بچنے کا جذبہ بیدار ہو، نیز دعاء ومناجات کے ذریعے اس کے ساتھ اپنے تعلق میں استحکام، اور اس رشتے کی مزید مضبوطی واستواری کا انتظام ہو۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَاِذاسَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَاِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعوَةَ الدَّاعِ اِذادَعَانِ فَلیَستَجِیبُوا لِي وَلیُؤمِنُوابِي لَعَلَّهُم يَرشُدُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: (اور جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں، ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے، قبول کرتا ہوں، اس لئے لوگوں کو بھی چاہئے کہ وہ میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں، یہی

(۱) البقرۃ[۱۸۶]

ان کی بھلائی کا باعث ہے)

یعنی اگر انسان یہ چاہتا ہے کہ اللہ اس کی دعاء قبول فرمالے' تو اسے چاہئے کہ وہ خود بھی اللہ کے احکام کو قبول کرے' اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کا راستہ اختیار کرے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (مَن سَرَّهُ أن يستَجيبَ اللّهُ لَهُ عِندَ الشَّدَائِدِ فَليُكثِر مِنَ الدُّعَاءِ فَي الرَّخَاءِ) (۱) ترجمہ: (جس کسی کی یہ خواہش ہو کہ مشکلات اور پریشانیوں کے وقت اللہ تعالیٰ اس کی دعاء قبول کیا کرے' اسے چاہئے کہ خوشحالی وآسودگی میں اللہ سے خوب زیادہ دعاء وفریاد کیا کرے)

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے: (تَعَرّفُ اِلیٰ اللّهِ فِي الرَّخَاءِ يَعرِفُكَ فِي الشِّدَّةِ) (۲) ترجمہ: (تم خوشحالی میں اللہ کو یاد رکھو' اللہ تمہیں [تمہاری] مشکل کے وقت یاد رکھے گا)

☆......اس بات کو مزید اس مثال سے بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جس طرح انسانوں میں باہم تعارف' میل جول' تعلقات' اور جانی پہچانی آواز والوں کیلئے ایک مخصوص لحاظ ہوا کرتا ہے' نیز ایسے افراد کیلئے اخلاق ومروت کے کچھ مخصوص تقاضے ہوا کرتے ہیں' اسی طرح جو شخص ہمیشہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلقات مستحکم وخوشگوار رکھنے کی فکر وجستجو میں مشغول رہتا ہے' ہمیشہ اس کی اطاعت وفرمانبرداری کو اپنا شیوہ اور شعار بنائے رکھتا ہے' اس کی بارگاہ میں مسلسل دعاء ومناجات کا سلسلہ جاری رکھتا ہے' اس مسلسل تعلق اور خوشگوار رابطے کی وجہ سے اس کی آواز اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں معروف اور مانوس محسوس ہوتی ہے، لہٰذا اس کی دعاء کی قبولیت کے امکانات بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

(۱) ترمذی [۳۳۸۲] باب ماجاء أن دعوة المسلم مستجابة۔ (۲) احمد [۲۸۰۴]

جبکہ اس کے برعکس وہ شخص جو عام حالات میں اسلامی تعلیمات سے منہ موڑے رکھتا ہو' اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت واطاعت کی بجائے غفلت ولا پرواہی کا مظاہرہ کرتا ہو' ایسا شخص کسی آفت ومصیبت میں مبتلا ہوجانے پر اگر اللہ کو پکارتا ہے اور دعاء وفریاد کرتا ہے تو اس کی آواز چونکہ وہاں اللہ کی بارگاہ میں نامانوس اور اجنبی سی ہوتی ہے' لہٰذا اس کی مقبولیت کے امکانات بھی نسبۃً کم ہوا کرتے ہیں۔

(۷) خلقِ خدا کے ساتھ حسنِ سلوک:

دعاء کی قبولیت کیلئے ضروری ہے کہ انسان کا دوسروں کے ساتھ رویہ وسلوک عمدہ اور بہتر ہو' کیونکہ تمام انسان اللہ ہی کی مخلوق ہیں' خلقِ خدا کی خدمت اور فلاح وبہبود کیلئے کوشش وجستجو تو اہم ترین عبادت اور پسندیدہ ترین عمل ہے، جبکہ اس کے برعکس کسی کو ناحق ستانا' یا کسی کا دل دکھانا' یا کسی بھی قسم کی حق تلفی گناہِ عظیم ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اَلـمُسلِمُ مَن سَلِمَ المُسلِمُونَ مِن لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ) (۱)

ترجمہ: ([حقیقی] مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ [کے شر] سے تمام مسلمان سلامت رہیں) لہٰذا یہ بات خوب ذہن نشیں کر لینا ضروری ہے کہ جس طرح بندگانِ خدا کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی خدمت انسان کیلئے بہت بڑی عبادت' اور دنیا وآخرت میں باعثِ خیر وبرکت ہے' بعینہٖ اسی طرح بندگانِ خدا کو ستانا بدترین گناہ اور دنیا وآخرت میں باعثِ خرابی وبربادی ہے، نیز جب یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ تمام انسان اللہ ہی کی مخلوق اور اسی کے بندے ہیں' تو اب یہ بات غور طلب ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے لئے تو اللہ سے خوب دعائیں مانگتا رہتا ہو' اور اس نے اللہ سے رحمت کی بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی ہوں' مگر

(۱) بخاری [۱۰] باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانہٖ ویدہٖ۔

بندگانِ خدا کے ساتھ اس کا اپنا رویہ واخلاق درست نہو' دوسروں کو اذیت پہنچاتا ہو' دل دکھاتا ہو' دوسروں کی بددعائیں مول لے رکھی ہوں' تو پھر اس کی دعاء کس طرح قبول ہوگی......؟ لہٰذا دعاء کی قبولیت کیلئے خلقِ خدا کے ساتھ حسنِ سلوک' حتی الامکان ان کی خدمت' نیز مختلف طریقوں سے ان کی مدد کر کے ان کی دعائیں لینا' اور ان کی بددعاؤں سے بچنے کی کوشش کرتے رہنا انتہائی ضروری ہے۔ یہی مفہوم رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا بھی ہے جس میں آپ ؐ نے فرمایا کہ: (اَلـرَّاحِـمُـونَ یَرحَمُهُمُ الرَّحمٰنُ، اِرحَم مَن فِـي الأرضِ یَـرُحَـمُكَ مَـن فِـي السَّمَـاءِ) (۱) ترجمہ: (رحمٰن انہی پر رحم فرماتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہوں' تم زمین والوں پر رحم کرو' آسمان والا تم پر رحم کرے گا)

(۸) مسنون دعاؤں کا اہتمام والتزام:

دعاء کے سلسلہ میں انتہائی حساس اور نازک ترین معاملہ مناسب دعاؤں کا انتخاب ہے، کیونکہ دعاء ہی ایسی چیز ہے کہ جس میں اکثر وبیشتر استعانت بغیر اللہ کا اندیشہ رہتا ہے، اور پھر ایسی دعاء انسان کیلئے خیر وبرکت کا ذریعہ اور دنیا وآخرت میں نافع ومفید ہونے کی بجائے اس کے عقیدہ وایمان کی خرابی' نیز تمام عبادات اور اجر وثواب کی بربادی کا سبب بن جاتی ہے، لہٰذا ہمیشہ قرآن وحدیث سے ثابت دعاؤں پر ہی اکتفاء کیا جائے اور انہی کا اہتمام والتزام کیا جائے۔ (۲)

اسی نقطہ نظر کے تحت آئندہ صفحات میں چند منتخب دعائیں درج کی جارہی ہیں:

(۱) ترمذی [۱۹۲۴] باب ماجاء فی رحمۃ المسلمین۔ نیز: احمد [۶۴۹۴] نیز: ابوداؤد [۴۹۴۱] باب فی الرحمۃ۔

(۲) اس سلسلہ میں مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: ا۔ الترغیب فی الدعاء والحث علیہ۔ از: تقی الدین عبدالغنی المقدسی

۲۔ سلاح المؤمن فی الدعاء والذکر۔ از: محمد ابن ہمام

۳۔ الداء والدواء۔ فصل: [بین الدعاء والقدر] [صفحہ: ۲۲]۔ از: ابن القیم الجوزیۃ۔

چند مُنتخب دعائیں:

(۱)﴿رَبَّنَا آتِنَا فِیْ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِیْ الْآخِرَة حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾
(البقرہ:۲۰۱)

ترجمہ:(اے ہمارے رب! ہمیں دنیاوآخرت میں ہرطرح کی خیروخوبی عطاء فرمااورہمیں آگ کےعذاب سے بچا)

(۲)﴿رَبَّنَالَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِیْنَا أَوْأَخْطَأْنا، رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا اِصْراً كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا، رَبَّنَا وَلَاتُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ، وَاعْفُ عَنَّا ، وَاغْفِرْلَنَا، وَارْحَمْنَا، أَنْتَ مَوْلَیْنَا فَانْصُرْنَاعَلَی الْقَوْمِ الْكَافِرِیْنَ﴾
(البقرہ:۲٦۸)

ترجمہ:(اے ہمارے رب!اگرہم بھول گئے ہوں یاخطا کی ہوتوہمیں نہ پکڑنا،اے ہمارے رب!ہم پروہ بوجھ نہ ڈال جوہم سے پہلے لوگوں پرڈالا تھا،اے ہمارے رب!ہم پروہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو،اورہم سے درگذرفرما،اورہمیں بخش دے،اورہم پررحم فرما،توہی ہمارامالک ہے،پس توہمیں کافروں کی قوم پرغلبہ عطاءفرما)

(۳)﴿رَبَّنَا اِنَّنَا آ مَنَّا فَاغْفِرلَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَاعَذابَ النَّارِ﴾ (آل عمران:۱٦)

ترجمہ:(اے ہمارے رب! ہم ایمان لاچکےاس لئے ہمارے گناہ معاف فرمااورہمیں آگ

کے عذاب سے بچا)

(۴) ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِين﴾ (الاعراف:۲۳)

ترجمہ: (اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر بڑا ہی ظلم کیا۔ اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو یقیناً ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے)

(۵) ﴿رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْراً وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ﴾ (الأعراف:۱۲۶)

ترجمہ: (اے ہمارے رب! ہمارے اوپر صبر ڈال دے اور ہماری جان اسلام کی حالت پر نکال)

(۶) ﴿أَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ﴾ (الأعراف:۱۵۵)

ترجمہ: (تو ہی ہمارا کارساز ہے، پس ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما، اور تو سب بخشنے والوں سے زیادہ اچھا ہے)

(۷) ﴿فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالأَرضِ ، أَنْتَ وَلِيّي فِي الدُّنيَا وَ الآخِرَةِ ، تَوَفَّنِي مُسْلِماً وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ﴾ (یوسف:۱۰۱)

ترجمہ: (اے آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا و آخرت میں میرا ولی [مددگار اور کارساز] ہے، تو مجھے اسلام کی حالت میں وفات دے، اور مجھے نیکوں میں شامل

فرما)

(۸)﴿رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيْمَ الصَّلَاةِ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَاءِ ، رَبَّنَا اغْفِرْلِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ (ابراہیم:۴۰۔۴۱)

ترجمہ:(اے میرے رب! مجھے نماز کا پابند رکھ، اور میری اولاد کو بھی،اے ہمارے رب میری دعاء قبول فرما،اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو بھی بخش اور دیگر مؤمنوں کو بھی بخش جس دن حساب ہونے لگے)

(۹) ﴿رَ بِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيْراً﴾ (بنی اسرائیل رالاسراء:۲۴)

ترجمہ: (اے میرے رب! تو ان دونوں[میرے والدین] پر رحم فرما، جیسا کہ ان دونوں نے میری پرورش کی جب میں چھوٹا تھا)

(۱۰) ﴿رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَداً﴾ (الکہف:۱۰)

ترجمہ: (اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطاء فرما اور ہمارے کام میں ہمارے لئے راہ یابی کو آسان فرمادے)

(۱۱) ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ ، اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ﴾ (الأنبیاء:۸۷)

ترجمہ:(الٰہی! تیرے سوا کوئی معبود نہیں،تو پاک ہے، بے شک میں ہی[اپنے آپ پر]ظلم کرنے والوں میں سے ہوں)

(۱۲) ﴿رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ﴾ (المؤمنون:۱۱۸)

ترجمہ:(اے میرے رب! تو بخش دے اور رحم فرما، تو سب مہربانوں سے بہتر مہربانی کرنے والا ہے)

(۱۳) ﴿رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَاماً اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرّاً وَّ مُقَاماً﴾ (الفرقان:۶۵۔۶۶)

ترجمہ:(اے ہمارے رب! ہم سے دوزخ کا عذاب پرے ہی پرے رکھ، کیونکہ اس کا عذاب تو چمٹ ہی جانے والا ہے، بے شک وہ [جہنم] ٹھہرنے اور رہنے کے لحاظ سے بدترین جگہ ہے)

(۱۴) ﴿رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحاً تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ﴾ (النمل:۱۹)

ترجمہ:(اے میرے رب! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں اور میرے ماں باپ پر، اور میں ایسے نیک اعمال کرتا رہوں جن سے تو خوش رہے، تو مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں میں شامل کرلے)

(۱۵) ﴿رَبِّ اِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي﴾ (القصص:۱۶)

ترجمہ:(اے میرے رب! بے شک میں نے اپنے اوپر ظلم کیا، پس تو مجھے معاف فرمادے)

(۱۶) ﴿رَبِّ اِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ﴾ (القصص:۲۴)
ترجمہ:(اے میرے رب! تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے میں اس کا محتاج ہوں)

(۱۷) ﴿رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحاً تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي اِنِّي تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ (الاحقاف:۱۵)
ترجمہ:(اے میرے رب! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں اور میرے ماں باپ پر، اور میں ایسے نیک اعمال کرتا رہوں جن سے تو خوش رہے، اور تو میری اولاد کو بھی صالح بنا، میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں)

(۱۸) ﴿رَبَّنَآ أَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْلَنَا اِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (التحریم:۸)
ترجمہ: (اے ہمارے رب! ہمیں کامل نور عطا فرما اور ہمیں بخش دے، یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے)

(۱۹) اَللّٰهُم أَصْلِحْ لِي دِيْنِي الَّذِي هُوَعِصْمَةُ أَمْرِي، وَأَصْلِحْ لِي دُنْيَايَ الَّتِيْ فِيْهَا مَعَاشِيْ، وَأَصْلِحْ لِي آخِرَتِيَ الَّتِي فِيْهَا مَعَادِي، وَاجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِّي فِيكُلِّ خَيْرٍ، وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّي مِنْ كُلِّ شَرٍّ۔ (مسلم:۲۷۲۰)
ترجمہ:(اے اللہ! میرے لئے میرے دین کو سُدھار دے جو میرے کام کی عصمت ہے، اور میرے لئے میری دنیا سدھار دے جس میں میری روزی ہے، اور میرے لئے میری آخرت سدھار دے جس میں مجھے لوٹ کر جانا ہے، اور زندگی کو میرے لئے ہر بھلائی

میں زیادتی کا باعث بنادے، اور موت کو میرے لئے ہر بُرائی سے راحت بنادے)

(۲۰) اَللّٰهُم لَاتَدَعْ لِيْ ذَنْباً اِلّاغَفَرْتَه ، وَلَا هَمّاً الّا فَرَّجْتَه، وَ لَا دَيْناً اِلّاقَضَيْتَه، وَلَا حَاجَةً مِنْ حَوَائِجِ الدُّنيَا وَالآخِرَةِ الّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۔ (مجمع الزوائد عن الطبرانی فی الصغیر والأوسط)

ترجمہ: (اے اللہ! مت چھوڑنا میرا کوئی گناہ مگر یہ کہ بخش دینا اسے، اور نہ کوئی فکر [غم] مگر یہ کہ زائل کر دینا اسے، اور نہ کوئی حاجت دنیا اور آخرت کی حاجتوں میں سے مگر یہ کہ پورا کر دینا اسے، اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے)

(۲۱) اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ ، وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ، وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَيْنَا مَصَائِبَ الدُّنْيَا، وَ مَتِّعْنَا بِأَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا أَحْيَيْتَنَا، وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا، وَاجْعَلْ ثَأْرَنَا عَلَىٰ مَنْ ظَلَمَنَا، وَانْصُرْنَا عَلَىٰ مَنْ عَادَانَا، وَ لَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا، وَ لَاتَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا غَايَةَ رَغْبَتِنَا، وَ لَاتُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا ۔ (ترمذی:۳۵۰۲)

ترجمہ: (اے اللہ! حصہ دے ہمیں اپنے خوف سے اتنا کہ جو حائل ہو جائے ہم میں اور تیری نافرمانیوں میں، اور اپنی عبادت سے اتنا کہ جس کے ذریعہ تو ہمیں پہنچا دے اپنی جنت میں، اور یقین سے اتنا کہ جس کے ذریعہ تو آسان کر دے ہم پر دنیا کی مصیبتیں، اور ہمیں فائدہ پہنچا ہماری سماعت سے اور ہماری بینائیوں سے اور ہماری قوّت سے جب تک کہ تو ہمیں زندہ رکھے، اور کرنا اس کی خیر کو باقی بعد ہمارے، اور ہمارا انتقام لے اس سے جو ہم پر ظلم

کرے، اور مدد دے ہمیں اس پر جو ہم سے دشمنی کرے، اور مت کر مصیبت ہماری ہمارے دین میں، اور مت بنا دنیا کو مقصودِ اعظم ہمارا، اور نہ انتہاء ہمارے علم کی، اور نہ انتہاء ہماری رغبت کی، اور نہ مسلط کر ہم پر اس کو جو ہم پر رحم نہ کرے)

(۲۲) اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي مَاقَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّي ۔ (احمد:۲۹۔۸۰۳)

ترجمہ: (اے اللہ! معاف کر دے جو کچھ میں نے پہلے کیا اور جو بعد میں کیا، اور جو کچھ میں نے خفیہ کیا اور جو اعلانیہ کیا، اور جس کو تو مجھ سے بہتر جانتا ہے)

(۲۳) اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْأَلُكَ العفوَ وَالْعَافِيَةَ فِيْ الدُّنيا وَ الآخِرَةِ ۔

(ابن ماجہ:۳۸۷۱)

ترجمہ: (اے اللہ! میں تجھ سے دنیا و آخرت میں عافیت کا سوال کرتا ہوں)

(۲۴) اَللّٰهُمَّ اسْتُرْعَوْرَاتِي وَآمِنْ رَوْعَاتِي، وَاحْفَظْنِيْ مِنْ بينِ يَدَيَّ وَ مِنْ خَلْفِيْ وَعَنْ يَمِيْنِيْ وَعَنْ شِمَالِيْ، وَمِنْ فَوْقِيْ وَاَعُوْذُ بِعَظمَتِكَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِيْ ۔ (احمد:۴۷۸۵)

ترجمہ: (اے اللہ! میرے عیوب کو چھپا دے، اور مجھے خوف سے محفوظ رکھ، اور میری حفاظت فرما میرے سامنے، پیچھے، دائیں، بائیں اور اوپر سے، اور تیری عظمت کی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ میں نیچے سے اچانک اُچک لیا جاؤں) (یعنی مجھے زلزلہ وغیرہ سے محفوظ رکھنا)

(۲۵) اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قَلْبِيْ عَلٰى طَاعَتِكَ ۔ (مسلم:۲۶۵۴)

ترجمہ:(اے اللہ! پھیرنے والے دلوں کے، پھیر دے میرا دل اپنی طاعت کی طرف)

(۲۶) اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَ الْحَزَنِ،وَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَ مِن الْجُبْنِ وَ الْبُخْلِ ، وَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ، وَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِالرِّجَال ۔ (بخاری:۵۱۰۹)

ترجمہ:(اے اللہ!میں تیری پناہ چاہتاہوں فکر سے اورغم سے،اورعاجزی وسُستی وبزدلی،اوربُخل اور گناہ سے،اورقرض خواہ اورقرض کےغلبہ سے،اورلوگوں کے دباؤ سے)

(۲۷) رَبِّ اَعِنِّيْ وَلَاتُعِنْ عَلَيَّ ، وَانْصُرْنِيْ وَلَاتَنْصُرْعَلَيَّ ، وَامْكُرْلِي وَلَاتَمْكُرعَلَيَّ، وَاهْدِنِي وَيَسِّرِالْهُدٰى لِي، وَانْصُرْنِيْ عَلٰى مَنْ بَغٰى عَلَيَّ، رَبِّ اجْعَلْنِي لَكَ ذَكَّاراً ،لَكَ شَكَّاراً، لَكَ رَهَّاباً ،لَكَ مِطْوَاعاً ، لَكَ مُطِيْعاً، اِلَيْكَ مُخْبِتاً ، اِلَيْكَ اَوَّاهاً مُنِيْباً ، رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِيْ ، وَاغْسِلْ حَوْبَتِيْ ، وَ اَجِبْ دَعْوَتِيْ ، وَ ثَبِّتْ حُجَّتِيْ ، وَسَدِّدْ لِسَانِيْ ، وَاهْدِ قَلْبِي ، وَاسْلُلْ سَخِيمَةَ صَدْرِي۔ (ترمذی:۳۵۵۱)

ترجمہ:(اے میرے رب!مدد کر میری اور میرے مقابلہ میں کسی کی مددمت کر،اورفتح دے مجھےاورمیرےاوپرکسی کوفتح نہ دے،اورتدبیرفرما میرے لئے اورمیرےاوپرکسی کی تدبیرنہ چلا،اورہدایت دے مجھے اورآسان فرماہدایت کومیرے لئے، اورمجھ کومدددے اس پرجومجھ پرزیادتی کرے،اے میرے رب! کردے مجھےایسا کہ میں تجھے بہت زیادہ یادکیا

کروں، تیرا بہت زیادہ شکرادا کیا کروں، تجھ سے بہت زیادہ ڈرا کروں، تیری بہت زیادہ فرمانبرداری کیا کروں، تیرا بہت مُطیع رہوں، تجھ ہی سے سکون پانے والا، تیری ہی طرف متوجہ رہنے والا[اور] رجوع ہونے والا بنا رہوں،اے میرے رب! قبول کرلے میری توبہ،اوردھودے میرے گناہ، اورقبول فرمالے میری دعاء،اورقائم رکھ میری حجت،اورراست رکھ میری زبان،اور ہدایت دے میرے دل کو،اورنکال دے میرے سینہ کی کدورت)

(۲۸) اَللّٰھُمَّ اغْسِلْ قَلْبِي بِمَاءِ الثَّلْجِ وَ الْبَرَدِ وَ نَقِّ قَلْبِيْ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّىٰ الثَّوْبُ الأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، وَبَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِب ۔ (بخاری:۱۱۷ـ۶۰۰۷ـ۶۰۱۴)(مسلم:۵۹۸ـ۵۸۹)

ترجمہ:(اے اللہ!دھودے میرادل برف اوراولے کے پانی سے،اورپاک فرمادے میرے دل کوگناہوں سے جیسے کہ سفید کپڑا میل سے صاف کیا جاتا ہے،اورمجھ میں اورمیرے گناہوں میں اس قدر دوری پیدا فرمادے جس قدر تونے مشرق اورمغرب کوایک دوسرے سے دورکررکھاہے)

(۲۹) اَللّٰھُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَىٰ الْخَلْقِ اَحْيِنِي مَاعَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْراً لِي، وَ تَوَفَّنِي اِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْراًلِي ، وَ أَسْأَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ، وَ كَلِمَةَ الإِخْلَاصِ فِي الرِّضَا وَ الْغَضَبِ ، وَاَسْأَلُكَ نَعِيْماً لَا يَنْفَدُ، وَ قُرَّة عَيْنٍ لَاتَنْقَطِعُ ، وَ اَسْأَلُكَ الرِّضَاءَ بِالْقَضَاءِ ، وَ بَرْدَ

الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ ، وَاَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ اِلىٰ وَجْهِكَ ، وَ الشَّوْقَ اِلىٰ لِقَائِكَ، وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ ضَرَّاْءَ مُضِرَّةٍ ، وَ فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ ، اَللّٰهُمَّ زَيِّنَّا بِزِيْنَةِ الْاِيْمَاْنِ وَ اجْعَلْنَا هُدَاةً مُهْتَدِينَ ۔ (نسائی:۱۳۰۵)

ترجمہ:(اے اللہ ! بوسیلہ اپنے عالم الغیب ہونے کے، اورمخلوق پر قادرہونے کے،زندہ رکھنا مجھے جب تک تیرے علم میں زندگی بہتر ہومیرے لئے ،اوراٹھالینا مجھے جب تیرے علم میں موت بہتر ہومیرے لئے ،اور مانگتا ہوں میں تجھ سے تیراڈر غائب اورحاضر میں، اور کلمہ اخلاص کارضامندی اورطیش میں،اور مانگتا ہوں میں تجھ سے ایسی نعمت جوختم نہ ہو،اورآنکھوں کی ایسی ٹھنڈک جوجاتی نہ رہے، اور مانگتا ہوں میں تجھ سے رضامندی تیرے فیصلہ پراوراچھی زندگی موت کے بعد ،اور مانگتا ہوں میں تجھ سے لذت تیرے دیدارکی، اورتڑپ تیرے وصال کی، اورتیری پناہ چاہتا ہوں میں نقصان پہنچانے والی مصیبت سے اورگمراہ کرنے والے فتنہ سے، اے اللہ ! آراستہ فرما ہمیں ایمان کی زینت سے،اور بنادے ہمیں راہ نماوراہ بیں)

(۳۰) اَللّٰهُم اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي۔ (ترمذی:۳۵۱۳)

ترجمہ:(اے اللہ!بے شک توبہت زیادہ معاف کرنے والا بڑامہربان ہے،پس تو مجھے معاف فرمادے)

(۳۱) اَللّٰهُمّ أَحْسِنْ عَاقِبَتِي فِي الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَأَجِرْنِي مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَاْبِ الْآخِرَةِ ۔ (احمد:۱۷۶۶۵)

ترجمہ:(اے اللہ ! اچھا کردے میرا انجام تمام کاموں میں اور پناہ میں رکھ مجھے دنیا کی رسوائی سے اور آخرت کے عذاب سے)

(۳۲) اَللّٰهُم أَعِنّي عَلَىٰ ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ ۔
(ابوداؤد:۱۵۲۲)(نسائی:۱۳۰۳)

ترجمہ:(اے اللہ! مدد فرما میری اپنے ذکر اور اپنے شکر اور اپنی عبادت کی خوبی پر)

(۳۳) اَللّٰهُم قَنِّعْنِي بِمَارَزَقْتَنِي وَبَارِكْ لِي فِيْهِ وَاخْلُفْ عَلَىٰ كُلِّ غَائِبَةٍ لِي بِخَيْرٍ ۔ (حاکم)

ترجمہ:(اے اللہ! قناعت دے مجھے اس پر جو نصیب کیا تو نے مجھے،اور برکت دے میرے لئے اس میں،او رنگراں رہ میری ہر اس چیز پر جو میرے سامنے نہیں ہے، خیریت کے ساتھ)

(۳۴) اَللّٰهُم اِنّي اَسْأَلُكَ عِيْشَةً نَقِيَّةً وَمِيْتَةً سَوِيَّةً وَمَرَدّاً غَيْرَمُخْزِيٍّ وَلَافَاضِحٍ ۔ (حاکم)

ترجمہ:(اے اللہ! میں مانگتا ہوں تجھ سے زندگی صاف ستھری ، اور موت ڈھنگ کی ، اور انجام ایسا جس میں رسوائی اور شرمندگی نہ ہو)

(۳۵) اَللّٰهُم اِنّي اَسْأَلُكَ خَيْرَ الْمَسْأَلَةِ وَخَيْرَالدُّعَاءِ وَ خَيْرَ الْنَّجَاحِ وَ خَيْرَ الْعَمَلِ وَ خَيْرَ الثَّوَابِ وَ خَيْرَالْحَيَاةِ وَخَيْرَالْمَمَاتِ،وَثَبِّتْنِي وَثَقِّلْ مَوَازِيْنِي

وَحَقِّقْ اِيْمَانِي وَارْفَعْ دَرَجَتِي وَتَقَبَّلْ صَلَاتِيْ ، وَاَسْاَلُكَ الدَّرَجَاتِ الْعُلَىٰ مِنَ الْجَنَّةِ ۔ (طبرانی وحاکم)

ترجمہ: (اے اللہ! میں مانگتا ہوں تجھ سے سب سے اچھا سوال، اور سب سے اچھی دعاء، اور سب سے اچھی کامیابی، اور سب سے اچھا عمل، اور سب سے اچھا ثواب، اور سب سے اچھی زندگی، اور سب سے اچھی موت، اور ثابت قدم رکھ مجھے، اور بھاری کر میری نیکیوں کا پلہ، اور سچا کر دے میرے ایمان کو، اور بلند کر میرا درجہ، اور قبول فرما میری نماز، اور مانگتا ہوں میں تجھ سے جنت کے بلند درجات)

(۳۶) اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ اِيْمَاناً يُبَاشِرُ قَلْبِي ، وَ يَقِيناً صَادِقاً حَتّٰى اَعْلَمَ اَنَّه لَايُصِيْبُنِي اِلّامَاكَتَبْتَ لِيْ ، وَرِضىً مِنَ المَعِيْشَةِ بِمَاقَسَمْتَ لِيْ ۔
(مجمع الزوائد)

ترجمہ: (اے اللہ! میں مانگتا ہوں تجھ سے ایسا ایمان جو پیوست ہوجائے میرے دل میں، اور ایسا سچا یقین یہاں تک کہ میں جان لوں کہ نہیں پہنچ سکتی مجھے کوئی تکلیف سوائے اس کے جوتو نے ہی لکھ دی ہے میرے لئے ، اور [مانگتا ہوں میں] رضامندی اس معیشت کے ساتھ جو تقسیم کر دی ہے تو نے میرے لئے)

(۳۷) اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ ، وَ تَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ ، وَ حُبَّ الْمَسَاكِيْنَ، وَ اَنْ تَغْفِرَلِيْ وَ تَرْحَمَنِيْ ، وَ اِذَا اَرَدْتَ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَتَوَفَّنِيْ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ ، وَ اَسْاَلُكَ حُبَّكَ ، وَ حُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ ، وَ حُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُنِيْ

اِلیٰ حُبِّكَ ۔ (ترمذی:۳۲۳۵)

ترجمہ: (اے اللہ! میں مانگتا ہوں تجھ سے توفیق نیک کاموں کے کرنے کی، اور بُرائیوں کے چھوڑنے کی، اور محبت مسکینوں کی، اور یہ کہ بخش دے تو مجھے، اور رحم کرے تو مجھ پر، اور جب ارادہ کرے تو کسی قوم پر مصیبت نازل کرنے کا تو اٹھالینا مجھے قبل اس کے کہ میں اس مصیبت میں پڑوں، اور مانگتا ہوں میں تجھ سے تیری محبت، اور اس شخص کی محبت جو تجھ سے محبت رکھتا ہو، اور ہر اس عمل کی محبت جو قریب کردے مجھے تیری محبت سے)

(۳۸) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْماً كَثِيْراً وَّ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا أَنْتَ، فَاغفِرلِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ ، وَارْحَمْنِي اِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيْمُ ۔

(بخاری:۷۹۹۔۵۹۶۷۔۶۹۵۳)(مسلم:۲۷۰۵)

ترجمہ: (اے اللہ! بے شک میں نے ظلم کیا ہے اپنے آپ پر بہت زیادہ، اور نہیں ہے کوئی گناہوں کو بخشنے والا سوائے تیرے، پس تو مجھے معاف فرمادے خاص اپنی طرف سے، اور تو مجھ پر رحم فرما، بے شک تو بہت زیادہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے)

(۳۹) اَللّٰهُمّ آتِ نَفْسِيْ تَقْوَاهَا وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّاهَا، أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا ۔ (مسلم:۲۷۲۲)

ترجمہ: (اے اللہ! دے میرے نفس کو اس کی پرہیزگاری، اور پاک کردے اسے، تو ہی سب سے بہتر اسے پاک کرنے والا ہے)

(۴۰) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ أَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّي وَانْقِطَاعِ عُمْرِي، وَاجْعَلْ خَيْرَ عُمْرِي آخِرَهُ ، وَخَيْرَ عَمَلِي خَوَاتِيمَهُ ، وَ خَيْرَ اَيَّامِي يَوْمَ أَلْقَاكَ فِيْه ۔ (مجمع الزوائد عن الطبرانی فی الأوسط)

ترجمہ: (اے اللہ! کرنا سب سے فراخ رزق میرا میرے بڑھاپے میں اور میری عمر کے خاتمہ کے وقت، اور کرنا بہترین عمر میری آخری حصہ اس کا، اور میرے تمام اعمال میں سے بہترین عمل وہ جو آخری ہو، اور میرے تمام دنوں میں سب سے بہترین دن وہ جس دن میری تجھ سے ملاقات ہو)۔

☆......☆......☆

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ، وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ،

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ، وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

موضوع ہذا سے متعلق چند مفید کتب:

(۱)الارشادالیٰ صحیح الاعتقاد	صالح بن فوزان
(۲)ارکان الایمان	عبداللہ بن عبدالحمید الأثری
(۳)ارکان الایمان	وہبی سلیمان غاوجی الالبانی
(۴)الایمان	محمد نعیم یٰسین
(۵)بیان أصول الایمان	عبداللہ بن صالح القصیر
(۶)شرح اصول الایمان	محمد بن صالح العثیمین
(۷)شرح العقیدہ الواسطیۃ	محمد بن صالح العثیمین
(۸)شرح العقیدہ الواسطیۃ	صالح بن فوزان
(۹)شرح الطحاویۃ	علی بن علی بن محمد بن ابی العزالحنفی
(۱۰)العبودیۃ	احمد بن تیمیہ
(۱۱)العقائدالاسلامیۃ	السید سابق
(۱۲)عقیدۃ اہل السنۃ والجماعۃ	محمد بن صالح العثیمین
(۱۳)عقیدۃ المسلم	محمد الغزالی
(۱۴)عقیدۃ المؤمن	ابوبکر بن جابر الجزائری
(۱۵)فتح المجید شرح کتاب التوحید	عبدالرحمٰن بن حسن آل الشیخ
(۱۶)تیسیر العزیز الحمید فی شرح کتاب التوحید	سلیمان بن عبداللہ

(۱۷) دین الحق عبدالرحمٰن بن حماد آل عمر

(۱۸) عالم الملائکۃ الابرار عمر سلیمان الأشقر

(۱۹) الروح ابن القیم الجوزیۃ

(۲۰) الحیاۃ البرزخیۃ من الموت الٰی البعث محمد عبدالظاہر خلیفہ

(۲۱) الحیاۃ البرزخیۃ حسین جابر موسیٰ

(۲۲) التذکرۃ فی أحوال الموتی وأمور الآخرۃ محمد بن احمد بن ابی بکر القرطبی

(۲۳) الرسالۃ فی الفتن والملاحم وأشراط الساعۃ ابوعبیدۃ ماہر بن صالح آل مبارک

(۲۴) النہایۃ فی الفتن والملاحم ابن کثیر

(۲۵) اشراط الساعۃ یوسف بن عبداللہ الوابل

(۲۶) فقد جاء أشراطہا محمود عطیہ محمد علی

(۲۷) التصریح فیما تواتر فی نزول المسیح محمد انور شاہ الکشمیری الہندی

(۲۸) الشفاعۃ ابوعبدالرحمٰن مقبل بن ہادی الوادعی

(۲۹) شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمۃ والتعلیل ابن القیم الجوزیۃ

(۳۰) الدعاء والقدر ابن القیم الجوزیۃ

(۳۱) الترغیب فی الدعاء والحث علیہ تقی الدین عبدالغنی المقدسی

(۳۲) سلاح المؤمن فی الدعاء والذکر محمد بن ہمام

❁❁❁


إنما بعثت لأتمم مكارم الأخلاق
(حدیث)
معاشرتی آداب و اخلاق
اسلامی تعلیمات کی روشنی میں
تالیف:
خلیق احمد مفتی